خصوصی اشاعت

بیاد: حضرت مولانا **زین العابدین صاحب** معروفی علیہ الرحمہ

بانی

حضرت مولانا **اعجاز احمد صاحب اعظمی** نور اللہ مرقدہ

مدیر: **مولانا ضیاء الحق خیرآبادی**

مرکز اشاعت:

مدرسہ **سراج العلوم** سراج نگر، چھپرہ

ضلع مئو (یوپی) 276129

EMAIL: zeyaulhaquekbd@gmail.com

سراج نگر
چھپرہ
ضلع مئو

مجلّہ

سراج الاسلام

سہ ماہی

جلد نمبر: ۱	محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۳۵ھ (نومبر ۱۳ تا جنوری ۱۴ء)	شمارہ نمبر: ۱

بانی: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ

زیر نگرانی: مولانا ابرار الحق صاحب قاسمی (مہتمم مدرسہ)
9450732959

مدیر: مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
9235327576

سالانہ زرتعاون: 200 روپے

قیمت فی شمارہ: 50 روپے

ترسیل زر کا پتہ: مولانا افتخار احمد صاحب، مدیر مسئول ''مجلّہ سراج الاسلام'' سہ ماہی
MADRASA SIRAJUL ULOOM SIRAJNAGAR
P.O. CHHAPRA DISTT: MAU (U.P.) PIN:276129

مرکزِ اشاعت

مدرسہ سراج العلوم، سراج نگر، چھپرہ، ضلع مئو (یوپی) 276129

قیمت خصوصی نمبر: 60 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

اس خصوصی نمبر کی قیمت =/60 ہے

آہ! حضرت الاستاذؒ

۲۸ ستمبر کی تاریخ تو ہر سال آتی ہے، اور ۲۲ ذیقعدہ کی آمد بھی حسب معمول تھی، مگر ۲۰۱۳ء اور ۱۴۳۴ھ کی یہ تاریخیں ہمارے لئے ایسا دلگداز و جانکاہ سانحہ لے کر آئیں جس کا زخم مندمل ہونے میں مدتیں بیت جائیں گی۔ میرے انتہائی شفیق ومحسن استاذ ومعلم، میرے مرشد ومربی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ۲۸ ستمبر ۲۰۱۳ء شنبہ کا دن گزار کر رات ساڑھے گیارہ بجے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا إلیه راجعون، اَللّٰھُمَّ اُجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْراً مِنْھَا۔

یہ رسالہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا، شنبہ کو گھر سے مدرسہ آیا تو حضرت مولانا علیہ الرحمہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور پونے گیارہ بجے حاضر خدمت ہوا، پورا رسالہ آپ نے ملاحظہ کیا، کہیں کچھ ترمیم کرائی اور فرمایا جتنی جلد ہو سکے اسے لے کر دہلی چلے جاؤ اور بقرعید سے پہلے یہ شائع ہو جائے تو بہتر ہے، میں نے کہا کہ یکم اکتوبر منگل کا ٹکٹ بن گیا ہے، فرمایا کہ بہت اچھا، حضرت مولانا سے ہوش اور صحت کی حالت میں میری یہ آخری ملاقات اور گفتگو تھی۔ اس کے بعد جب رات دس بجے طبیعت زیادہ خراب ہونے کی اطلاع ملنے کے بعد حاضر خدمت ہوا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ مسافر آخرت تیزی کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ چہرے پر نگاہ پڑتے ہی آنکھیں بھر آئیں، زبان وقلب ہی کیا پورا وجود صحت وسلامتی کے لئے دعا گو تھا، مگر انک میت وانھم میتون و ان اجل اللہ إذا جاء لایوخر کا فرمان خداوندی پورا ہو کر رہا، اور تمام انسانی تدبیریں بے اثر ہو کر رہ گئیں۔

بیماری اور وفات کے مختصر حالات:

حضرت مولانا کی بیماری کی ابتداء تو آج سے ۹ سال پہلے اس وقت ہوئی جب

۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کو ان کے جسم کے دائیں حصہ پر فالج کا شدید حملہ ہوا، اس کے بعد صحت معمول پر نہیں آسکی، لیکن وہ عزم وہمت کے پہاڑ تھے، اسی حالت میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتقریر اور تربیت سالکین کا سلسلہ بدستور جاری رہا، لیکن گزشتہ سال جب گردے کمزور ہوگئے اور ڈائیلیسس کا سلسلہ شروع ہوا، ضعف ونقاہت بہت بڑھ گئی، درس وتدریس کا سلسلہ موقوف رہا، اور قیام مسلسل بمبئی میں رہا۔ امسال رمضان سے طبیعت قدرے بہتر ہوئی، تو شوال سے پھر ایک دو کتابوں کے پڑھانے کا سلسلہ رہا، جس دن آپ کا انتقال ہوا ہے یعنی ۲۸؍ستمبر شنبہ کو، اس دن بھی آپ نے دو کتابوں کا سبق پڑھایا ہے۔

مولانا ۲۸؍ستمبر شنبہ کو مغرب کے وقت تک بالکل معمول کے مطابق رہے، نمازوں کیلئے مسجد میں حاضر ہوئے، عصر بعد کی مجلس میں چائے بھی معمول کے مطابق پی، مغرب کے بعد طبیعت میں اضمحلال پیدا ہونا شروع ہوا، عشاء کے وقت دو مرتبہ قے ہوئی اس کے بعد بلڈ پریشر بہت لو ہوگیا۔ فوراً مئو لے جایا گیا، اس وقت تک ہوش میں تھے، اور ہونٹ مسلسل ہل رہے تھے جیسا کہ ذکر خفی کے وقت ان کا معمول تھا، ڈاکٹروں نے اپنے حساب سے بہت کوشش کی مگر وقت پورا ہو چکا تھا، گیارہ بجے ہاسپٹل پہونچے تھے اور ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔ ہجری سن کے اعتبار سے مولانا کی عمر ۶۳؍سال ۷؍ماہ تھی۔

جسد خاکی مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ (ضلع مئو) لایا گیا، دوسرے دن بعد نماز ظہر تین بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، نماز جنازہ مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد عابد صاحب قاسمی نے پڑھائی۔ مدرسہ کے احاطہ میں مسجد کے زیر سایہ اس امانت کو ہمیشہ کیلئے زمین کے سپرد کردیا گیا۔ اس کوردہ دیہات میں جنازہ میں تیس ہزار کا مجمع ہوگیا تھا، جس میں اکثریت مدارس کے علماء وطلباء کی تھی، یہ عنداللہ مقبولیت اور عندالناس محبوبیت کی دلیل ہے۔

''اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ بنائے۔ مغفرت کی دلنواز ادائیں ہمدم وہم ساز رہیں، نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ کی صدائے روح پرور ان کو لوریاں دے، عفو ودرگذر کا آب زلال تمام خطاؤں اور غلطیوں سے دھو کر پاک وصاف کردے۔'' آمین

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

شیخو پور سے چھپرہ تک

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

۱۹۸۹ء میں مَیں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں مدرس تھا۔ وہاں میرے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد افضال الحق صاحب جوہر قاسمی بھی استاذ تھے،اس وقت وہاں ایسے حالات رونما ہوئے کہ استاذ وشاگرد دونوں نے وہاں سے تعلق منقطع کر لینے میں عافیت محسوس کی۔

مولانا علیہ الرحمہ وہاں سے نکل کر گورکھپور تشریف لے گئے، میں نکلا تو حضرت الاستاذ کا خیال تھا کہ میں بھی گورکھپور پہونچوں،مگر میں اپنے بعض حالات اور خیالات کی بنا پر اپنے وطن اور اپنے ضلع میں رہنا چاہتا تھا۔ میرے ایک اور خصوصی استاذ حضرت مولانا محمد مسلم صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے بڑے لطیف انداز میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں شیخوپور چلنے کی دعوت دی اور فرمایا کہ بلریا گنج میں جماعت اسلامی کا ادارہ جامعۃ الفلاح ہے ،اس کی وجہ سے جماعت اسلامی کا پھیلاؤ بڑھ رہا ہے،تم پہونچو گے تو خود بخود اس کا دامن سکڑ جائے گا۔ میں شیخوپور سے تو واقف تھا مگر یہ کہ وہاں کوئی عربی تعلیمی ادارہ بھی ہے، اس سے ناواقف تھا۔ اسی دوران دار العلوم اسلامیہ بستی سے مجھے تدریس کی دعوت ملی تھی، مگر قربِ

وطن کی وجہ سے شیخو پور کو ترجیح دینا چاہ رہا تھا، مولانا کے حکم پر میں شیخو پور حاضر ہوا۔ تو وہاں علمی اور تعلیمی اور تعمیری ہر اعتبار سے سناٹا تھا۔ جامع مسجد بن کر کھڑی تھی، جس میں ایک بلب روشن تھا اور اندھیرے کو شکست دینے کی ناتمام کوشش کر رہا تھا، جامع مسجد کے مشرق میں ایک لمبی چوڑی پانی سے لبریز گڑھی تھی، گڑھی کے جنوبی حصے میں دو تین کھپریل کے کمرے تھے، مشرقی حصے میں چھ کمرے نیچے اور چھ کمرے اوپر کا ایک ڈھانچہ کھڑا تھا، شمالی جانب ایک ادھورا سا کھپریل کا مطبخ تھا۔

اس احاطہ میں بیس پچیس طلبہ حفظ کے اور چار پانچ طالب علم عربی کے فروکش تھے، مکتب کے گاؤں کے بچے تعلیم کے وقت آتے اور چھٹی پا کر چلے جاتے، میں یہاں آ کر سوچ میں پڑ گیا، ایک طرف استاذ گرامی کا حکم اور دوسری طرف یہ بے سروسامانی! پھر میرے دل نے فیصلہ کیا کہ مجھے نہ دنیا کی شہرت مقصود ہے نہ آسائش مطلوب ہے، دین اور دینی تعلیم کی خدمت میرا مقصد زندگی ہے، امید ہے کہ یہاں اس ویرانے میں وہ بے غل وغش حاصل ہوگا۔ مجھے انشراح صدر ہو گیا اور میں نے یہاں قیام منظور کر لیا، میرے سامنے تنخواہ کا کبھی کوئی مسئلہ نہ رہا، استاذ محترم نے جو فرما دیا، میں نے آمنا و صدقنا کہا۔ میں وہاں رہ پڑا، میرے حصے میں درجہ فارسی کے چند طلبہ اور عربی اول وعربی دوم کے چند طلبہ جو میرے خاندان اور سابقہ تعلیمی ادارے میں مجھ سے قریب تھے آ گئے۔ میں پڑھانے لگا، لیکن ابتداء سے اوپر کی جماعتوں کو پڑھاتا آیا تھا، مجھے آسودگی حاصل نہیں ہوتی تھی۔ میں انھیں طلبہ پر محنت کرتا تھا، بقرعید کے بعد چند طلبہ جامعہ حسینیہ جونپور سے آئے، جو عربی پنجم کے طلبہ تھے، انھوں نے اصرار کیا کہ ہم آپ سے پڑھیں گے، میں نے عذر کیا کہ یہاں نہ ابھی جگہ ہے نہ کتابیں ہیں، تم لوگ پریشان ہو جاؤ گے، انھوں نے مجھے اطمینان دلایا، میں نے اس کا تذکرہ مدرسہ کے اس وقت کے ناظم مولانا محمد عارف عمری سے کیا، انھوں نے حوصلہ افزائی کی اور ان کا داخلہ کر لیا۔ اب میرے لئے آسودگی فراہم ہو گئی، میں نے عربی کی تمام کتابیں از ابتداء تا انتہا پڑھائیں۔ اس تعلیم میں ایک اور استاذ بھی شریک تھے، اور وہ بھی اس طرح

کہ چھ ماہ وہ رہ کر دوسری جگہ چلے گئے، پھر دوسرے استاذ آئے۔عربی پنجم کی ایک کتاب کے علاوہ تمام کتابیں اور عربی دوم کی زیادہ تر کتابیں اور قدرے قلیل فارسی کی کتابیں میں پڑھاتا رہا۔سال پورا ہوا،عربی پنجم کے یہ طلبہ تعلیم کی تکمیل کے لئے دیوبند حاضر ہوئے اور انھوں نے تعلیم و تعلم اور دینداری واخلاق میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ وہیں سے مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور کی دارالعلوم دیوبند اور ملک کے دوسرے علاقوں میں شہرت حاصل ہوئی۔

اب مدرسہ کا قافلہ باوجود غربت وبے سروسامانی کے ایک اعلیٰ معیار پر چل پڑا، عمارتیں بھی بنیں،طلبہ کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا۔بہتر سے بہتر اساتذہ جن میں زیادہ تر مجھی سے تعلیم پائے ہوئے تھے فراہم ہوئے۔ مالیات کا مسئلہ مستحکم ہوا، دیکھتے ہی دیکھتے مدرسہ شیخ الاسلام ملک وبیرون ملک کا معروف ادارہ بن گیا۔

جب کوئی چیز اپنے عروج وارتقاء پر پہونچتی ہے،اور حسن ورعنائی سے مزین ہوتی ہے تو اس پر نظر بد بھی پڑنے لگتی ہے،اب مدرسہ کا انتظام کچھ ایسے افراد کے ہاتھ میں آیا جن میں وسعت قلبی کے بجائے تنگ دلی کا مادہ زیادہ تھا،انھوں نے مدرسہ کے تعلیمی واخلاقی ماحول میں خرابیاں پیدا کیں،بعض بے جا ونامعقول اقدامات کی وجہ سے اساتذہ وطلبہ میں بددلی پھیلائی، پھر مزید ان کو اس واقعہ سے موقع مل گیا کہ میں سخت بیمار ہو گیا،ڈاکٹروں کے قول کے مطابق میرے دونوں گردے کمزور ہو گئے ، اس کے علاج کے سلسلے میں مجھے کافی مدت اعظم گڈھ اور حیدرآباد میں رہنا پڑا۔میری عدم موجودگی سے خرابی وبربادی کی جڑیں گہری ہوتی چلی گئیں، میں تھک ہار کر صحت کی تلاش میں بمبئی گیا،وہاں کے مخلصین نے بہت جدوجہد کے بعد مجھے گردے کی دھلائی یعنی ڈائیلیسس پر راضی کر لیا،اِدھر میری ڈائیلیسس شروع ہوئی ، اُدھر مدرسہ کی جدید انتظامیہ نے میرے مشورے اور اطلاع کے بغیر ایک دوسرے مدرس کو عارضی اور کارگزار سہی صدر مدرس نامزد کر دیا۔اس واقعہ سے اساتذہ وطلبہ میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی ، پھر ساتھ ہی ایسا ماحول بنایا گیا جس میں امن وعافیت کے بجائے جنگ وجدال کے شرارے تھے، پولیس کو بھی آ کر مداخلت کرنی پڑی، میں اس پوری

مدت میں بمبئی رہا۔

ماحول گرم ہوا، اور اسی گرم ماحول میں مجلس شوریٰ کا انعقاد ہوا، اس مجلس شوریٰ میں کچھ بااثر لوگ میرے خلاف نئی انتظامیہ کے زیر اثر ذہن بنائے ہوئے تھے، میں اندازہ سے سمجھ رہا تھا کہ اس شوریٰ میں کیا ہوگا؟ میں نے ماحول کو درست کرنے کے لئے ایک مفصل خط شوریٰ کے نام لکھا، کہ شاید اس سے صورت حال بہتری کی طرف لوٹ آئے، مگر جب دل بدگمانیوں کی آگ میں جل رہے ہوں، تو پانی بھی آگ لگاتا ہے، میرے خط کو غیر آئینی قرار دے کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا، بلکہ اسے میرا فردِ جرم شمار کیا گیا۔ (۱) اور میرے اوپر ایسے الزامات لگائے گئے جسے ناظم مدرسہ سے لے کر مدرسہ کا ہر فرد جانتا ہے کہ ان کا کوئی چھینٹا میرے دامن پر نہیں ہے۔

بہر حال ماحول ایسا گرم کر دیا گیا کہ میں نے فتنوں سے بچ نکلنے میں دین و دنیا کی عافیت محسوس کی۔

☆☆☆☆☆

ضلع مئو، جو پہلے اعظم گڈھ کا ایک جز تھا، اس کے ایک مشہور قصبہ چریا کوٹ کے قریب ایک گاؤں چھپرہ ہے، میں نے اپنے بعض احباب کے مشورے سے ایک مدرسہ، سراج العلوم کے نام سے ۱۴۲۰ھ میں قائم کیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ آبادی پر مشتمل ہے، جس کی غالب اکثریت ہندوؤں کی ہے اور مسلمان بھی بکثرت ہندوانہ تہذیب میں رنگے ہوئے ہیں، میں نے اس علاقہ کا جائزہ لیا تھا، (۲) تو اندازہ ہوا کہ ایک

(۱) مجلس شوریٰ مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کے نام جو خط میں نے لکھا تھا، وہ من وعن اس مضمون کے بعد درج ہے، ناظرین غور فرمائیں کہ اس میں کون سی بات غیر آئینی ہے۔

(۲) اس سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہ کا ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ ضیاء الاسلام ماہ اگست ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا تھا، یہ مضمون حضرت مولانا کی کتاب ''حدیثِ دردِ دل'' ص: ۲۹۷ پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا ایک اقتباس جو اس مدرسہ سے متعلق ہے، پیش خدمت ہے۔ (مدیر)

''مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور کے طالب علموں میں ایک صاحب مولوی ابرار الحق سلّمہٗ ہیں، ==

مضبوط تعلیمی ادارے کی یہاں سخت ضرورت ہے، جس میں مختلف قریہ جات کے مسلمانوں

== ابتدائی درجات سے متوسطات تک شیخوپور میں تعلیم حاصل کی، پھر دوسال دارالعلوم دیوبند میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ فراغت کے دو سال کے بعد اسی خاکسار کے مشورے سے انھوں نے اپنے گاؤں چھپرا میں جو چریا کوٹ سے تھوڑے فاصلہ پر مشرق میں ہے، ایک تعلیمی ادارہ سراج العلوم کے نام سے قائم کیا ہے، یہ علاقہ ضلع مئو میں واقع ہے اور کافی طول وعرض میں کثیر تعداد میں چھوٹے بڑے گاؤں کا مجموعہ ہے۔ اس علاقہ میں غیر مسلم آبادی کی نمایاں اکثریت ہے، مدرسہ سراج العلوم کی مناسبت سے مجھے اس علاقے میں بار بار جانے کا اتفاق ہوا۔ بعض قریبی مواضع میں بھی گیا، جہاں مسلمان قلیل تعداد میں آباد ہیں، ان کی دینی ودنیاوی حالت دیکھی تو طبیعت پر خاص اثر ہوا، غیر مسلموں کے درمیان مسلمانوں کی آبادیاں۔ انھیں دیکھ کر کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ یہ مسلمان ہوں گے، کسی کسی گاؤں میں ایک آدھ مسجد وہ بھی سجدوں سے محروم! کفر وشرک کی رسمیں جاری، بدعات وخرافات عینِ اسلام! مولوی صاحب موصوف کی محنت وکوشش سے اکادکا بچے ان گاؤں سے نکل کر مدرسہ سراج العلوم میں پہونچنے لگے۔

میں نے مولوی صاحب سلّمہٗ کو مکلّف کیا کہ چھپرا کو مرکز بنا کر اطراف کے گاؤں کا جائزہ لیں کہ کس گاؤں میں مسلم آبادی کتنی ہے؟ وہاں مسجد ہے یا نہیں؟ تعلیم کا نظم ہے یا نہیں؟ مکتب ومدرسہ کی صورت حال کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیں مولوی صاحب موصوف نے گاؤں گاؤں کا دورہ کیا، ہر جگہ کی معلومات بہم پہونچائیں، اور مرتب کرکے مجھے دیا۔ انھوں نے چھپرا کو مرکز قرار دے کر مغرب ومشرق اور شمال وجنوب میں غالباً دس پندرہ کلومیٹر تک جائزہ لیا، اور ۸۳؍گاؤں کی رپورٹ مرتب کی۔ نام بنام پوری رپورٹ شائع کرنی تو باعث طوالت ہے۔ ایک اجمالی جائزہ ملاحظہ ہو۔

ان میں ۳۶؍گاؤں ایسے ہیں، جن میں مسلمانوں کے گھر دس سے کم ہیں، ۲۷؍گاؤں ایسے ہیں، جن میں ۱۰؍اور ۲۰؍کے درمیان مسلمانوں کے گھر ہیں۔ ۹؍گاؤں وہ ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۲۰ اور ۳۰؍کے درمیان ہیں، ۶؍ایسے گاؤں ہیں جن میں مسلمانوں کے گھر ۳۰؍اور ۴۰؍کے درمیان ہیں، ۳؍گاؤں میں مسلمانوں کے گھر ۴۰؍اور ۴۵؍کے درمیان ہیں۔ ایک گاؤں میں ۱۰۰؍گھر، ایک گاؤں میں ۲۰۰ گھر، ایک گاؤں میں ۳۰۰ گھر اور بس۔

پھر ان ۸۳؍گاؤں میں ۴۸؍گاؤں ایسے ہیں جن میں ایک یا دو مسجدیں ہیں۔ اور ۲۹؍گاؤں میں معمولی مکتب کا نظم ہے، جو لشٹم پشٹم چلتے ہیں اور بند ہوتے ہیں۔ بعض گاؤں میں مسجدوں میں تعلیم کا ہلکا پھلکا نظم ہے۔ ==

کے بچوں کو لا کر دینی تعلیم سے بہرہ ور کیا جائے چنانچہ اسی منصوبہ کے تحت مدرسہ وجود میں آیا، اور ایک ہلکی رفتار سے ترقی کرتا رہا۔ میں جب شیخوپور سے فارغ ہوا تو میرے سامنے ملک کے طول وعرض میں بہت سی بڑی بڑی جگہیں تھیں جہاں میرے لئے ہر طرح کی سہولتیں بھی مہیا ہیں، مگر میں نے اپنے ضعف وعلالت کے باوجود اس جگہ کو منتخب کیا، دین کی خدمت کا یہ اچھا میدان ہے۔ میرے آنے کے بعد یہاں قرب جوار کے علاوہ اور حلقوں سے اچھے خاصے طلبہ آ گئے، بہت مناسب اور دین کی خدمت کا جذبہ رکھنے والے اساتذہ بھی فراہم ہو گئے، تعمیرات کی کمی کی وجہ سے بہت سے طلبہ کو واپس کرنا پڑا، اور عربی کی صرف دو جماعتیں ہفتم (مشکوٰۃ شریف) اور ششم (جلالین شریف) قائم کی جا سکیں۔

== غرض یہ کہ تعلیم کا دِیا علاقہ کے تقریباً ایک تہائی حصہ میں جلتا تو ہے، مگر ٹمٹماتا اور جھلملاتا ہوا، جہل کے سائے نہایت دبیز ہیں، مسلمان عام طور سے غیر مسلموں کے معاشرے میں دبے ہوئے ہیں، کفر وشرک کی نہ جانے کتنی رسمیں ان میں جاری ہیں، اور بہت سے لوگ بدعات میں گرفتار ہیں، شراب خوری، بدچلنی، آوارگی اور جھگڑے فساد کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں، علم کا فقدان، جہالت کا طوفان۔ مرد وعورت سب ایک رنگ میں رنگین، ان لوگوں میں دین کی تعلیم کو جمانا، اور انھیں دینی اعمال پر لانا ایک بڑا مجاہدہ ہے۔

ان کے سامنے صرف کھانا کمانا، شادی بیاہ کرنا، جینا اور مرجانا ہی زندگی کی کل کائنات ہے، ان جگہوں پر نہ علماء پہونچ پاتے ہیں اور نہ تبلیغی جماعتیں پہونچتی ہیں، اور یہ تو اپنی دنیا میں مست ہیں، یہ خود علماء کے پاس کیوں آنے لگیں، اگر کوئی پہونچتا ہے تو وہی نذرانے وصول کرنے والے ہیں۔ وہ انھیں شرکیات وبدعیات میں سلا کر اپنا نذرانہ لے کر چل دیتے ہیں۔

میرا ارادہ تھا کہ ہفتہ دو ہفتے وقت نکال کر ان گاؤں کا دورہ کروں گا۔ ارادہ تھا کہ سردیوں کے ختم ہونے کے بعد ایک پروگرام مرتب کیا جائے گا، مگر اللہ کو منظور نہ تھا، سردیوں کے شباب میں میری طبیعت خراب ہوئی، اور ابھی تک سفر کے لائق نہیں ہو سکا ہوں۔

ماشاء اللہ مولوی ابرار الحق سلّمہٗ لگن سے کام کر رہے ہیں، ان کی آمد ورفت ان گاؤں میں رہتی ہے، وہاں سے چھوٹے بچوں کو لاتے ہیں۔ اور اپنے مدرسہ میں ان کی تعلیم اور قیام وطعام کا مناسب انتظام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اور ان کے رفقاء کی نصرت فرمائیں، اور مسلمانوں کے تاریک گھروں کو علم اور دین کے نور سے اجالا کریں۔'' (آمین یا رب العالمین)

تعمیرات میں وسعت ہوئی تو دین اور علم دین کا ایک اچھا مرکز بنے گا۔ان شاء اللہ
خدمت دین کی نیت سے ایک سہ ماہی رسالہ ''سراج الاسلام'' نکالنے کا ارادہ کیا
گیا ہے جو ان شاء اللہ آئندہ برسوں میں ماہانہ ہو جائے گا۔

یہ پہلا شمارہ ہے جو استاذی و استاذ العلماء حضرت مولانا زین العابدین المعروفی علیہ الرحمہ پر خصوصی اشاعت ہے، اس خاص نمبر کی سب سے اہم اور خصوصی چیز حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی خودنوشت سوانح ہے جو پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہے۔اس کے بعد دوسرا شمارہ ان شاء اللہ حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب غازی پوریؒ سے متعلق ہوگا۔اور تیسرا شمارہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد افضال الحق صاحب جوہر قاسمی علیہ الرحمہ کی یادگار میں ہوگا۔اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور قبول فرمائیں۔آمین

☆☆☆☆☆

نوٹ : یہ حضرت مولانا کی آخری تحریر ہے، اس کی تصحیح انتقال سے صرف بارہ گھنٹے قبل کی گئی، اس کے بعد دین وملت کے دفاع ونصرت میں چلنے والا یہ قلم اور اللہ ورسول کی تعلیمات کو عام کرنے والی یہ صدا ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگئی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

اس خصوصی اشاعت کے بعد اگلا شمارہ انشاء اللہ حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر خصوصی نمبر ہوگا، اس سلسلے میں حضرت مولانا کے تلامذہ اور تمام متعلقین ومنتسبین سے گزارش ہے کہ اس نمبر کو وقیع سے وقیع اور مفید سے مفید تر بنانے میں ادارہ کا ہر ممکنہ تعاون فرمائیں، تاکہ یہ نمبر بہتر سے بہتر صورت میں سامنے آئے۔ اس کی تفصیلات اس شمارے کے آخری صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔اس کے بعد حضرت مولانا کے پروگرام کے مطابق انشاء اللہ بقیہ دونوں خصوصی نمبرات بھی شائع کئے جائیں گے۔ ہمارا عزم اور حوصلہ یہی ہے کہ حضرت مولانا کے ناتمام چھوڑے ہوئے کاموں کی باحسن وجوہ تکمیل کی جائے، اللہ تعالیٰ ہمارے عزائم اور حوصلوں میں برکت دیں اور اس کی تکمیل کو سہل اور آسان فرمائیں۔آمین (مدیر)

خط بنام اراکین مجلس شوریٰ مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت گرامی ارکان شوری مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الهادين ونعوذ بالله من شرور انفسنا وسيئات اعمالنا برحمته فانه ارحم الراحمين

اما بعد مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور کا خادم چند گزارشیں اس کے محترم ارکان شوری اور انتظامیہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے، اور امید کرتا ہے کہ ٹھنڈے دل سے محض دین اور مدرسہ کے مفاد میں اس پر غور کریں گے۔

(۱)

اللہ تعالیٰ کو کسی جگہ خیر منظور ہوتا ہے تو وہاں دین اور علم دین کی خدمت کے اسباب مہیا کرتے ہیں، اور ان کی ترقی کی راہ کھولتے ہیں، شیخو پور میں دینی تعلیم مکتب کی شکل میں عرصہ سے جاری تھی، اللہ کو منظور ہوا کہ اسے ترقی دیں، تو یہاں کے مخلصین کی تحریک سے متأثر ہو کر استاذ محترم حضرت مولانا محمد مسلم صاحب نور اللہ مرقدہ نے ادھر توجہ فرمائی، انھوں نے حسن ظن کی بنیاد پر اپنے اس شاگرد کو یہاں بیٹھایا، اور ان کی دعاؤں اور توجہات کی برکت سے آناً فاناً مدرسہ ترقیات کی منزلیں طے کرنے لگا، چند ہی سالوں میں یہ مدرسہ ملکی پیمانہ پر تعلیم وتربیت کا ایک مثالی ادارہ بن گیا، چنانچہ یوپی، بہار، آسام بنگال، مہاراشٹر، حیدرآباد دکن، تک سے طلبہ آنے لگے، اور اعتماد کی کیفیت اسے یہ حاصل ہوئی کہ دینی مدرسوں کے ذمہ داران اور اساتذہ اپنی اولادوں اور اپنے متعلقین کو زیور تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کے لئے یہاں بھیجنے لگے، ابتدائی سالوں میں ایک بار حضرت مولانا نعمت اللہ

صاحب، استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند شیخو پور تشریف لائے اور طلبہ کا ہجوم دیکھ کر ان کے درمیان خطاب کرتے ہوئے فرمارہے تھے۔

یہ جگہ جہاں زندگی اور معیشت کے سامان کم سے کم پائے جاتے ہیں، جہاں کوئی بازار نہیں، ایسی جگہ طلبہ کا ہجوم بتا رہا ہے کہ ان کی تشنگی دور کرنے اور ان کے اطمینان وتسلی کا سامان یہاں موجود ہے۔

طلبہ نہ صرف یہاں آتے تھے، بلکہ جم کر شرح صدر کے ساتھ یہاں رہ کر علم حاصل کرنے میں مشغول رہتے تھے، جب یہاں کی تعلیم مکمل ہو جاتی تب یہاں سے بادل ناخواستہ جاتے تھے۔

یہ اللہ کا بڑا احسان ہوا، چھوٹے بڑے تمام مدارس سے آگے بڑھ کر ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں بھی اس کا وقار محسوس کیا گیا، اس احسان پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

(۲)

نعمتوں پر شکر گزاری ہوتی ہے تو ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہ شکر گزاری کچھ عرصے تک خوب محسوس ہوتی رہی، اور نعمتوں میں اضافہ تعلیمی، اخلاقی، تعمیری اور مالی اعتبار سے ہوتا رہا، مگر چند سالوں کے بعد اس شکر گزاری کے بجائے طبیعتوں میں گرانی کا احساس ہونے لگا، اس گرانی کے نتیجہ میں مدرسہ ایک بہترین منتظم اور ناظم مولانا محمد عارف عمری صاحب سے محروم ہوا، یہاں سے زوال نعمت کا احساس بھی شروع ہوا، نئی انتظامیہ جو آئی، وہ جن حالات میں آئی، اور جن اثرات سے وہ متاثر ہوئی اس کا نتیجہ، پہلا یہ ظاہر ہوا کہ مدرسین کے باہمی محبت وتعلقات میں فرق پڑ گیا، یکجہتی کے بجائے انتشار وتفریق کی دراڑیں دکھائی دینے لگیں، ایسا تأثر دیا جانے لگا کہ جس شخص کے آنے کے بعد مدرسہ ترقی کی راہ پر تیزی سے آگے بڑھا ہے، وہ کچھ خاص اہم نہیں نہ اس کی کوئی خاص ضرورت ہے، اگر وہ نہ رہے گا تو کیا مدرسہ نہ چلے گا؟ وغیرہ۔

بلاشبہ کسی ادارہ کو چلانے والے اللہ تعالی ہیں، لیکن اللہ خاص خاص افراد کے ذریعہ

احسان فرماتے ہیں، جن سے ادارہ بہتر سے بہتر کارکردگی پیش کرتا ہے، مدرسہ شیخ الاسلام کے آغاز کار ہی میں اچھے، باصلاحیت، محنتی، مخلص اور بے لوث افراد کو حق تعالی نے جمع فرما دیا ،طلبہ بھی اچھے مل گئے ،اور چند ہی دنوں میں مدرسہ کی نیک نامی کے ساتھ شہرت ہوگئی۔

مگر اب جو انتظامیہ آئی اس نے ان قابل اعتماد افراد پر شکوک وشبہات کی نگاہ ڈالنی شروع کی، مختلف شکایات، ناراضگیاں ظاہر ہونے لگیں، عملہ میں بے چینی اور طلبہ میں انتشار محسوس ہونے لگا، یہ خرابیاں بہت تیزی سے نہیں، آہستہ آہستہ آتی رہیں، یہاں تک کہ مدرسہ کے تعلیمی اور اخلاقی حالت میں زوال محسوس ہونے لگا، مجلس شوری کے مباحثوں اور کاروائیوں سے لے کر مدرسہ کے آخری انتظامی و تعلیمی امور تک اس کا اثر پڑا۔

(۳)

ان خرابیوں کے اظہار میں اس وقت تیزی آگئی جب یہ خاکسار شدید بیماری میں مبتلا ہوا، اور اس کی وجہ سے ڈاکٹروں کے حکم کے مطابق دو ماہ تک آرام کی غرض سے مدرسہ کے باہر اعظم گڑھ اور حیدرآباد میں رہا، لیکن اعظم گڑھ میں چونکہ قریب رہا اس لئے زیادہ فرق نہیں پڑا، مگر جب اس بیماری کی وجہ سے مجھے ممبئی قیام کرنا پڑا، اور طویل سلسلہ علاج میں ڈاکٹروں کی رائے سے مجھے گرفتار ہونا پڑا، تو انتظامیہ نے غالبًا یہ سمجھ لیا کہ اب میں مدرسہ میں نہ لوٹ سکوں گا، پھر مجھے بالکل نظر انداز کر دیا گیا، مدرسہ کے کسی معاملہ میں نہ مجھ سے مشورہ کیا، مشورہ تو در کنار، مدرسہ میں کچھ بھی ہو جائے ،انتظامیہ نے مجھے کبھی خبر بھی نہ دی، مجھ سے مشورہ کے بغیر دوسرا صدر مدرس بنا دیا گیا، بنا دینے کے بعد اس کی اطلاع سے مجھے بے خبر رکھا گیا، میں چند روز کے وقفہ میں مدرسہ پہونچا تب بھی کچھ نہیں بتایا گیا۔

اس صورت حال نے میرے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ اب انتظامیہ کے نزدیک میں ایک غیر ضروری فرد ہوں، میں بھی خاموش رہا، واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ میرے بغیر کوئی کام رک جائے ،مگر مجھے اندیشہ یہ ضرور ہوتا رہا کہ ناشکر گزاری کافی بڑھ گئی ہے، ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی اور تکوینی انتظامات کے اعتبار

سے بھی مدرسہ میں جو چہل پہل تھی، اس کی جو نیک نامی تھی، مدارس کے درمیان اس کا جو امتیاز تھا، اس کے ذریعہ سے حفظ قرآن، تعلیم علم دین، اور مجلّہ ضیاء الاسلام کی وجہ سے علم کا جو پھیلاؤ، اور شہرت ومقبولیت کی جو برکتیں نظر آ رہی تھیں، ان کا آغاز اور ان کی ترقی اسی شخص کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بخشی تھیں، جسے اس کے استاذ نے یہاں بٹھایا تھا، جن لوگوں کے درمیان وہ کام کر رہا تھا اسے ان لوگوں نے جب نظر انداز کر دیا تو یہ ناشکری کی انتہا ہے۔

(۴)

اس ناشکری کے ثمرات پھر جلد ہی ظاہر ہونے لگے، مجھے اندیشہ تو ضرور تھا مگر اتنی جلد نہیں کہ بڑھتی ہوئی نیک نامی والا مدرسہ اس طرح اچانک فتنوں کا شکار ہو جائے گا، ساری نیک نامی بدنامی سے بدل جائے گی، پوری جماعت مدرسہ خالی کر دے گی، اور پھر بھگدڑ کا تسلسل جاری ہو جائے گا۔

عجیب بات یہ کہ ان سارے معاملہ میں انتظامیہ اپنی کسی غلطی، اپنی کسی خامی پر نظر نہیں کرتی، اسے طلبہ کے سر ڈالتی ہے، دوسروں کو اس کا ذمہ دار بناتی ہے، حالانکہ بدیہی نظر یہ دیکھ رہی ہے قصور سارا انتظامیہ کا ہے، مدرسہ میں طلبہ آتے ہیں اور یہ اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں، اور یہ درجہ بدرجہ تعلیم حاصل کر کے اللہ جانے کن کن مرتبوں پر پہونچیں گے، ان کے ذریعہ دین کی کتنی خدمات انجام پائیں گی، انکے ذریعہ کتنی برکتیں نازل ہوں گی، آج کے بڑے بڑے علماء ومشائخ کل کے طلبہ ہی تو تھے، مدرسہ کے باورچی خانہ میں کام کرنے والا بیچارہ، باورچی سے آگے ترقی نہیں کرتا، بلکہ اپنی بہت سی بدعنوانیوں کی وجہ سے اور نیچے گر جاتا ہے، ان دونوں میں کیا تقابل کہ اس کی وجہ سے طالب علم کا بلکہ بہت سے طلبہ کا اخراج کر دیا جائے، کیا حل کی اور کوئی صورت نہیں تھی؟

مدرسہ اب جس مقام پر پہنچ چکا ہے بہت صدمہ کا مقام ہے، بہت دانائی، اخلاص اور اپنی انانیت سے بالاتر ہو کر اس سے لوٹانے کی ضرورت ہے۔

میں نے یہ سطریں اپنی صفائی کے لئے نہیں لکھی ہیں، اللہ کو غیب کی خبر ہے، میرے

دل میں درد ہے، اس کو ظاہر کیا، ارکان شوری اسے سمجھیں اور اس کا تدارک کریں، ورنہ اب یہ بہار اجڑ جائیگی، گلشن ویران ہو جائے گا، اللہ کو جہاں جس سے کام لینا ہوگا وہاں پہونچا دیگا

میں جب یہاں آیا تھا تو ایک بڑے عالم نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کے اندر قوت کار بہت ہے، جہاں جاتے ہیں ایک چمن آباد ہو جاتا ہے، مگر وہاں کے لوگوں کو آپ سے حسد ہو جاتا ہے، یا کیا ہو جاتا ہے؟ اور آپ وہاں سے فتنے سے بچنے کے لئے ہٹ جاتے ہیں، اور دوسری جگہ چمن لگاتے ہیں، میں نے عرض کیا تھا کہ اب اس جگہ سے ہٹنے کا ارادہ نہیں ہے، اسی سال مجھے حج نصیب ہوا تو میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اسی جگہ مجھے دینی خدمات کی توفیق دیجئے اور یہاں سے ہٹنے کی ضرورت نہ پیش آئے، حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب علیہ الرحمہ تشریف لائے تھے تو بھرے جلسے میں مولانا مستقیم احسن صاحب نے بھرائی آواز میں میرا نام لے کر دعا کی تھی، کہ خدا کرے ان کی ہڈیاں اسی خاک کی امانت بنیں۔

میں سمجھتا تھا کہ اب مجھے یہیں سپرد خاک ہونا ہے، مگر حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ طبیعت کا سکون غارت ہو گیا ہے۔

ارکان شوری خدا کے یہاں اور خلق خدا کے یہاں جواب دہ ہیں، اچھی طرح غور کرلیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۲۲؍رجب المرجب ۱۴۳۴ھ / ۲؍جون ۲۰۱۳ء

☆☆☆☆☆

استاذ گــــرامی!

حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

میری طالب علمی کا آغاز تھا ۱۹۶۴ء میں اس بندہ نے جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور میں عربی دوم کے درجہ میں داخلہ کا شرف پایا تھا، اس وقت مدرسہ کا تعلیمی معیار بہت بلند تھا۔ مولانا عبدالباری صاحب علیہ الرحمہ ایک مقبول ومحبوب منتظم تھے، نہ صرف مدرسہ کے بلکہ اس علاقے کے مشہور ومسلّم اور بااثر قائد وزعیم تھے، ان کے انتظام میں مدرسہ میں اس وقت اچھے اور باکمال اساتذہ کا ایک دلکش مجمع تھا، حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبد المنان صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا محمد مسلم صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ۔ یہ عربی درجات کے گرانمایہ اساتذہ کا وہ مجمع تھا جو ہر ایک بجائے خود علم وفضل کا آفتاب وماہتاب تھا، اس مجمع علماء میں، اس نورانی کہکشاں میں، ایک نمایاں اور ممتاز، روشنی سے معمور ذات حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی تھی، ہلکا پھلکا بدن، رنگ صاف، چہرے پر چیچک کے داغ، چیچک کی بیماری میں ایک آنکھ چلی گئی تھی، شرعی کرتا، شرعی پاجامہ، سر پر عمامہ، رفتار تیز، گفتار سنجیدہ، مزاج میں متانت کے ساتھ قدرے تیزی، نہایت صالح اور ذاکر وشاغل، طلبہ پر ان کا رعب

داب قائم، ذہانت و حافظہ کے پیکر، ان کی علمیت و قابلیت کے سب معترف تھے، لیکن سبق پڑھانے میں الفاظ جنچے تلے اور مختصر استعمال کرتے تھے جس کی وجہ سے بعض طلبہ کو سمجھنے میں تنگی محسوس ہوتی تھی، مگر مولانا اپنے رنگ میں فرد تھے، ہر کتاب بخوبی پڑھا سکتے تھے اور پڑھاتے تھے، جو کتابیں مشکل ہوتیں ان کے اسباق خاص طور سے ان کے پاس جاتے اور وہ کامیابی کے ساتھ پڑھاتے، کبھی کبھی طلبہ کی طرف سے الجھنیں بھی پیش آتیں مگر مولانا کامیاب رہتے۔

میں عربی دوم میں داخل ہوا تھا، اس سال ہماری جماعت کی کوئی کتاب مولانا کے یہاں درس میں نہ تھی، میں دور کا تماشائی تھا، مولانا اپنے معمولات، درس کی ذمہ داریوں، درسگاہ کی حاضری اور اسباق کے بلاناغہ پڑھانے کے نہایت پابند تھے، ساتھ ہی اسباق کے مطالعہ کا بھی بڑا اہتمام کرتے تھے، ابتدائی درجات کی وہ کتابیں جنہیں زبانی یاد کرنا ضروری ہوتا انھیں بڑی توجہ اور اہتمام سے یاد کراتے اور فرداً فرداً ہر طالب علم سے سنتے تھے، اور اس میں کسی طرح کا تساہل برداشت نہ کرتے۔ میں دیکھا کرتا تھا کہ عربی اول کے طلبہ نحو میر کو بہت محنت سے زبانی یاد کیا کرتے تھے، یہ کتاب مولانا کے پاس تھی، انھوں نے حرفاً حرفاً یہ کتاب متن اور ترجمہ کے ساتھ اس طرح یاد کرادی تھی کہ جب چاہتے ان سے سن لیتے، یہ طریقہ درس تھا تو بہت محنت کا مگر فن کے مسائل ذہن میں پھر آخر تک مستحضر ہوجاتے، اور آئندہ تعلیمی دور میں سہولت بڑھتی رہتی۔

میں دیکھتا تھا کہ طلبہ مولانا سے بہت ڈرتے تھے اور اسکی وجہ سے ان کے زیر درس کتابوں میں عام کتابوں سے زیادہ محنت کرتے تھے، اس کے ساتھ مولانا طلبہ پر شفیق بھی بہت تھے، وہ طلبہ جو محنت کرتے اور سلیقہ مند ہوتے مولانا کی نظر میں بہت قابل توجہ ہوتے اور ان پر عنایتیں فرماتے، لیکن سست، کاہل، کام چور طلبہ سے مولانا کو کوئی مناسبت نہ ہوتی، اس لئے مولانا کے پاس طلبہ کو بہت چوکنا رہنا پڑتا تھا۔

اس وقت چند خوبیاں مولانا کی طلبہ کے درمیان بہت معروف تھیں اور یہ خوبیاں

مولانا کی زندگی کے ہر مرحلے میں یکساں طور سے دائر رہیں۔

مولانا کے بارے میں طلبہ کے درمیان اس وقت تک یہ بات معروف تھی کہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے امتحان میں مولانا کو پہلی پوزیشن حاصل ہوئی تھی، اس وقت تک اعظم گڑھ کے دوطلبہ کو یہ اعزاز ملا تھا، ایک تو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے بانی اور سابق ناظم حضرت مولانا شکراللہ صاحب علیہ الرحمہ کو، دوسرے ہمارے مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ کو، جو جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کے سابق طالب علم اور موجودہ استاذ تھے۔

مولانا اس درجہ ذہانت وفطانت کے ساتھ ابتدا ہی سے نہایت بے نفس اور پاک طینت تھے جس طالب علم کی دارالعلوم دیوبند کے سب سے اہم امتحان میں یہ پوزیشن آئی ہو، ظاہر ہے کہ وہ اپنے رتبہ اور پوزیشن کے مطابق جگہ اور خدمت کا طالب ہوگا اور کسی کم درجہ کی خدمت یا تدریس پر راضی نہ ہوگا، مگر مولانا کا حال یہ تھا کہ اتنے اونچے درجہ سے کامیاب ہونے کے بعد بزرگوں اور سرپرستوں نے ایک گاؤں کے مکتب میں ضرورت محسوس کی، مولانا کو حکم دیا اور مولانا بے تکلف وہاں قاعدہ بغدادی اور ابتدائی دینیات پڑھانے بیٹھ گئے۔

ایک بار مولانا شیخو پور تشریف لائے، میں مولانا کے ساتھ کہیں جا رہا تھا، شیخو پور سے دو کلو میٹر مشرق میں ایک گاؤں، چھوٹا سا گاؤں خالص پور ہے وہاں سے گزر ہوا تو مولانا نے فرمایا کہ میرے پڑھانے کا آغاز اسی گاؤں سے ہوا ہے، یہاں میں بچوں کو قاعدہ بغدادی اور ناظرہ قرآن کریم پڑھایا کرتا تھا، مجھے یہ یاد نہیں کہ کتنے دنوں مولانا نے یہاں پڑھایا تھا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا نے قاعدہ بغدادی سے بخاری شریف تک درس نظامی کی تمام کتابیں پڑھائی ہیں۔ نہ کسی کتاب کی تدریس کو اپنے لئے عار سمجھا اور نہ کسی کتاب کے پڑھانے پر فخر کیا، بس ایک بات ہمیشہ پیش نظر رہی کہ دین کی خدمت ہو، اللہ راضی ہو، اسی جذبہ سے مدارس میں رہے، اسی جذبہ سے تبلیغی اسفار کئے پیدل بھی اور سواری سے بھی۔

حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۷۱ھ میں فارغ ہوئے تھے، اس وقت

دارالعلوم دیوبند میں ایک سے بڑھ کر ایک علماء و مشائخ کا مجمع تھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ کی سرپرستی میں علم و فضل کا یہ قافلہ تعلیم و تربیت کی بہاریں لئے آگے بڑھ رہا تھا، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب، حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی شیخ المعقول وغیرہ اکابر، علم دین کا نور برسا رہے تھے، مولانا نے ان بزرگوں سے اکتساب فیض کیا۔

مولانا قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے، حافظ نہ تھے مگر جید قاری تھے اور قرآن کی بڑی بڑی سورتیں جن کا نمازوں میں پڑھنا مسنون تھا مولانا کو خوب یاد تھیں، اس خوبی کا یہ اثر تھا کہ مدرسہ کے قریب جامع مسجد میں جس کا انتظام مدرسہ ہی کے تحت تھا زیادہ تر نماز مولانا ہی پڑھایا کرتے تھے۔ اس وقت مدرسہ کے ماتحت دو مسجدیں تھیں، ایک چھوٹی مسجد جو مدرسہ کے بالکل متصل ہے، دوسری جامع مسجد جو مدرسہ سے دو تین منٹ کے فاصلہ پر ہے، ان دونوں مسجدوں میں اس وقت تنخواہ دار امام متعین نہ تھے، علماء و طلبہ کا مجمع موجود رہتا تھا، امام کے انتخاب میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی، چھوٹی مسجد میں امامت بالعموم مدرسہ کے صدر المدرسین استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب فرمایا کرتے تھے، مفتی صاحب نیکی و تقویٰ، وقت کی پابندی میں اللہ کی ایک نشانی تھے، جامع مسجد میں امامت عموماً مولانا زین العابدین صاحب کرتے، وہ نہ ہوتے تو درجہ حفظ کے استاذ حافظ محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ یا کوئی طالب علم کرتا۔

مولانا کی قرأت کا ایک خاص انداز تھا، جو آج تقریباً ۴۸/۴۹ سال گزرنے کے بعد بھی ذہن اور حافظہ میں موجود ہے، مولانا نماز میں مسنون قرأت کا اہتمام کرتے تھے، فجر کی نماز میں طوال مفصل کی پوری سورتیں پڑھتے تھے، عشاء کی نماز میں اوساط مفصل کی مکمل سورہ پڑھتے، درمیان درمیان سے پڑھنے کی عادت نہ تھی۔ ظہر اور عصر میں بھی مسنون سورتوں کی پابندی کرتے تھے، بعد میں مولانا نے اس موضوع پر قرأت مسنونہ کے نام سے ایک مفید رسالہ بھی لکھا، مولانا سنتوں پر بہت اہتمام کے ساتھ عمل کرتے تھے۔

تجوید وقرأت کی تعلیم مولانا نے اپنے ہم وطن استاذ کامل، امام المجودین والقراء قاری ظہیر الدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ سے حاصل کی تھی اور اس فن میں کمال حاصل کرلیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مولانا کے یہاں ہم لوگ مقامات حریری کا سبق پڑھنے ایک روز بیٹھے تھے کہ مدرسہ میں خبر گرم ہوئی کہ قاری ظہیر الدین صاحب تشریف لا رہے ہیں، قاری صاحب عرصہ تک مدرسہ میں تجوید وقرأت کے استاذ رہ چکے تھے، میں جب مدرسہ میں حاضر ہوا تو قاری صاحب اپنے وطن پورہ معروف میں مشغول فیضان تھے، مولانا اپنے استاذ کے آنے کی خبر سن کر بہت مسرور تھے، اس وقت ان کے چہرے کا رنگ، ان کا انداز تواضع و خدمت دیدنی تھا، ہم لوگ خوش تھے کہ مولانا کے ایسے اہم اور معزز استاذ آرہے ہیں، آج خاطر، تواضع اور ادب وخدمت گزاری میں سبق کی چھٹی ہوجائے گی، مولانا کے یہاں سبق کا ناغہ کبھی نہ ہوتا تھا، قاری صاحب آئے، کس ادب وانکساری کے ساتھ مولانا نے ان کا استقبال کیا اور کتنے احترام و نیازمندی کے ساتھ انھیں بیٹھایا اور کیسے انداز تشکر سے ان کی ضیافت کا اہتمام کیا، آج بھی وہ منظر آنکھوں کے سامنے روشن ہے، قاری صاحب کا دلنواز برتاؤ، ان کا دلآویز اور شیریں انداز گفتگو ہم لوگوں کے دلوں میں اترتا جارہا تھا، ہم تھوڑی دیر کے لئے ایسی فضا میں پہونچ گئے تھے جہاں اطمینان ہی اطمینان تھا خنکی ہی خنکی تھی، دلنوازی ومحبت کی خوشبو میں پورا ماحول بسا ہوا تھا، کچھ دیر گزرنے بعد مولانا نے استاذ محترم سے بغایت ادب سبق پڑھانے کی اجازت چاہی، محبت وعقیدت کی اس فضا میں ہم لوگوں کی نیاز مندی نے ناز کا رنگ اختیار کرلیا تھا، ساتھیوں نے عرض کیا، حضرت جو سلسلہ چل رہا ہے چلنے دیجئے سبق تو روز پڑھنا ہی ہے، لیکن مولانا ادب سے اسی طرح سمٹے ہوئے ہم لوگوں کی کہی ان سنی کرکے اور قاری صاحب کی صراحتاً اجازت بلکہ حکم پاکر پڑھانے میں مشغول ہوگئے، تھوڑا سبق ہوا مگر ناغہ نہیں ہونے دیا۔

مولانا نماز باجماعت کے بہت پابند تھے، اس وقت یہ خوبی حضرات اساتذہ میں ایسی نہ تھی جس سے کسی کو امتیاز ہوتا، کیونکہ سبھی اساتذہ نماز باجماعت کا بہت اہتمام کرتے

تھے، ہم طالب علموں کی کسی استاذ پر انگلی نہ اٹھتی تھی کہ فلاں نماز با جماعت میں سستی کرتے ہیں، مولانا کو جو امتیاز حاصل تھا وہ یہ کہ مولانا نماز بہت عمدہ پڑھاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ ذکر و شغل کے بہت پابند ہیں، سب جانتے تھے کہ مولانا کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سے بہت وابستگی ہے، مولانا صبح و شام ذکر جہر کی پابندی کرتے تھے، اس وقت ذکر جہر کا اہتمام کرنے والا مولانا کے علاوہ اور کوئی نہ تھا، ہاں کبھی کبھی مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمہ کے ذکر جہر کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔

مولانا پابندی کے ساتھ عمامہ کی سنت کا بھی اہتمام کرتے تھے، مدرسہ میں اس کا اہتمام حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب علیہ الرحمہ کرتے تھے اور ان کے بعد مولانا زین العابدین صاحب!

مولانا ایک روز سبق میں مشغول تھے، میں ابھی تازہ مدرسہ میں حاضر ہوا تھا بارہ سال عمر تھی دبلا پتلا، پیلا بے وقعت! کھڑکی کے پاس کھڑا مولانا کا درس سننے لگا، مولانا نے شفقت سے درس گاہ میں بلایا میں ڈرتا ہوا حاضر ہوا، انھوں نام اور وطن پوچھا اور یہ کہ کیا پڑھتے ہو؟ میں نے بتایا پھر نہایت نرم لہجے میں فرمایا کہ مٹی نہ کھایا کرو، میں نے عرض کیا کہ میں مٹی نہیں کھاتا، انھوں نے فرمایا کہ چہرے پر زردی ہے اس لئے خیال ہوا کہ شاید مٹی کھاتے ہو، میں نے شدومد سے مٹی کھانے کی نفی کی مگر چند ہی دنوں میں ظاہر ہوا کہ مجھ پر یرقان کا شدید حملہ ہو رہا ہے، اس کی وجہ سے میں مہینوں صاحب فراش رہا۔

عربی دوم اور عربی سوم کے درجات میں مولانا کے پاس میری جماعت کا کوئی سبق نہ تھا، ہم لوگ بس دور سے زیارت کر لیا کرتے تھے، عربی چہارم میں آئے تو مولانا کی خدمت میں دو سبق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ترجمہ کلام اللہ شریف نصف اخیر مکمل اس سال مولانا کے درس میں پڑھنا تھا، مولانا نے نہایت خوبی سے پندرہ پارے کا ترجمہ ضروری تفسیر و تشریح کے ساتھ پڑھایا، مولانا نے اس کا اہتمام کیا کہ صحیح صحیح ترجمہ یاد ہو جائے، جنچا تلا ترجمہ بتاتے اور اسے یاد کراتے، ہلکی پھلکی تشریح جو یاد ہو جائے، کرتے پھر اسے یاد بھی

کرادیتے۔

دوسرا سبق مقامات حریری کا تھا، مفردات کا ترجمہ، مادہ، صیغہ وغیرہ لکھواتے، آسان اور مطلب خیز لفظی ترجمہ کراتے، اپنے دستور کے مطابق انھوں نے اتنے اہتمام سے دونوں سبق پڑھائے کہ بغیر کسی دقت کے اور بغیر خارجی وقت کا سہارا لئے اور بغیر درس کی مقدار بڑھائے سالانہ امتحان سے پہلے، دونوں اسباق اختتام تک پہونچادئے۔

اس سال میرے متعلق حضرت مولانا کا ایک خاص معاملہ ایسا ہوا جس سے مولانا کی وسعت ظرف، ان کی خردنوازی اور ان کی مہربانی وشفقت کا مجھ پر بہت گہرا اثر پڑا۔

ایک روز میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، ایک طالب علم جو عمر میں اور درجہ میں مجھ سے بڑے تھے کمرے میں آئے اور میرا نام لیکر مجھے دریافت کرنے لگے، میں متوجہ ہوا تو انھوں نے کہا کہ آپ مجھے ترجمہ کلام پاک اور مقامات حریری پڑھادیجئے، میں اپنے سے نیچے درجے والے بعض طلبہ کو پڑھایا کرتا تھا لیکن یہ تو عربی پنجم کے طالب علم تھے اور میں چہارم کا، میں سوچنے لگا کہ یہ الٹی گنگا کیونکر بہے گی، میں نے معذرت کی آپ پنجم کے طالب علم ہیں اور میں چہارم میں پڑھتا ہوں، میں آپ سے پڑھوں گا نہ کہ آپ مجھ سے!

کہنے لگے میرا امتحان داخلہ مولانا زین العابدین صاحب نے لیا تھا، عربی چہارم کی سب کتابوں میں تو کامیاب تھا، لیکن ترجمہ کلام پاک نصف اخیر اور مقامات حریری کے اسباق میں نے پڑھے ہی نہ تھے مولانا نے فرمایا کہ تمہاری استعداد عربی پنجم کے لائق ہے اور عمر بھی زیادہ ہورہی ہے، مگر یہ دونوں کتابیں رہی جارہی ہیں، میں نے عرض کیا کہ میرا داخلہ عربی پنجم میں منظور فرمالیجئے، یہ دونوں سبق میں پڑھ لوں گا، مولانا نے منظور فرمالیا جب اسباق شروع ہوگئے تو مولانا نے مجھ سے ان دونوں اسباق کے متعلق دریافت فرمایا، میں نے درخواست کی کہ آپ ہی وقت نکال کر پڑھادیں یا کسی اور کو بتادیں، میں اس سے پڑھ لوں گا، فرمایا کہ میرے پاس تو کتابیں زیادہ ہیں وقت نہیں ملے گا اور دوسرے اساتذہ کا حال بھی یہی ہے، پھر آپ کا نام لیکر فرمایا کہ ہے تو وہ طالب علم اور نیچے درجہ کا ہے مگر وہ اچھی طرح

پڑھا لے گا، اگر تم منظور کرو تو اس سے پڑھ لو، میں اس لئے آیا ہوں، مجھے مولانا کی شفقت و عظمت کا احساس ہوا۔

پھر میرے پاس یہ دونوں سبق شروع ہو گئے، میں مولانا کے پاس پڑھتا تھا اور یہ بزرگ طالب علم مجھ سے پڑھتے تھے، سال کے آخر تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

یہ بات مولانا کو بھی یاد تھی، میں نے اس واقعہ کو اپنی آپ بیتی ''حکایت ہستی'' میں لکھا تو مولانا نے اس کی تصدیق فرمائی، بلکہ مرض وفات میں ممبئی جب تشریف لائے تھے اور میں بھی مجلس میں حاضر تھا تو حاضرین سے فرمایا کہ جب یہ طالب علم تھے اور طلبہ کو تکرار کراتے تھے تو میں سنا کرتا تھا، یہ مجھ سے اچھا سمجھاتے تھے، یہ بات میں نے حضرت کی زبان سے پہلی مرتبہ سنی تھی، اس ارشاد سے مجھے ان طالب علم کا واقعہ یاد آیا اور دل پر مولانا کی عظمت کا نور پھیل گیا۔

تعلیم کا یہ سال میرے لئے بڑی محنت اور عربی زبان وانشاء کی جد وجہد کا سال تھا، ماحول نہ ہونے کے باوجود میں عربی لکھنے اور بولنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا، اس موضوع پر مولانا سے مجھے بہت مدد ملی، میری عربی تحریریں اور عربی ترجمے مولانا کی نگاہ سے گزرتے تھے، مولانا اصلاح فرماتے، مشورے دیتے، حوصلہ افزائی فرماتے، مولانا میری محنت دیکھتے اور بڑی قدر کرتے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مولانا کس قدر نگاہ رکھتے ہیں، ایک روز میں عصر کی نماز کے بعد کمرہ میں تنہا بیٹھا کسی کتاب میں غرق تھا، کھڑکی کے پاس میں بیٹھا تھا، باہر عام راستہ تھا ادھر سے مولانا گزرے، سامنے کھڑکی کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا میں گھبرا گیا، بڑی شفقت سے فرمایا عصر کے بعد ذرا تفریح کر لیا کرو، ہمہ وقت کتابوں میں غرق رہتے ہو صحت کا خیال رکھو، میں نے آہستہ سے عرض کیا کہ میرا جی کتابوں کے علاوہ اور کسی چیز میں لگتا ہی نہیں، مسکرائے اور آگے بڑھ گئے۔

اس سال کتابوں میں میرے نمبرات بہت اچھے آئے جس کی وجہ سے اساتذہ کی توجہات کا میں مورد بن گیا، مولانا تو شروع سال ہی سے متوجہ تھے، اگلا سال آیا تو ہدایہ ثانی

اور سلم العلوم اور اس کے بعد ملا حسن کے اسباق مولانا کے پاس آئے ،مولانا بڑی توجہ اور محنت سے پڑھاتے تھے! بالخصوص سلم العلوم کا سبق بہت اچھا ہوتا ،مولانا فن منطق پر خوب حاوی تھے ،سلم کے بعد ملا حسن کا درس شروع ہوا تو مولانا کے جوہر اور کھلے ،اس کتاب میں مولانا کی ذہانت خوب کھلتی تھی ،مولانا کا حافظہ بہت اچھا تھا ،موضوع کے اعتبار سے یہ درس خشک تھا ،مگر مولانا موقع بموقع بعض دلچسپ اشعار بھی سنایا کرتے جس سے مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ،مولانا کو اشعار بہت یاد تھے ، بالخصوص عربی کے اشعار بہت کثرت سے یاد تھے ، مقامات کے سبق میں اس کا ظہور ہوا کرتا تھا ،ہم لوگوں کے درمیان یہ بات معروف تھی کہ جو شعر مولانا ایک بار سبق میں پڑھ دیتے ہیں پھر سال بھر وہ شعر زبان پر نہ آتا ،ہر روز نئے نئے اشعار سناتے ،اس سے اندازہ ہوتا کہ مولانا کا ذہن کس قدر قوی ہے۔

اس سال طلبہ کی طرف سے مولانا کو کچھ ناگواریاں پیش آئیں ،مولانا ناراض ہوئے ،مولانا کا دل ٹوٹا ،مگر مولانا بڑے اصحاب عزیمت میں سے تھے ،اسباق علی حالہ چلتے رہے ،جن طلبہ سے ناگواریاں ہوئی تھیں ان میں سے اکثر نے معافی مانگ لی ،مولانا نے معاف کر دیا۔

ایک سال بعد مولانا تبلیغی جماعت کے چلے میں نکل گئے ،مولانا کو جماعت کے مشغلے سے بہت دلچسپی تھی ، چلے میں مولانا نے سال بھر تبلیغی دورے میں گزارا ،اس سے فارغ ہوئے تو مدرسہ الاصلاح سرائمیر میں تدریس کی خدمت اختیار کی ، پھر گجرات ، بنارس ، حیدرآباد میں آپ کا فیضان جاری رہا ، میں بنارس ، غازی پور ، الہ آباد میں رہا ، کافی عرصہ تک مولانا سے ملاقات کم رہی۔

مولانا جب مظہر العلوم بنارس تشریف لے گئے اور میں غازی پور میں تھا تو ملاقاتوں کی تجدید ہوئی ، میرے بوڑھے دوست حاجی عبدالاحد صاحب جو خود پورہ معروف کے رہنے والے ہیں اور مولانا سے بہت محبت رکھتے ہیں انھوں نے ازسرنو مجھے مولانا کی خدمت میں پہونچایا ، یہاں سے روابط و تعلقات کے استحکام کا ایک نیا باب کھلا ، پھر مولانا سے قرب بڑھا

اور بڑھتا چلا گیا، مولانا کی توجہات، مہربانیاں اس درجہ بڑھیں کہ میں شرمندہ ہو ہو کر رہتا۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا بنارس میں تھے اور یہ خاکسار شیخو پور آ چکا تھا، بنارس ضلع میں ایک جگہ ہے گوگھرا، وہاں جلسہ تھا، جاڑے کا موسم تھا، مجھے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا تھا ،حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ کا بھی پروگرام تھا، میں بنارس آیا اور مفتی صاحب کے قافلہ میں شریک ہوکر گوگھرا کے لئے نکلا، مغل سرائے اسٹیشن کی مسجد میں ہم لوگ نماز کے لئے اترے، نماز سے فارغ ہوکر میں نے دیکھا کہ مولانا عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے توقف کیا مولانا فارغ ہوئے تو میں نے ملاقات کی، خیریت پوچھی تو بتایا کہ میں بھی گوگھرا چل رہا ہوں، میں نے عرض کیا آپ بھی مدعو ہیں، فرمایا مدعو نہیں ہوں، اشتہار میں تمہارا نام دیکھا تو میں نے سوچا کہ تمہاری تقریر سنے ہوئے بہت دن ہوئے، چل کر تمہاری تقریر سن لوں، میں حیرت زدہ ہوا اور شرمندہ بھی! مگر مولانا تاکید یہی فرماتے رہے، مولانا تشریف لے گئے جلسہ میں شریک ہوئے، میری تقریر اول سے آخر تک سنی اور دعا دیتے رہے۔

جاڑے کی لمبی رات تھی ایک ڈیڑھ بجے جلسہ ختم ہوا، ختم کے بعد زمانیہ کے مولانا محمد ازہر سلمہ میرے پاس آئے اور کہا کہ زمانیہ چلئے، میں نے کہا میرے ساتھ میرے استاذ بھی ہیں، میں انھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا، مولوی ازہر نے کہا میں حضرت سے بھی درخواست کرتا ہوں، چنانچہ انھوں نے درخواست کی اور مولانا نے بڑی بشاشت سے ان کی درخواست قبول کی۔

سواری کے لئے جیپ تھی ہم دونوں آگے کی سیٹ پر بیٹھے، سردی شباب پر تھی، گاڑی جب چلی ہے تو مولانا نے فرمایا کہ میں ایک اور خاص مقصد سے یہاں آیا ہوں، وہ یہ کہ ایک ہفتہ سے میرے قلب پر ایک دباؤ سا محسوس ہو رہا ہے اور وہ دباؤ یہ ہے کہ آپ اس وقت کسی پریشانی اور دقت میں ہیں، میرے آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ پریشانی معلوم کروں، میں حیرت میں پڑ گیا، میں نے عرض کیا کہ ایسی کوئی پریشانی مجھے نہیں ہے، مولانا نے فرمایا نہیں کچھ تو ہے کہ میں اپنے قلب پر مسلسل محسوس کر رہا ہوں، سوچ کر بتائیے، میں

نے عرض کیا پریشانی سوچنے کی مہلت تو دیتی نہیں وہ تو خود اپنے زور سے دباتی رہتی ہے، مولانا نے اصرار فرمایا کہ کوئی بات ضرور ہے، تب مجھے خیال آیا کہ یہ لمبا سلسلہ ہے، حق تعالیٰ کا میرے دل پر احسان ہے کہ دنیاوی ضرورتوں کا دباؤ مجھ پر کم ہوتا ہے، اللہ نے مجھے اولاد کی نعمت سے نوازا ہے مگر میرے پاس رہائش کے لئے کوئی مکان کبھی نہیں رہا، جس مدرسہ میں پڑھایا وہاں کے لوگوں نے میری رہائش کا انتظام کیا، اپنے گاؤں میں تعطیلات میں آیا تو کسی رشتہ دار کے خالی مکان میں رہ لیا، کچھ وقت والد کے مکان میں گزار لیا، اس کی وجہ سے کبھی کبھی تنگی پیش آتی تھی، مگر میری لاابالی طبیعت اسے نظرانداز کردیتی تھی، اس طرح بیس بائیس سال کی مدت گزر گئی بچے بھی بڑے ہوگئے، میرے بعض خاص احباب کو فکر ہوئی کہ ایک مکان میرے لئے ہوجانا چاہئے، گاؤں میں ایک مکان بک رہا تھا میرے دوستوں نے اسی ہزار روپے میں اسے طے کرلیا، میرے پاس اسی سو روپے بھی نہ تھے جو ہمت کرتا، والد نے حوصلہ کیا اور آدھی رقم دینے کا وعدہ کرلیا بلکہ دے بھی دیا، بقیہ آدھی رقم کا انتظام بھاری پڑ رہا تھا، میں نے معذرت کرلی کہ میرے پاس نہ رقم ہے اور نہ اس کا بوجھ اٹھاؤں گا، جس طرح گزر رہی ہے گزر جائے گی چندروز کی زندگی ہے، مگر میرے دوستوں کو بہت فکر تھی، وہ مسلسل سوچ رہے تھے مگر کوئی تدبیر بن نہ پا رہی تھی۔

یہی وہ دور تھا، میں نے مولانا سے صورت حال بتائی کہ یہی پریشانی ہوسکتی ہے کہ اگر یہ سودا ہاتھ سے نکل گیا تو جن لوگوں نے اس سلسلہ میں محنت کی ہے ان کی محنت بیکار ہوجائے گی۔

مولانا نے فرمایا ہاں یہی بات معلوم ہوتی ہے، اچھا میں ایک دعا بتاتا ہوں، اسے پڑھئے اور اپنے دوستوں کو بتایئے کہ وہ بھی اسے بکثرت اہتمام سے پڑھیں، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ، اَللّٰھُمَّ اکْفِنِی کُلَّ مُھِمٍّ مِّنْ حَیْثُ شِئْتَ وَمِنْ أَیْنَ شِئْتَ حَسْبِیَ اللّٰہُ لِدِیْنِی حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَا أَھَمَّنِی حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَنْ بَغٰی عَلَیَّ حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَنْ حَسَدَنِی حَسْبِیَ اللّٰہُ لِمَنْ کَادَنِی بِسُوْٓءٍ

حَسْبِيَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمَوْتِ حَسْبِيَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمَسْأَلَةِ فِي الْقَبْرِ حَسْبِيَ اللّٰہُ عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَسْبِيَ اللّٰہُ عِنْدَ الصِّرَاطِ حَسْبِيَ اللّٰہُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

یہ دعا مجھ کو یاد تھی، میں نے مولانا کو سنا دیا بہت خوش ہوئے اور فرمایا اسے پڑھئے اور پڑھوایئے، ان شاء اللہ بہت آسانی سے معاملہ حل ہو جائے گا۔

اس مسئلہ میں منشی عبد السمیع صاحب، حافظ نور الہدی صاحب اور میرے چچا زاد بھائی حاجی محمد بلال صاحب کو خصوصی دلچسپی تھی، میں نے تینوں کو یہ دعا مولانا کے حوالہ سے بتادی، میں بھی پڑھتا رہا وہ حضرات بھی پڑھتے رہے اور پھر میں نہیں جانتا کہ اللہ نے کس طرح آسانیاں پیدا فرمائیں اور چند دنوں میں ایک صاحب نے مدرسہ میں آکر مجھے اطلاع دی کی آج وہ مکان آپ کے نام رجسٹری ہو گیا، میں سجدۂ شکر بجا لایا اور مولانا کی محبت و شفقت کا نقش لازوال دل پر گہرا ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد مولانا کے کرم کی بارش مسلسل مجھ پر ہوتی رہی، میری حاضری بھی مولانا کی خدمت میں بڑھ گئی، جامعہ مظہر العلوم بنارس میں بار ہا ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، اس وقت مولانا خود ایک سخت آزمائش میں تھے، اہلیہ مکرمہ بیمار تھیں، بیماری سخت تھی اور پریشان کن، بچے چھوٹے چھوٹے تھے ان کی دیکھ ریکھ، ان کے کھانے پینے کا اہتمام، ان کے کپڑے دھونا، ان کو نہلانا دھلانا، خود اہلیہ کی پوری خدمت کرنا، اس کے بعد مدرسہ اور اسباق کی ذمہ داریاں، تن تنہا مولانا سب پوری کرتے تھے، مالی تنگی بھی تھی مگر انھیں اللہ پر جو توکل تھا اور دعا و گریہ وزاری کی جو توفیق ملی تھی اس نے ہر مرحلہ آسان کر دیا، زبان کیا کبھی قلب بھی حرف شکایت سے آلودہ نہ ہوا، استقامت اور پامردی سے سنگین حالات سے گزرتے رہے اور بندۂ صابر وشاکر بنے رہے، ایک طویل آزمائش کے بعد اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا، زندگی کی ایک سنگین مشغولیت سے رہائی ملی۔

مولانا نے دو نکاح کئے تھے، پہلی اہلیہ محترمہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کیا

، دوسرے حرم کے بعد جب عمر ڈھل چکی تھی تو آپ نے تیسرا نکاح کیا، یہ نکاح ہزار راحتوں کا سامان بنا، پچھلی تمام مشقتوں کا مداوا اس نکاح سے ہوا، زندگی کا آخری حصہ اس لحاظ سے بہت خوشگوار گزرا، خانگی اعتبار سے بھی، مالی خوش حالی کے اعتبار سے بھی، علمی خدمت گزاری کے اعتبار سے بھی، روحانی فیضان کے اعتبار سے بھی!

یہاں مجھے ایک دعا یاد آرہی ہے جسے الحزب الاعظم میں حضرت ملا علی قاری نے نقل کیا ہے، الحزب الاعظم مولانا کے معمولات میں شامل تھی، انھوں نے یہ دعا کس دل سے کی تھی، یقیناً اللہ نے اسے حسن قبول سے نوازا تھا، دعا قدرے طویل ہے مگر نقل کرتا ہوں، کیوں کہ مولانا کو دعاؤں کا بالخصوص مسنون دعاؤں کا بہت ذوق تھا۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِيْ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِيْ يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُوْنُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُوْنُ وَ لَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُوْنَ وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرُ يَعْلَمُ مَثَاقِيْلَ الْجِبَالِ وَ مَكَائِيْلَ الْبِحَارِ وَ عَدَدَ قَطْرِ الْاَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا اَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَاَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِيْ مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً وَلَا اَرْضٌ اَرْضاً وَلَا بَحْرٌ مَا فِيْ قَعْرِهٖ وَلَا جَبَلٌ مَا فِيْ وَعْرِهٖ اِجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ آخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ۔

ترجمہ: اے اللہ میرا سب سے فراغت کا رزق میرے بڑھاپے میں اور میری آخری عمر میں مقدر فرما، اے وہ ذات جس کو آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں، اور جس کو خیالات نہیں پاسکتے، اور نہ بیان کرنے والے اس کی حمد وثنا بیان کرسکتے اور نہ زمانے کے حوادث اس میں اثر کرسکتے، نہ اسے گردش زمانہ کا کوئی خوف ہے، پہاڑوں کے وزن، دریاؤں کے پیمانے، بارشوں کے قطرے اور درختوں کے پتے سب اس کے علم میں ہیں، اسے وہ تمام چیزیں معلوم ہیں جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے اور دن روشنی ڈالتا ہے، اس سے ایک آسمان دوسرے آسمان کو چھپا نہیں سکتا اور نہ ایک زمین دوسری زمین کو اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے جو اس کی تہ میں ہے، اور نہ پہاڑ جو اس کے پتھریلے جگر میں ہے، میری عمر کا بہترین حصہ آخر عمر کو اور

میرا سب سے اچھا عمل خاتمے کے وقت مقدر فرما، اور میرے دنوں میں سب سے بھلا دن وہ بنا جس میں تجھ سے ملوں، اے اسلام اور اہل اسلام کے مالک، مجھے اپنی کی ملاقات تک اسلام پر ثابت قدم رکھئے۔

اللہ جانے کس دل سے مولانا نے یہ دعا کی ہوگی کہ اس کا ہر ہر جزء آپ کے حق میں قبول نظر آتا ہے، حق تعالی کا بڑا انعام ہے بڑا کرم ہے، ان شاء اللہ وہ دن سب سے بھلا ہوگا جب پروردگار سے ملاقات ہوگی یعنی قیامت کا دن!

جامعہ مظہر العلوم بنارس سے رٹائر ہونے کے بعد مولانا کچھ دنوں دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد میں تشریف فرما رہے، اس کے بانی و مہتمم مولانا محمد رضوان قاسمی علیہ الرحمہ باصرار انھیں لے گئے تھے، وہاں وہ تخصص کے درجات کے مشرف تھے، اس کے کچھ دنوں بعد جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ کھولا گیا، اس کی نگرانی اور صدارت کے لئے اہل انتظام کی نگاہیں مولانا پر پڑیں، حیدرآباد سے ہٹنے کا موقع نہیں تھا مگر جامعہ مظاہر علوم کی مرکزی حیثیت، بزرگوں سے اس کا قدیم انتساب متقاضی تھا کہ اس کی ضرورت کو ترجیح دیا جائے، چنانچہ اکابر بزرگوں کے مشورہ اور حکم سے مولانا یہاں تشریف لائے اور درس حدیث کی بساط از سر نو بچھائی، درجہ تخصص سے بہت باکمال فضلاء تیار ہوئے، حدیث وفن حدیث کی کتابیں مولانا کی نگرانی میں از سر نو زیور تحقیق وتعلیق سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئیں۔

سہارن پور حضرت کے قیام کے دوران میری بارہا حاضری ہوئی اور حضرت کے کرم فراواں سے نہال ہوتا رہا۔

میرا آبائی وطن بھیرہ مولانا کے وطن پورہ معروف سے چندمیل کے فاصلہ پر ہے، بھیرہ میں مکتب کی تعلیم کے ساتھ درجہ حفظ کا بھی انتظام ہے، بہت سے حفاظ وہاں سے فارغ ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کسی کی دستار بندی نہیں ہوئی تھی، گاؤں والوں نے منصوبہ بنایا کہ ایک بڑا جلسہ کیا جائے اور فارغ طلبہ کی دستار بندی کی جائے، شوال ۱۴۳۳ھ کی کوئی تاریخ طے ہوئی، حضرات علماء کرام کی دعوت کی ذمہ داری اس بندہ پر لوگوں نے ڈالی۔ بقیہ ص: ۴۰ پر

ایک صاحب نسبت مردمومن کی رحلت

(حضرت مولانا زین العابدین صاحب، محدث معروفی علیہ الرحمۃ)

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

ایک شاگرد، ایک طالب علم، جو شاگردوں اور طالب علموں کے ہجوم میں کمتر اور بے حیثیت ہے، مگر بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے، بیمار بھی ہے، اور بیماری بھی ایسی شدید و مدید کہ جس کے علاج کی قید و بند سے رہائی پا کر ہسپتال سے آزاد ہونا مشکل! وطن سے دور، بہت دور ممبئی میں پا بہ زنجیر ہے، اس کے پاس خبر آتی ہے کہ اس کے محبوب استاذ، جن کو وہ دل و جان سے چاہتا ہے اور جو اس پر محبت و شفقت کی پھوار مسلسل برساتے ہیں، اپنے آبائی وطن پورہ معروف ضلع مئو یوپی قابل رشک اور نمونہ سنت تیاریوں کے ساتھ **اللھم بارک لی فی الموت وفی ما بعد الموت** کا ورد کرتے ہوئے، ذکرالٰہی سے معطر سانس اور نورالٰہی سے منور قلب کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے حضور شاداں وفرحاں حاضر ہو گئے۔ **انا للّٰہ وانا الیہ راجعون یغفر اللّٰہ لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا ان شاء اللّٰہ بکم لاحقون**

تاریخ ۱۶؍ جمادی الاخری ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍ اپریل ۲۰۱۳ء بروز یک شنبہ بوقت ظہر دو بجے دن یہ حقیر شاگرد ممبئی میں اپنی بیماری کے ضعف و اضمحلال میں بستر مرض پر پڑا موبائل پر یہ دردانگیز خبر مولانا کے صاحبزادۂ محترم مولانا حافظ عبدالباسط صاحب کی زبانی سن رہا تھا، آنکھوں سے آنسو ابل پڑے زبان نے ورد ربانی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کو مکرر دہرایا، آواز بند

ہوگئی، موبائل ہاتھ سے ڈھلک گیا، دیر تک سناٹا چھایا رہا۔

مولانا بیمار تھے، بیماری سخت تھی، بظاہر احوال وہ بیماری کیا تھی موت کے قرب کا پیغام تھی، جنوری کی کوئی تاریخ تھی، صاحبزادۂ محترم کا فون آیا کہ ابا بیمار ہیں علاج کیلئے ممبئی تشریف لا رہے ہیں دس بارہ روز ہوگئے ہیں کھانے، پینے کی کوئی چیز معدے میں نہیں پہونچی ہے۔ڈاکٹروں کی تشخیص ہے کہ معدہ کی راہ میں کینسر ہے، مگر کوئی درد، کوئی تکلیف نہیں ہے، ممبئی میں کینسر کے ماہر اور مشہور ڈاکٹر کو دکھانا ہے، میں اپنی بیماری کے علاج کے سلسلے میں دو ماہ سے یہیں مقیم ہوں، انتظار میں ہوں کہ تشریف لائیں تو قیام گاہ پر حاضری دوں، تشریف لائے، مجھے اطلاع بھی مل گئی، میں اپنی کمزوری، علاج کی پابندی، ہسپتال کی حاضری کے لحاظ سے حضرت کی خدمت میں حاضری کا پروگرام فجر کی نماز کے بعد اپنے کمرہ میں بیٹھا سوچ رہا تھا، کہ صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالباسط صاحب کے سلام کی آواز گونجی، میں نے بڑھ کر انکا استقبال کیا، مولانا کا حال دریافت کیا، کہنے لگے ابا تشریف لائے ہیں، میں حیرت میں پڑ گیا کہنے لگے، ابا نے فرمایا کہ وہ بیمار ہیں، میں تو چلتا پھرتا ہوں، مجھے ہی چاہئے کہ چل کر ان کی عیادت کروں، اس لئے تشریف لائے ہیں، میں صرف یہ دیکھنے کے لئے آیا ہوں کہ آپ موجود ہیں یا نہیں؟ کہیں ہسپتال تو نہیں گئے ہیں ورنہ دو منزل چڑھنا ابا کو بھاری پڑتا، اب ابا اوپر آجائیں گے، میں نے لجاجت سے کہا نہیں میں نیچے چلتا ہوں کہنے لگے آپ کو مشقت ہوگی، میں نے کہا مضائقہ نہیں میں حاضر ہوتا ہوں، چنانچہ میں نیچے اترا، حضرت گاڑی میں تشریف فرما تھے، ملاقات ہوئی محبت وعقیدت کے جذبات آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں ابل پڑے، بڑی مشکل سے ضبط کیا، مولانا نے فرمایا کہ نیچے اتر آئے ہیں تو کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ میری قیام گاہ تک چلے چلیں، مولانا کا یہ فرمان میرے لئے سعادت تھا، میں ساتھ ہولیا، مولانا کا قیام گجرات کے ایک صاحب خیر، نیک اور دیندار تاجر حاجی عبدالخالق صاحب کے مکان پر تھا، وہی انہیں اصرار کر کے سہارن پور سے بغرض علاج لے آئے تھے، میں اب تک سمجھ رہا تھا کہ مولانا کو اپنی بیماری کی اطلاع نہیں ہے مگر جب گفتگو

شروع کی تو اندازہ ہوا کہ انہیں اچھی طرح بیماری کا حال معلوم ہے۔

اس وقت جو باتیں کیں وہ سراپا ایمان اور شوق لقاء الٰہی پر مشتمل تھیں۔فرمارہے تھے کہ موت کا کوئی خوف دل میں نہیں ہے، البتہ اس کا قلق اور افسوس ہورہا ہے کہ مرنے کا شوق میں اپنے دل میں نہیں پاتا حالانکہ اب وہ وقت ہے کہ دل میں مرنے کا شوق ہونا چاہئے، کھانا پینا اللہ نے جو مقدر کررکھا تھا اب ایسا معلوم ہوتا ہے وہ ختم ہوچکا ہے۔

پھر دیر تک موت کا ذکر کرتے رہے، گھبراہٹ اور وحشت کے ساتھ نہیں بلکہ بشاشت اور انس واطمینان کے ساتھ، اس وقت قلب کا ایمان چہرے پر ایسا نور بن کر ظاہر ہورہا تھا کہ تمام حاضرین اس سے منور ہورہے تھے، ایمان جگمگا رہا تھا، ایسا محسوس ہورہا تھا کہ مولانا کے سامنے عالم آخرت کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی لذتوں اور فرحتوں سے سرشار ہورہے ہیں، مولانا آہستہ آہستہ بولتے رہے، عالم آخرت کے شوق میں اشعار پڑھتے رہے، خود بھی بے خود ہوتے رہے حاضرین مجلس کو بھی بے خود بناتے رہے۔

اس وقت عالم یہ تھا کہ پانی بھی معدہ میں اترنہیں رہا تھا، ایک دوگھونٹ پیتے تو جوں کا توں فم معدہ کے پاس سے واپس آجاتا، انہیں افسوس ہورہا تھا کہ موت کا شوق نہیں ہو رہا ہے۔

میں نے ادب سے عرض کیا حضرت آپ کی پوری گفتگو موت کے شوق فراواں سے لبریز ہے آخر اس سے زیادہ موت کا شوق کیا ہوگا؟

یہ سنکر خوب مسکرائے، چہرے پر انبساط کا نور لہریں لینے لگا، اس وقت مولانا کے رخسار دمک اٹھے تھے، میں اپنے جی میں سوچ رہا تھا یہ ہے ایمان! یہ ہے محبت الٰہی! یہ ہے آخرت کا شوق!

دیر تک مجلس قائم رہی ایمانی سکینت کا نزول عیاناً محسوس ہورہا تھا، اب مولانا کو ڈاکٹروں کے یہاں جانا تھا، میں رخصت ہوکر اپنی قیام گاہ پر آگیا تاثر اور محبت کی گہرائیوں میں ڈوبا ہوا! مولانا کی شفقت ومہربانی کی بارش میں شرابور! دیر تک ایک کیفیت طاری رہی۔

میں نے فون سے معلوم کیا کہ ڈاکٹر نے دیکھ کر کیا کہا؟ صاحبزادۂ محترم نے بتایا کہ کینسر حاوی ہو چکا ہے، اب اعمر کے اس مرحلہ میں ہیں کہ آپریشن کرنا ممکن نہیں، مولانا کی عمر شریف ۸۳ برس ہے، صرف اتنا کیا جا سکتا ہے کہ شکم میں آپریشن کر کے نلکی کے ذریعہ غذا اندر پہونچائی جائے تاکہ قوت قدرے بحال رہے، لیکن مولانا نے اسے منظور نہیں کیا کہ آخر وقت میں غیر فطری طریقہ پر غذا کو معدہ میں کیوں لیا جائے، جب اللہ نے غذا مکمل کر دی تو بس اب رہنے دو، مولانا کو اپنے بیٹوں اور تیمارداروں کی خاطر بھی منظور تھی، انہوں نے سب سے مشورہ کیا اور اپنی بات سب کے سامنے رکھی سب نے مولانا کی بات کی تائید کی، مولانا بہت خوش ہوئے اور یہی بات فیصلہ قرار پائی۔

چار پانچ روز مولانا کا قیام بمبئی میں رہا، ایک اور ڈاکٹر کو دکھایا گیا انہوں نے کچھ دوائیں تجویز کیں، مولانا نے فرمایا کہ علاج کا معاملہ بمبئی میں تو ختم ہوا، اب مجھے سہارن پور لے چلو، وہاں سے میں اپنے وطن پورہ معروف چلا جاؤں گا۔

مولانا نے گویا اپنی وفات کا مشاہدہ کر لیا تھا اس لئے بہت تفصیل کے وصیت نامہ لکھوایا، کتابوں کے متعلق، کتب خانہ کے متعلق، خانقاہ کے متعلق، اولادوں اور ورثاء کے متعلق، یہ وصیت نامہ کیا ہے؟ شریعت وسنت کی پاسداری اور عظمت کا آئینہ دار، فکر آخرت سے لبریز، دین وایمان کی اہمیت سے معمور!

مولانا نے زندگی کے کسی مرحلہ میں آپ بیتی لکھنی شروع کی تھی جو نامکمل رہ گئی تھی، اسے بھی مکمل کرنے کا عزم فرما رہے تھے۔

مولانا بمبئی سے سہارن پور تشریف لے گئے، دو ایک روز وہاں ٹھہر کر پورہ معروف تشریف لے گئے، میں نے اس علاقہ کے دوست واحباب کو تاکید کی کہ مولانا اس وقت سراپا ایمان ہیں، ایمان کی تابنا کی ان کے پورے وجود پر اس طرح روشن ہے کہ اسلاف میں یہ کیفیت پڑھی جاتی ہے، اس کا مشاہدہ بہت کم ہوتا ہے، اس لئے موقع بموقع مولانا کی خدمت میں حاضری دیں۔

مولانا نے دو تین ہفتہ پورہ معروف میں قیام فرمایا، اس دوران لکھنؤ بھی کسی ڈاکٹر کو دکھانے تشریف لے گئے، اس قیام میں مولانا کی طبیعت بہت غنیمت محسوس ہوئی، کھانا پانی تھوڑا تھوڑا اترنے لگا، خاصا اطمنان محسوس ہوا۔ ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ شاید وہ مرض نہیں جس کی تشخیص ہوئی تھی، اس حد تک اطمینان ہوا کہ مولانا نے پھر سہارن پور مدرسہ کا قصد فرمایا، اور تشریف لے گئے، وہاں جا کر مسند درس پر رونق افروز ہوئے اور تعلیم وافادہ کا سلسلہ شروع کر دیا، علاج چلتا رہا طبیعت نرم گرم ہوتی رہی، مگر چند روز کے بعد پھر اضمحلال بڑھنے لگا، جب اضمحلال کی کیفیت زیادہ بڑھی تو پھر پورہ معروف تشریف لے آئے اب انحطاط تیزی سے بڑھنے لگا مگر بحمد للہ کوئی درد نہ تھا، کوئی تکلیف نہ تھی، عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہوتا سب کو نصیحت فرماتے، ہشاش بشاش رہتے، دنیا سے رخصت ہونے کی تیاریاں کرتے، گھر والوں کو اور آنے جانے والوں کو آخرت کی طرف متوجہ فرماتے، اللہ کا شکر ادا کرتے کہ مرض کی تکلیف نہیں ہے، مگر ضعف بڑھتا جا رہا تھا غذا اندر پہونچ نہیں رہی تھی، اس لئے کمزوری روز افزوں تھی، تاہم مسجد میں نماز پڑھنے جاتے، لوگوں سے باطمینان اور بانشراح بات چیت کرتے، صاحبزادگان مولانا ابوعبیدہ صاحب اور مولانا عبد الباسط صاحب دن رات خدمت میں لگے رہتے، ان کے علاوہ مولانا کے تلامذہ ومریدین اور دوسرے اہل محبت بالخصوص حاجی محمد نعمان صاحب زیادہ تر حاضر باش اور خدمت میں سرگرم رہتے۔

حضرت پورہ معروف پہونچے تھے کہ ۲ر اپریل کو میں بھی بمبئی سے شیخو پور پہونچ گیا، طبیعت میری ٹھیک نہ تھی، علاج کے لئے ہر دو تین دن کے بعد مجھے مئو جانا پڑتا تھا، ایک روز چند دوستوں اور بیٹوں کی معیت میں حضرت کی عیادت کیلئے حاضر ہوا، عصر کے قبل حاضری ہوئی، حضرت بہت خوش ہوئے دیر تک علمی و دینی باتیں کرتے رہے، بعض علماء گھوسی سے تشریف لائے تھے بڑے اہتمام سے سب کی ضیافت کی، عصر کا وقت ہوگیا تو باوجود ضعف و نقاہت کے مسجد تشریف لے گئے، جو آپ کے دولت کدے کے قریب ہی ہے، نماز باطمینان

پڑھی مگر شدت ضعف سے بیٹھ کر پڑھی، نماز کے بعد مسجد سے بندہ نے رخصت کی اجازت چاہی، آپ نے بخوشی خوب ساری دعاؤں کے ساتھ اجازت دی۔

اپنی ان ملاقاتوں میں حضرت بارہا اظہار فرماتے تھے کہ میں تو طبعی عمر سے آگے جا رہا ہوں مجھے تو رخصت ہونا ہی ہے، لیکن آپ کم عمری ہی میں ایسے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ طبیعت خائف ہے، ابھی آپ کو کام کرنا ہے اور آپ سے بہت سی امیدیں ہیں، بہت کچھ آپ کر چکے ہیں، مگر ابھی موقع ہے اللہ آپ کو صحت دیں، توفیق دیں۔

میرے غائبانہ بھی حضرت بار بار ذکر فرماتے، دعائیں دیتے، محبت کا اظہار فرماتے، تعریفیں کرتے اور بیماری پر افسوس کرتے۔

پھر جلد ہی میرا بمبئی واپسی کا پروگرام بن گیا ۱۷ اپریل کو واپسی طے ہوگئی، میں نے ارادہ کیا کہ ایک بار اور خدمت میں حاضری دے لوں، مولانا عبدالباسط اور حاجی نعمان سے فون پر مسلسل رابطہ رہتا تھا میں نے اپنا پروگرام بتایا، انہوں نے حضرت سے ذکر کر دیا، حضرت نے فرمایا نہیں وہ نہیں آئیں گے، وہ آ چکے ہیں میں خود چلوں گا اور انھوں نے حکم دیا کہ گاڑی لیکر آؤ۔ ۱۵ اپریل شام کو مولانا عبدالباسط صاحب کا فون آیا اور حاجی نعمان کا بھی کہ مولانا عصر پڑھ کر نکلیں گے اور مغرب بعد شیخو پور پہونچیں گے، میں گھبرا گیا، میں نے معذرت کی کہ میں خود حاضر ہوتا ہوں، ادھر سے کہا گیا کہ حضرت نے گاڑی منگوالی ہے، عصر پڑھ کر فوراً چل دیں گے۔

میں حضرت کی محبت، عنایت، شفقت اور مہربانی کے بحر بیکراں میں ڈوب گیا، دل کی دھڑکن بڑھ گئی سراپا انتظار ہو کر رہ گیا، مغرب کی نماز کے بعد حضرت کا قافلہ آیا، مدرسہ میں نور کی ایک کہکشاں اتر پڑی، میری سعادت اوج پر آ گئی، مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے، حضرت نے باوجود انتہائی کمزوری کے بہتوں سے مصافحہ کیا، عشاء کی نماز تک حضرت نے شرف بخشا، عشاء کی نماز کے بعد حضرت تشریف لے گئے۔

پورہ معروف سے باہر حضرت کا یہ آخری سفر تھا، جس سے انہوں نے اپنے کمترین

شاگرد کو نوازا، یہاں سے واپسی کے بعد مرض کے آثار نے قدرے شدت اختیار کی، آخرت کے جلوے کچھ اور نمایاں ہو گئے، معلوم ہوا کہ گلے میں قدرے تکلیف ابھر گئی ہے، شکم میں درد سا رہنے لگا ہے، بے چینی کبھی کبھی زیادہ ہو جاتی لیکن اس پر بھی شکر ادا کرتے رہتے کہ اللہ نے مجھے بیماری ایسی دی ہے جس میں تکلیف زیادہ نہیں ہے، کبھی کبھی فرماتے الحمد للہ بمصیبتے گرفتا رم نہ بمعصیتے، جوں جوں وقت قریب آتا گیا، تکلیف میں اور ضعف میں اضافہ ہوتا رہا۔

صاحبزادہ محترم مولانا عبدالباسط صاحب نے بتایا کہ شیخوپور سے واپسی کے بعد ۱۷/اپریل کو حضرت کو بے چینی کی کیفیت بہت رہی، جب اس میں کچھ کمی ہوئی تو حاضرین سے فرمایا کہ میں توبہ کرتا ہوں تم سب اس کے گواہ رہو، پھر فرمایا:

اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، چوری سے، زنا سے اور دوسرے سب گناہوں سے، اے اللہ میری توبہ قبول فرما، اے اللہ جن لوگوں نے میرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے ان پر مہربانی فرما، اے اللہ مولوی عبدالباسط اپنا کاروبار چھوڑ کر میری خدمت میں لگے ہیں، اے اللہ ان پر فضل فرما، مولوی عبدالرحیم پر مہربانی فرما، قمرالنساء (اہلیہ محترمہ) کی پریشانیوں کو دور فرما۔ **لا الہ الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ** (ﷺ)

حضرت نے اس توبہ پر اور اس کلمۂ ایمان پر حاضرین کو گواہ بنایا۔

وفات سے ایک روز پہلے بے چینی بڑھی، کچھ دوائیں استعمال ہوئیں، صاحبزادۂ محترم سے بے چینی کا اظہار فرمایا، تو انہوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری یاد دلائی، فرمایا ہاں یاد کرتا ہوں اور پڑھتا ہوں، **رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین** پھر اسے پڑھتے رہے، یہاں تک کہ بے چینی ختم ہو گئی اس کے بعد آپ نے طشت میں پانی منگایا، مسواک منگائی، پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرا، مسواک کی اور پوچھا کہ سنت ادا ہو گئی؟ لوگوں نے اثبات میں جواب دیے تو فرمایا، الحمد للہ، الحمد للہ۔

گھر میں خاندان میں بعض لوگوں میں شکر رنجیاں تھیں، آپ نے بلا کر صلح کرائی، کچھ وصیتیں فرمائیں اسی دوران ذکر آیا کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کا استحقاق کسے ہے؟ فرمایا

کتاب میں دیکھو پہلا حق سلطان کا ہے، پھر امام حی کا ہے، پھر اولیاء کا ہے۔ مولانا پورہ معروف میں عیدین کے امام تھے، اب انہوں نے اپنی جگہ پر لوگوں کے مشورہ سے مولانا رضوان الرحمان کو متعین کر دیا تھا، فرمایا کہ مولانا رضوان الرحمان صاحب جنازہ کی نماز پڑھا سکتے ہیں۔

کفن میں احرام کی چادر کا ذکر آیا تو فرمایا کہ شامی میں دیکھو نیا کپڑا مستحب ہے، احرام کی چادر کا شریعت میں کوئی ذکر نہیں ہے، چنانچہ اسی پر عمل کی رائے قرار پائی، یہ سارے مراحل وفات سے ایک روز پہلے طے ہو گئے تھے۔

مولانا کا عام معمول زمین پر بیٹھنے اور سونے کا تھا، مگر وفات سے سات آٹھ دن پہلے آپ نے چار پائی منگوائی، اور اس کو کمرہ میں اس طرح بچھوایا کہ انتقال کے وقت قبلہ رو رہیں، اس طرح بچھانے میں کمرے کی ساخت کے لحاظ سے چار پائی ترچھی معلوم ہوتی تھی، اگر اسے کوئی سیدھا کرتا تو آپ منع کرتے، ان سات آٹھ دنوں آپ کا قیام چار پائی پر ہی رہا۔

ان آخری ایام میں تاکید تھی کہ کوئی نامحرم خاتون سامنے نہ آئے، اور وہ لوگ جن کا چہرہ خلاف شرع ہوتا انہیں بھی منع فرماتے، یا نصیحت فرماتے اور انہیں جلدی رخصت کر دیتے، اس وقت عجیب وغریب کیفیات کا ظہور ہوتا، وفات سے ایک روز پہلے حضرت لیٹے ہوئے تھے، لوگ اردگرد بیٹھے ہوئے تھے، حضرت نے صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالباسط صاحب سے پوچھا کہ میرے چہرے پر تم نے ہاتھ پھیرا تھا، انہوں نے کہا نہیں ہم لوگ تو دور دور ہیں، فرمایا، اچھا فرشتے تھے، اس وقت عموماً استغراقی کیفیت ہوتی تھی۔

مولانا نے پورہ معروف میں خانقاہی نظام کا اہتمام کر رکھا تھا، متوسلین و مریدین آپ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، آپ چاہتے تھے کہ ایک خانقاہ تعمیر ہو جائے اس کے لئے ایک جگہ لے لی گئی تھی، اس کے سنگ بنیاد کا پروگرام تھا، طے کیا تھا کہ جمعہ کے روز بتاریخ ۲۶؍اپریل بنیاد رکھی جائے گی، لیکن ایک روز فرمایا کہ معلوم نہیں میں جمعہ تک رہوں یا نہ رہوں، بنیاد پہلے ہی رکھوا لو، چنانچہ دو روز پہلے بدھ کو آپ نے ایک اینٹ منگوا کر اس پر

دعائیں پڑھ کر دم کیں، اور خود ضعف کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے مگر بنیاد رکھوا دی، اور وصیت فرمائی کہ میرے ترکہ میں سے تہائی کے بقدر خانقاہ کی تعمیر پر رقم خرچ کی جائے، صاحبزادے سے فرمایا کہ ضرورت پر تم خرچ کرتے رہنا، شاید تم کو کچھ تنگی پیش آئے، مگر فکر نہ کرنا، پھر اللہ تعالی کشادگی دیں گے اور پھر ان شاء اللہ تنگی نہ پیش آئے گی۔

زندگی کا آخری دن تھا بلکہ آخری لمحات تھے، ظہر کا وقت ہونے والا تھا مولانا کو نماز کا ہمہ وقت دھیان رہتا تھا نماز ظہر کی تیاری کے لئے استنجاء وطہارت کا تقاضا کیا، غایت ضعف کی وجہ سے کپڑوں اور بدن کی طہارت میں کمی محسوس ہوئی تو بہت اہتمام سے پاکی حاصل کی اور کپڑے تبدیل کرائے، مگر اس کے بعد ضعف اتنا بڑھ گیا کہ لیٹ کر بھی نماز پڑھنے کی تاب نہ رہی، آپ لیٹے رہے اس وقت بے چینی اور تکلیف بہت تھی، زبان پر آہستہ آہستہ ذکر و دعا جاری تھی چارپائی کے اردگرد گھر کے لوگ موجود تھے غالباً آپ کو احساس ہو گیا تھا کہ وقت آخر ہے، آپ نے سب سے مصافحہ کیا کچھ لوگ آہستہ آہستہ ہاتھ پاؤں سہلا رہے تھے، انہیں منع کیا کہ اب خدمت کا وقت نہیں رہا، سب کو چارپائی پر سے ہٹا کر نیچے اتار دیا، دروازہ کے سامنے اشارہ کیا کہ ہٹ جائیں، ایسا محسوس ہوا کہ کسی آنے والے کے لئے راستہ خالی کرا رہے ہیں۔

بے چینی بہت تھی، لیکن اس حالت میں بھی اپنا چہرہ قبلہ کی طرف رکھنا چاہتے تھے، مگر شدت درد کی وجہ سے بار بار پہلو بدلنا پڑتا تھا، اور قبلہ کی طرف چہرہ نہیں رہ پاتا تھا، عرض کیا گیا کہ سہارے کے ذریعہ چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے، فرمایا کہ مرنے کے بعد کر دینا، اس وقت پاس انفاس جاری ہوا سانس کی ہر حرکت سے اللہ اللہ کی آواز محسوس ہوتی تھی، ۲ر بجنے کے قریب وقت تھا، مسجد میں ۲ر بجے کی نماز تھی، تیمارداروں کو تاکید تھی نماز میں تخلف اور سستی نہ کریں، اکثر حضرات نماز کے لئے جا چکے تھے، گھر کی محرم عورتیں موجود تھیں، سورہ یس اور سورہ رعد کی تلاوت بار بار ہو چکی تھی، دعائیں ورد زبان تھیں، سانس سے ذکر جاری تھا، اسی حال میں آپ نے آخری سانس لی، اور ذکر الہی کے خوشبو میں بسی ہوئی روح

اس پاک بارگاہ میں فرشتوں کے جلو میں حاضر ہوگئی جس کے اشتیاق میں عمر کا ہر لمحہ بسر کیا تھا، اناللہ وانا الیہ راجعون **غفر له الرحمان ورحمه وادخله الجنان فی روح وریحان**

ادھر روح نے بدن کا لبادہ اتارا، ادھر ہر طرف خبر پھیل گئی کہ پورہ معروف کا صاحب نسبت محدث علائق دنیا سے منہ موڑ کر اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوگیا ہے، لوگ جوق درجوق مولانا کے جنازہ میں آنے لگے، اور رات تک علماء، صلحاء، طلبہ اور عوام کا اتنا بڑا مجمع ہوگیا کہ پورہ معروف میں ابھی تک چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا تھا، عشاء کی نماز کے بعد صالحین کی ایک ایسی جماعت نے نماز جنازہ ادا کی جس میں اکثریت علماء و بزرگان دین کی تھی، پھر رات گئے تک تدفین ہوتی رہی۔

حق تعالی کی رحمتیں نازل ہوں، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں آپ کا قیام ہو اور نم کنومۃ العروس کی صدائے دلنواز باعث فرحت وشادمانی ہو، جس ذات کی رضا کے لئے زندگی بھر تگ ودو کی تھی اس کی طرف سے راضیۃ مرضیۃ کی بشارت مسلسل ہو۔

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۰ کا

دارالعلوم کے جلیل القدر مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب سے تاریخ کی منظوری لی گئی، ان کے علاوہ میں نے دوسرے علماء کرام کے ساتھ حضرت مولانا زین العابدین صاحب سے بھی درخواست کی، آپ نے بہت خوشی سے آنا منظور کیا، تشریف لائے بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی، اور مجھ سے تعلق کا خصوصی ذکر فرمایا، اہل انتظام نے مولانا کو کرایہ کی رقم دینی چاہی تو مولانا نے اپنے اس شاگرد کا نام لیکر فرمایا، میں ان کے حکم پر بہت خوش ہو کر آیا ہوں، میں کرایہ نہیں لوں گا اور باوجود اصرار کے نہیں لیا۔

مولانا واقعی نمونۂ سلف بزرگ تھے، بے نفسی، سادگی، اخلاص وللّٰہیت، میں بے نظیر تھے، عالم ربانی، صاحب نسبت شیخ طریقت تھے، بعد والوں کے لئے نمونہ علم وعمل تھے، اللہ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ ☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مردمومن کی شان رحلت

مولانا اعجاز احمد اعظمی صاحب

استاذ محترم مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ ایک خاص شان کے بزرگ تھے، ان کے احوال دیکھ کر اسلاف کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ یوں تو ہر شخص کو حق الیقین ہے کہ ایک روز مرنا ہے مگر جب تک موت کے آثار ونشان ظاہر نہیں ہوتے آدمی غافل ہوتا ہے، مگر جب موت کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہے تو بہتوں پر گھبراہٹ طاری ہوجاتی ہے، بعض امراض قرب موت کی علامت سمجھے جاتے ہیں، ان کا ظاہر ہونا مریض کے لئے وجہ پریشانی ہوجاتا ہے، ہمارے دور میں کسی کو کینسر ہوجانا اس بات کی علامت سمجھا جاتا ہے کہ اب دنیا سے رخصتی قریب ہے کوئی گھڑی دو گھڑی کی سانس ہے مولانا کو ڈاکٹروں نے یہی بیماری بتائی مگر مولانا پر اس کا اثر یہ ہوا کہ ان پر حضور خداوندی میں حاضر ہونے کا ایک کیف چھا گیا، انھیں انتظار سا لگ گیا کہ کب حاضری ہوتی ہے۔

ایک روز میں ان کی مجلس میں حاضر تھا فرما رہے تھے کہ مرنے کا خوف نہیں ہے، لیکن افسوس اس کا ہے کہ مرنے کا شوق نہیں پاتا، پھر یہ اشعار پڑھنے لگے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم   راحت جاں طلبم واز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے   تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بروم

وہ دن کتنا مبارک ہوگا جب کہ میں اس منزل ویران سے رخصت ہوں گا، راحت جاں کی طلب میں نکلوں گا اور محبوب کی جستجو میں چل پڑوں گا۔

میں نے منت مانی ہے کہ جس دن، رنج وغم کی یہ گھڑی ختم ہوگی میکدہ کے دروازہ تک خوش خرم غزل گاتا ہوا جاؤں گا۔

پھر جوں جوں وقت گزرتا رہا شادمانی کی کیفیت بڑھتی رہی شوق لقاءالٰہی کا غلبہ ہوتا رہا دنیا سے بے رغبتی آخرت کا انتظار قلب کو ایسا لگ گیا جیسے ادھر کا کوئی روزن کھل گیا ہو۔

صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالباسط صاحب نے وفات سے تین چار روز پہلے جمعرات کو، جبکہ مولانا ایک خاص کیفیت میں لیٹے ہوئے تھے، مولانا سے پوچھا کہ ابا! حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ کا وہ شعر کیسے ہے جو آپ نے سنایا تھا۔ ع ایک بھی نالہ بہت کچھ ہے اگر پہونچے

آپ نے فرمایا تم نے تصرف کر دیا، یوں نہیں اس طرح ہے ؎

یوں تو کرتے ہیں بہت کچھ نالہ و فریاد ہم ایک بھی نالہ ہے اپنا بس اگر پہونچے

پھر فرمایا تم نے بات کاٹ دی، ابھی کوئی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ کل جمعہ کو قبرستان میں بہت سے مردوں کی بخشش ہونے والی ہے، وہ بات منقطع ہوگئی۔

صاحبزادۂ محترم فرماتے ہیں کہ کئی روز سے ابا کو حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب التکشف کی تلاش تھی، اتفاق سے گھر پر نہ ملی تو کوپا گنج سے منگوائی گئی، مولانا نے صاحبزادہ سے فرمایا کہ اس میں حضرت سنائی کے قصیدہ پر بہادر شاہ نے تضمین کر کے جو مخمس تیار کیا ہے اسے سناؤ، حضرت لیٹے خاموش ہیں صاحبزادۂ گرامی نے سنانا شروع کیا، حضرت پر گریہ طاری ہوا جب مخمس مکمل ہوا یا تو فرمایا کہ مرنے وقت اسے پڑھنا چاہئے، وہ مخمس گو کہ طویل ہے مگر نقل کیا جاتا ہے۔

نہ دیا منزل عقبیٰ کا مجھے رستہ دکھائی پڑے دنیا یونہی بک بک کے عبث جان کھپائی
ملکا! ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی مگر اب جی میں ہے کہ سب چھوڑ کے یہ ہرزہ سرائی
نروم من بجز آں رہ کہ تو آں رہنمائی

ترجمہ! بادشاہا! اب آپ ہی کا ذکر کرتا رہوں گا، کیوں کہ آپ پاک ہیں اور آپ ہی خدا ہیں، اس راہ کے سوا جس کو آپ دکھائیں میں کسی اور راہ پر نہ چلوں گا۔

نہ پھروں عہد سے جب تک کہ مرے دم میں رہے دم　　رہوں پیمان محبت پہ تیری میں یونہی محکم
طلب وصل تری دل سے مری ہو نہ کبھی کم　　ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ در کار تو پویم
ہمہ توحید تو گویم کہ بتوحید سزائی

ترجمہ!　ہمہ وقت میں آپ کی بارگاہ کی طلب میں رہوں، اور ہمیشہ آپ کے حکم کی تعمیل میں دوڑتا رہوں، ہمہ وقت آپ کی توحید کا نغمہ پڑھتا رہوں کہ توحید کی شان آپ ہی کے مناسب ہے۔

نہ چپ وراست سے گر ہووے تری نصرت ویاری　　نہ تیرا عرش سے تا فرش اگر فیض ہو جاری
نہ کہے کیوں کہ خدایا یہ خدائی تجھے ساری　　تو خداوند یمینی تو خداوند یساری
تو خداوند زمینی تو خداوند سمائی

ترجمہ!　اگر ہر طرف سے، عرش سے فرش تک آپ کی نصرت نہ ہو اور آپ کا فیض جاری نہ ہو، تو ساری مخلوق کیوں کر یہ کہہ سکتی ہے کہ آپ دائیں کے بھی خدا ہیں اور آپ بائیں کے بھی، آپ ہی زمین کے بھی خدا ہیں اور آپ ہی آسمان کے بھی خدا ہیں۔

نظر آتی ہے جہاں میں جو سفیدی وسیاہی　　قلم صنع پر دیتے ہیں ترے دن رات گواہی
تری یکتائی مبرا ہے ہر اک شئی سے الٰہی　　تو زن و جفت نہ جوئی تو خور وخفت نخواہی
احدا! بے زن وجفتی، ملکا! کام روائی

ترجمہ!　دنیا کے ہر ایک شئی آپ کی صنعت پر گواہ ہے، آپ کی یکتائی سب سے نرالی ہے، آپ کو نہ عورت کی ضرورت ہے نہ جوڑے کی، آپ کو نہ کھانے سے کوئی مطلب ہے نہ سونے سے، اے ذات یکتا! آپ کے نہ بیوی نہ جوڑا، بادشاہا! آپ ہی حاجت روا ہیں۔

نہ پرستش کا تو محتاج، نہ محتاج عبادت　　نہ عنایت تجھے درکار کسی کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی کی نہ کسی کی ہے قرابت　　نہ نیازت بولادت نہ بفرزند تو حاجت
تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی

ترجمہ!　آپ کسی کے محتاج نہیں، نہ ولادت کی نیازمندی ہے، نہ فرزند کی آپ کو ضرورت

ہے، آپ زبردست حکومت کے مالک ہیں، آپ امیر الامراء ہیں۔

جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری　　　جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے حقیری
کرم وعفو سے کیوں کر نہ کرے عذر پذیری　　　تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

ترجمہ! سب کچھ آپ کے اختیار میں ہے، اپنے کرم وعفو سے معذرت قبول کرتے ہیں کیوں کہ آپ کریم ہیں، آپ رحیم ہیں، آپ سمیع ہیں، آپ بصیر ہیں، آپ ہی عزت دینے والے اور آپ ہی ذلت میں ڈالنے والے، آپ ہی بجا طور پر عرش کے مالک ہیں۔

گنہ وجرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی　　　تیرے الطاف سے محروم نہ میخوار نہ زانی
کہ تو ستار ہے واقف اسرار نہانی　　　ہمہ را عیب تو پوشی ہمہ را غیب تو دانی
ہمہ را رزق رسانی کہ تو با جود وعطائی

ترجمہ! آپ سب کے عیبوں کو چھپائے رہتے ہیں اور سارا غیب جانتے ہیں، گناہوں کے باوجود سب کو روزی دیتے ہیں کسی کو محروم نہیں کرتے، کیوں کہ آپ صاحب جود وعطا ہیں۔

خرد وفہم سے گر دل نے کوئی بات تراشی　　　کہ ہوا اول آخر کی حقیقت کا تلاشی
مرے نزدیک سوا اس کے ہے سب سمع خراشی　　　نہ بُد خلق تو بودی نہ بود خلق تو باشی
نہ خیزی نہ نشینی نہ تو کاہی نہ فزائی

ترجمہ! اگر کوئی اول وآخر کی حقیقت تلاش کرنا چاہے تو بس قول فیصل یہی ہے اس کے علاوہ سب سمع خراشی ہے کہ مخلوق نہ تھی، آپ تھے، پھر مخلوق نہ رہے گی آپ رہیں گے، آپ کے بارے میں نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کھڑے ہیں یا بیٹھے ہیں، نہ یہ کہ گھٹتے ہیں یا بڑھتے ہیں۔ (مخلوق کی صفات سے آپ پاک ہیں)

رہے مصروف ثناء میں ترے ہر چند خلائق　　　نہ ادا پر وہ ثناء ہو جو ثناء ہے ترے لائق
کہ وہ فوق اور ہے جس فوق سے ہے سب پہ تو فائق　　　نہ سپہری نہ کواکب نہ بروجی نہ دقائق
نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی

ترجمہ! آپ کی حمد وثنا کا حق مخلوق سے ادا ہو ہی نہیں سکتا، جو فوقیت آپ کو حاصل ہے وہ کچھ اور ہے جس کا ادراک ممکن نہیں، یہ فوقیت اور علو نہ آسمانوں، سے نہ ستاروں سے، نہ بروج سے، نہ زمانے سے، نہ کسی مقام سے، نہ کسی منزل سے، نہ بیٹھنے سے، نہ کھڑے ہونے سے۔

رہ توصیف تری رکھتی ہے نہایت ہی درازی نہ لگے ہاتھ یہ کوچہ تری بے بندہ نوازی
نہ چلے کنہ حقیقت میں تری نکتہ طرازی بری از چون وچرائی بری از عجز و نیازی
بری از صورت ورنگی بری از عیب وخطائی

ترجمہ! آپ کی حمد کا راستہ بڑا طویل ہے، آپ کی بندہ نوازی کے بغیر یہ کوچہ ہاتھ نہیں آسکتا، آپ کی حقیقت کے بیان میں کوئی نکتہ طرازی نہیں چل سکتی، بس یہ کہ ہر چوں وچرا سے آپ بری ہیں، ہر عجز و نیاز سے آپ پاک ہیں، آپ ہر صورت ورنگ سے ماوراء ہیں، ہر عیب وخطا سے پاک ہیں۔

نہ تجھے دوست کی حاجت نہ اندیشہ دشمن نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ تراشیون
نہ تجھے چاہئے ماوی نہ تجھے چاہئے مسکن بری از خوردن وخفتن بری از تہمت مردن
بری از بیم وامیدی بری از رنج وبلائی

ترجمہ! آپ دنیا کی ہر ضرورت سے! دوست ودشمن سے، ماوی ومسکن سے، سونے جاگنے سے، تہمت موت سے، سب سے بے نیاز ہیں، نہ آپ کو کسی کا خوف ہے، نہ کسی سے امید، نہ کوئی رنج وبلا آپ کی بارگاہ تک پہونچ سکے۔

نہ رہا عالم طفلی وجوانی ہوئی پیری غم دنیا کی ہوس میں مجھے رہے گی یہ اسیری
نہ روا رکھ مرے حق میں تو یہ خواری وحقیری تو علیمی و حکیمی تو خبیری و بصیری
تو نمائندۂ فضلی تو سزاوار خدائی

ترجمہ! عالم طفلی نہیں رہا، جوانی بڑھاپے کو پہونچی، دنیا کے غم کی ہوس کا قیدی بنا ہوا ہوں، مجھے اس ذلت سے نکالئے، آپ علیم وحکیم ہیں، آپ خبیر وبصیر ہیں آپ فضل کرنے والے

ہیں، آپ ہی خدائی و مالکی رکھنے والے ہیں۔

ترے اوصاف بیان کرنے کی باندھی ہے جو جی دم تقریر ہے گونگی دم تحریر ہے لنجی
مری گو نوک زباں گنج معانی کی ہے کنجی نہ تواں وصف تو گفتن تو در وصف نہ گنجی
نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

ترجمہ! میں نے آپ کا وصف بیان کرنے کا جو ارادہ کیا، گو کے میری زبان گنج معانی کی کنجی ہے، مگر حال یہ ہوا کہ تقریر گونگی اور تحریر لنجی ہوگئی، آپ کے اوصاف بیان کرنا ممکن ہی نہیں، کیوں کہ بیان میں آپ کی سمائی نہیں، آپ کے اوصاف کی شرح نہیں ہوسکتی، کیوں کہ شرح میں گنجائش نہیں۔

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تری دیکھے تجلی نہ خرد کو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرا بھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کروں تیری **احد لیس کمثلی صمد لیس کفضلی**
لمن الملک تو گوئی کہ سزاوار خدائی

ترجمہ! آپ کا ارشاد ہے کہ میرے جیسا کوئی نہیں، میں بے نیاز ہوں، میرے جیسا فضل والا کوئی نہیں، میرے علاوہ اور کس کی حکومت ہے؟ بلاشبہ آپ ہی خدائی کے لائق ہیں۔

ظفر اس وقت میں خاموش ہو کیا غنچہ کے مانند کہ اشعار مناجات کے یاد آئے اسے چند
کرے توصیف میں کس طرح تری اپنی زباں بند لب و دندان سنائی ہمہ توحید تو گویند
مگر از آتش دوزخ بودش زود رہائی

ترجمہ! ظفر اس وقت کیوں کر خاموش رہ سکتا ہے جبکہ مناجات کے یہ چند اشعار اس کے ذہن میں آگئے، وہ آپ کے وصف کے بیان میں زبان کس طرح بند کرے، جبکہ سنائی کے لب و دنداں سب آپ کی توحید میں مصروف ہیں، شاید نار جہنم سے جلد رہائی حاصل ہو۔

صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالباسط صاحب اس مخمّس کو سنا رہے تھے اور حضرت مولانا پر گریہ طاری تھا، اس کے بعد فرمایا کہ اس کتاب میں حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا ایک قصیدہ بہت موثر ہے، اسے مولانا رضوان الرحمان صاحب سنائیں گے، وہ تشریف لائے

تو انھیں فرمایا کہ اسے مطالعہ کرلیں پھر پڑھ کر سنائیں، چنانچہ انھوں نے پڑھا اس پر بھی خوب گریہ طاری ہوا، وہ قصیدہ بھی خلاصہ مطلب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

روزے کہ زیر خاک تن ما نہاں شود آنہا کہ کردہ ایم یکا یک عیاں شود
یا رب بہ فضل خویش بہ بخشائے بندہ را آں دم کہ عازم سفر آں جہاں شود
بیچارہ آدمی کہ اگر خود ہزار سال مہلت بیابد از اجل وکامراں شود
ہم عاقبت چوں نوبت رفتن بدو رسد با صد ہزار حسرت ازینجا رواں شود

ترجمہ! جس روز ہمارا یہ جسم زمین کے اندر پوشیدہ ہوگا، اس روز ہمارا ہر ہر عمل ایک ایک کر کے ظاہر ہوجائے گا، اے پروردگار! اپنے فضل سے اس بندہ کو بخش دیجئے گا، جس دم کہ یہ اس دنیا کے لئے عازم سفر ہوگا، آدمی بے چارہ اگر ایک ہزار سال کی بھی مہلت پائے اور موت سے بچا رہے تب بھی جب یہاں سے رخصت ہونے کی نوبت آئے گی تو ہزاروں حسرت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوگا۔

فریاد ازاں زمان کہ تن نازنین ما بر بستر ہوان فتد وناتواں شود
اصحاب را چو واقعۂ ما خبر کنند ہر دم کسے برسم عیادت رواں شود
وانکس کہ مشفق ست دلش مہربان ماست در جستن دوا ببر ایں و آں شود
وانگہ کہ چشم بر رخ ما افگند طبیب در حال ما چو فکر کند بد گماں شود
گوید فلاں شراب طلب کن کہ سود تست مارا بداں امید بسے در زیاں شود
شاید کہ یک دو روز دگر ماند عمر ما وان یک دو روز بر سر سود و زیاں شود
یاران و دوستاں ہمہ در فکر عافیت کاحوال بر چگونہء حال از چساں شود
تا آں زماں کہ چہرہ بگردد زحال خویش واں رنگ ارغوانی مازعفراں شود
واں رنج در وجود بنوعے اثر کند کز لاغری بسان یکے ریسماں شود
در ورطہء ہلاک فتد کشتئی وجود نیز از عمل بماند و بے بادباں شود

ترجمہ! اس وقت سے فریاد ہے جب ہمارا جسم نازنین بستر مرگ پر گرے گا، اور کمزور ہو

جائے گا، ہمارے مہربان اور مشفق احباب دوا علاج کی فکر میں ایک دوسرے کے پاس جائیں گے، طبیب کی نگاہ ہمارے رخ بیمار پر پڑے گی، اور وہ ہمارا حال دیکھے گا تو تشویش میں پڑے گا، کہے گا کہ فلاں شربت منگواؤ شاید اس سے فائدہ ہو، ہم کو اس بیماری میں اس سے نفع کی امید ہے، ہمارے دوست واحباب انجام کی فکر میں ہوں گے کہ دیکھئے کیا حال ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ چہرے کا حال بدل جائے گا، ہمارا رنگ پیلا پڑ جائے گا، اور اس بیماری کا اثر ہمارے وجود پر ایسا ہوگا کہ جسم دھاگے کی طرح لاغر ہو جائے گا، پھر وجود کی کشتی موت کے بھنور میں جا گرے گی، سارے کام سے بے کار ہو کر، بغیر بادباں ہو کر رہ جائے گی۔

آمد شد ملائکہ در وقت قبض روح — چوں بنگریم دیدۂ ما خوں فشاں شود
باید کہ در چشیدن آں جام زہر ناک — شیرینی شہادت ما در زباں شود
یارب مدد بہ بخش مارا دراں زماں — قول زباں موافق قول جناں شود
ایمان ما زغارت شیطان نگاہدار — تا از عذاب وخشم تو جاں در اماں شود

ترجمہ! روح نکلنے کے وقت جب ملائکہ کی آمد ورفت کو ہم دیکھیں گے تو ہماری آنکھ خون کے آنسو روئے گی، اس زہرناک جام کے چکھنے کے وقت مناسب یہ ہے کہ کلمہ شہادت کی حلاوت ہماری زبان پر رہے، اے پروردگار! اس وقت ہماری مدد فرمائیے کہ ہماری زباں کا قول دل کی بات کے موافق رہے، شیطان کی رہزنی سے ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائیے تا کہ آپ کے عذاب اور غضب سے ہماری جان محفوظ رہے۔

فی الجملہ روح وجسم زہم مفترق شوند — مرغ از قفس برآید در آشیاں شود
جاں ار بود پلید شود در زمیں فرو — ودر پاک باشد او زبر آسماں شود
آوازہ در سرائے بیفتد کہ خواجہ مرد — وز بم وزیر خانہ پر آہ و فغاں شود
از یک طرف غلام بگیرند بہائے ہائے — وز یک طرف کنیز بزاری کناں شود
در یتیم گوہر یک دانہ راز اشک — جزع دو دیدہ پر زعقیق یماں شود
تابوت وپنبہ وکفن آرند ومردہ شوئے — اوراد و ذکر آں زکراں تا کراں شود

آرند نعش تا بلب گورو ہر کہ ہست بعد از نماز باز سرخان وماں شود

ترجمہ! حاصل یہ کہ روح اور بدن میں جدائی ہو جائے گی، پرندہ قفس سے باہر نکل کر اپنے آشیاں میں چلا جائے گا، جان اگر گندی ہے تو زمین میں بیٹھ جائے گی اور اگر پاک ہے تو آسمان پر چلی جائے گی، گھر میں غل مچ جائے گا کہ خواجہ کا انتقال ہو گیا، آہ وفغاں شور وغل سے پورا گھر بھر جائے گا، ایک طرف غلام ہائے ہائے کریں گے، دوسری طرف کنیزیں گریہ وزاری کریں گی، آنسوؤں کے دریتیم سے آنکھیں بھر جائیں گی، لوگ تابوت لائیں گے، کفن اور روئی لائیں گے، مردہ کو نہلانے والے کو بلائیں گے، یہاں سے وہاں تک یہی سب اورادواذ کار رہیں گے، پھر لاش کو قبر کے کنارے تک لائیں گے اور نماز جنازہ پڑھ کر پھر سب اپنے اپنے کاروبار میں لگ جائیں گے۔

پس منکر و نکیر بہ پر سند حال ما ویں جملہ حکمہا زپئے امتحاں شود
گر کردہ ایم خیرونمازوخلاف نفس آں خاکدان تیرہ بما گلستاں شود
ورجرم و معصیت بود وفسق کار ما آتش درو فتد بہ لحد ہم دخاں شود
یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم و بیش صبح و شام با گریہ دوست ہمدم و ہمداستاں شود
حلواسہ چار صحن شب جمعہ چند بار بہر ریا بخانہ ہر گور خاں شود
واں ہمسر عزیز کہ از وعدہ دست داشت خواہد کہ بازبستہ عقد نسلاں شود
میراث گیر کم خرد آید بہ جستجوے بس گفتگوئے بر سر باغ و دکاں شود
نامے ز مابماند و اجزائے ما تمام در زیر خاک باغم وحسرت نہاں شود
وانگہ چندسال بریں حال بگذرد آں نام نیز گم شود بے نشاں شود

ترجمہ! پھر منکر ونکیر ہمارا حال دریافت کریں گے، یہ تمام باتیں امتحان کے لئے ہیں، اگر ہمارا کام فسق ومعصیت اور جرم رہا ہے تو قبر میں آگ اور دھواں کا ہجوم ہوگا، پھر ایک دو ہفتہ یا کم وبیش صبح وشام اہل محبت باہم گریہ وزاری کریں گے، تین چار طشتریاں جمعرات کو حلوا کی ریاکاری سے گورکنوں کے یہاں لے جائیں گے، پھر عزیزوں نے جو وعدہ کیا تھا اور پھر اس

سے ہاتھ اٹھالیا تھا وہ بھی اپنے خاندانی امور میں مشغول ہوجائے گا، میراث لینے والے بے وقوف تلاش کرتے ہوئے آئیں گے، باغ دکان پر گفتگو چلتی رہے گی، ہمارا صرف نام رہ جائے گا، جسم کے تمام اجزا زمین میں مل چکے ہوں گے، چند سال اسی طرح گزریں گے پھر وہ نام بھی بے نام ونشاں ہوجائے گا۔

واں صورت لطیف شود جملہ زیر خاک — واں جسم زور مند کفے استخواں شود
ازخاک گور خانہ ما خشت ہا پزند — واں خاک وخشت دستکش گل گراں شود
دوران روزگار بما بگزرد بسے — گا ہے شود بہار ودگرگہ خزاں شود
تا روز رستخیز کہ اصناف خلق را — تنہا زبہر عرض قریں رواں شود
حکم خدائے عزوجل کائنات را — در فصل ہر فصیلہ بہ کلی رواں شود
از گفتن و شنیدن واز کرد ہائے بد — در موقف محاسبہ یک یک عیاں شود
میزان عدل نصب کنند از برائے خلق — یک سر سبک برآید و یک سر گراں شود
ہر کس نگہ کند بہ بدو نیک خویشتن — آں جا یکے غمیں ویکے شادماں شود

ترجمہ! وہ صورت لطیف سب کی سب مٹی میں چلی جائے گی، وہ جسم زور آور ایک مشت استخواں بن جائے گا، ہماری قبر کی مٹی سے لوگ اینٹیں بنالیں گے اور یہ مٹی اور اینٹ معماروں کے ہاتھ کا کھلونا بن جائے گی، زمانے کی بہت سی گردشیں ہم پر گزریں گی، کبھی بہار آئے گی کبھی خزاں کی ہوائیں چلیں گی، یہاں تک کہ قیامت کے دن تمام مخلوق تنہا تنہا پیشی کے لئے روانہ ہوگی، خدائے عزوجل کا فیصلہ سب کے حق میں نافذ ہوکر رہے گا، ہم نے جو کچھ کہا سنا ہوگا یا اعمال بد کئے ہوں گے، سب ایک ایک کرکے ظاہر ہوجائیں گے، مخلوق کے واسطے میزان عدل نصب کی جائے گی، کسی کا پلہ ہلکا ہوگا کسی کا بھاری ہوگا، ہر شخص اپنے کئے ہوئے نیک وبد کو دیکھے گا، اس وقت کوئی غمگین ہوگا اور کوئی شادماں ہوگا۔

بندند باز برسر دوزخ پل صراط — ہر کس کہ ازو گشت مقیم جناں شود
واں کس کہ از صراط بہ لرزیدہ پائے او — در خواری و عذاب ابد جاوداں شود

اشرار را حرارت دوزخ کند قبول — وابرار را عنایت حق سائباں شود
بس روئے ہمچو ماہ زخجلت شود سیاہ — بس قد ہمچو تیر زہیبت کماں شود
بس شخص بے نوا کہ ورا از علو قدر — عشرت سرائے جنت اعلیٰ مکاں شود
بس پیر مستمند کہ در گلشن مراد — بوئے بہشت بشنود ونو جواں شود
مسکیں اسیر نفس وہوا کاندراں مقام — با صد ہزار غصہ قرین ہواں شود
برگے کہ از برائے مطیعاں کشد خدائے — عاصی چگونہ برسر آں برگ خواں شود
خرم دلے کہ در حرم آباد امن و عیش — حق را بخوان لطف و کرم میہماں شود
ایں کار دولت است نداند کسے یقین — سعدیؔ یقیں بجنت خلدت چساں شود

ترجمہ! پھر دوزخ کے اوپر پل صراط قائم ہوگا، جوشخص اس سے پار ہوگا وہ جنت میں ہوگا اور جوکوئی پل صراط سے پھسل جائیگا وہ ہمیشہ کے عذاب اور دائمی ذلت میں ہوگا، برے لوگوں کو جنت کی گرمی ہڑپ کرلے گی، اور اچھے لوگوں کے لئے حق تعالیٰ کی مہربانی سائباں بن جائے گی، کتنے چاند جیسے چہرے شرم کی وجہ سے سیاہ ہوجائیں گے اور تیر جیسے قد، ہیبت کی وجہ سے کمان ہوجائیں گے، بہت سے بےنوا اس درجہ بلندرتبہ ہوں گے کہ جنت کے عشرت سرا میں بلند مکانات سے سرفراز ہوں گے، اور بہت سے عمر رسیدہ بوڑھے، بہشت کی خوشبو ان کے مشام جاں میں پہونچے گی اور وہ نوجوان ہوجائیں گے۔ اور وہ بیچارہ جونفس وخواہش میں گرفتار رہا ہوگا، ہزاروں رنج کے ساتھ ذلیل وخوار ہوگا، خدا تعالیٰ نے فرمانبرداروں کے لئے جوساز وسامان تیار کیا ہے گناہ گار اس ساز وسامان کا مستحق کیوں کر ہوگا؟ وہ دل کتنا خوش وخرم اور مبارک ہوگا جو امن وعیش کے حرم میں حق تعالیٰ کے لطف وکرم کا مہمان ہوگا، یہ نصیبہ کی بات ہے، یقین کے ساتھ کون جانتا ہے کہ سعدی واقعی آپ کی جنت خلد میں کیوں کر پہونچے گا؟

یہ قصیدہ تمام وکمال مولانا نے سماعت فرمایا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اللہ ہی جانتا ہے کہ اس وقت کن کن خیالات کا ورود مولانا کے قلب پر ہورہا تھا، یقیناً اس وقت دنیا سے منقطع تھے اور آخرت کے جلوے نگاہ میں سمائے جارہے تھے، اللہ کی مہربانیاں بادل کی

طرح چھائی ہوئی تھیں، حق تعالیٰ کی رحمت سے امید کا وقت تھا اسی عالم میں مولانا عربی کے کچھ اشعار پڑھ رہے تھے، صاحبزادۂ محترم نے بتایا کہ میں نے سنا، آپ پڑھ رہے تھے۔

یا رب ان عظمت ذنوبی کثرة — و لقد علمت بان عفوک اعظم

ان کان لایرجوک الا محسن — فمن الذی یرجو و یدعو المجرم

ما لی الیک وسیلة الا الرجاء — وجمیل عفوک ثم انی مسلم

ترجمہ! اے میرے رب! میرے گناہ اگرچہ کثرت کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کا عفو و درگزر ان سب سے بڑھ کر ہے، اگر آپ کی ذات رحیم و کریم کی آس صرف نیک اور بزرگ ہی لوگوں کے ساتھ خاص ہو تو بھلا مجرم کس کی آس لگائے گا اور کسے پکارے گا، آپ کی جناب میں میرا کوئی وسیلہ نہیں سوائے امید کے اور سوائے آپ کے حسن عفو کے اور پھر سوائے اس بات کے کہ میں مسلمان ہوں (بس یہی تین چیزیں آپ کی بارگاہ میں میرے لئے وسیلہ ہیں)

کس امید اور حسن رجاء سے معمور یہ کلام ہے، صاحبزادۂ محترم یہ کلام سن کر تڑپ گئے، پوچھا ابا یہ کس کے اشعار ہیں، فرمایا فرزدق (۱) کے، عرض کیا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑے بزرگ کا کلام ہے، فرمایا کبھی دوسرے لوگوں کے زبان سے ایسا کلام ادا ہو جاتا ہے۔

اس وقت مولانا پر اطمینان اور سکینہ کی وہ کیفیت تھی کہ آہستہ آہستہ فرزدق کا ایک پر لطف واقعہ سنا ڈالا، جبکہ اس کی بیوی اس سے ناراض تھی اور وہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا دکھڑا سناتا تھا، مگر ان کی اہلیہ محترمہ دوسرے وقت فرزدق کی بیوی کی موافقت میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کو قائل کر لیتی تھیں، شاید فرزدق کی بیوی ان کی عزیز تھی۔

---

(۱) یہ اشعار ابونواس کے ہیں، بستر مرگ کے نیچے پائے گئے رقعہ میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔ دیکھئے: **وفیات الاعیان**، ج:۲، ص:۱۰۳/ **العقد الفرید**، ج:۳، ص:۲۰۶/ حیوٰۃ الحیوان (اردو)، ج:۱، ص:۳۷ اس میں ایک شعر یہ بھی ہے:

أدعوک رب کما امرت تضرعاً — فإذا رددت یدی فمن ذا یرحم

یہ استدراک میرے فاضل دوست مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی نے مجھے بھیجا۔ (مدیر)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آخری وقت میں مولانا کو کتنا سکون اور انبساط تھا، اور یہ اثر تھا اس رحمت خاصہ کا جس سے اللہ کے خاص بندے وقت اخیر میں نوازے جاتے ہیں۔

یکشنبہ کا دن ظہر کا وقت ہو چکا تھا، مولانا نماز کی تیاری کے لئے بے قرار تھے، طہارت میں شبہہ تھا کپڑے بدلے گئے، مگر ضعف و ناطاقتی اس حد تک تھی کہ نماز شروع کرنے کی ہمت نہ ہوئی درد کی بے قراری تھی تیماردار گھبرائے ہوئے تھے، مسجد میں نماز دو بجے تھی، مولانا کا حال دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ یہیں رہیں بعد میں اپنی جماعت سے نماز پڑھ لیں گے، مولانا عبدالباسط صاحب نے کہا کہ ابا کو نماز کا بہت اہتمام ہے، نماز مسجد میں چل کر پڑھ لی جائے، مولانا نے ایک بج کر پچیس منٹ پر ہاتھ کا اشارہ فرمایا کہ مسجد جاؤ، چنانچہ سب لوگ مسجد چلے گئے، اسی وقت کسی نے کلمہ کی تلقین کی، آپ نے آہستہ سے فرمایا پڑھ چکا ہوں۔

صاحبزادگان مولانا ابوعبیدہ صاحب، مولانا عبدالباسط صاحب جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھ کر فوراً آ گئے، اس وقت نزع کی کیفیت میں تھے، تھوڑی دیر بعد روح قفس عنصری سے آزاد ہو کر بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اللہ والوں کے دم اخیر کے حالات کتابوں میں پڑھے تھے، حضرت خواجہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کے وفات کے وقت کے حالات ان کے ایک مرید وخلیفہ نے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین صاحب دہلوی، دم اخیر میں بار بار نماز کا تقاضا کرتے تھے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بھوپالی کی عجیب وغریب کیفیت کا بیان ان کے ملفوظات کے مجموعہ کے مقدمہ میں ذکر کیا گیا ہے، یہ اور اس کے علاوہ بہت کچھ کتابوں میں پڑھا گیا ہے۔

مولانا کے احوال نے ان سب حالات کا مشاہدہ کرا دیا، حق تعالی ان سے راضی ہوں، اور وہ اللہ سے راضی ہوں، اور ہم پس ماندگان کو ایمان اور خوف ورجاء کے احوال میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں۔

ایک عظیم مربی، ایک مشفق استاد
چند نقوش وتأثرات

مولانا محمد معاویہ سعدی، استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اس دور قحط الرجال میں ''رجالِ کار'' میں سے ہی کسی کا اٹھ جانا اہل اسلام کے لیے ایک المیہ، اور مسلمانوں کے لیے ناقابلِ تلافی نقصان ہے، نہ یہ کہ ''رجال ساز'' افراد میں سے کسی کے فراق کا غم امت کو جھیلنا پڑے اور اس کی مفارقت کے صدمہ سے ملت کو دوچار ہونا پڑے، گذشتہ ۱۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸؍اپریل ۲۰۱۳ء بروز یکشنبہ دوپہر سوا دو بجے کے قریب، العالم الربانی، المحدث المحقق، مخدومنا وشیخنا، فضیلۃ الاستاذ حضرت مولانا زین العابدین صاحب نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کی وفات حسرت آیات سے علمی دنیا، بالخصوص حدیث شریف کے میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ کچھ اسی نوعیت کا ہے۔

حضرت الاستاذ (جن کو ہم طلبۂ تخصص فی الحدیث ''بڑے مولانا'' کہا کرتے تھے، آپ) کی ذات گرامی میں قسّامِ ازل نے علمی گہرائی وگیرائی، عملی استقامت وپختگی، فکری صلابت وسلامتی اور اخلاقی حسن وعمدگی کے ساتھ ساتھ جو سب سے خاص بات ودیعت فرمائی تھی، وہ آپ کا تعلیمی وتربیتی کمال اور مردم سازی کا جوہر گراں مایہ تھا، ویسے تو آپ استاذ بھی تھے مدرس بھی، قاری بھی تھے مجوِّد بھی، محقق بھی تھے محدث بھی، مصنف بھی تھے مؤلف بھی، شیخِ طریقت بھی تھے پیرومرشد بھی، مگر بڑی بات یہ تھی کہ آپ اعلیٰ درجہ کے معلم اور انتہائی باکمال مربی تھے۔

آپ کے حالاتِ زندگی تو آپ کے وارثین لکھیں گے، سوانح حیات آپ کے

مقربین مرتب کریں گے، بلکہ وہ کیا کریں گے آپ نے تو خود ہی اپنے قلم سے ''اپنی باتیں'' محفوظ ومرتب فرمادی ہیں، جو جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہیں، مجھے تو یہاں بس اپنے ان ''نقوش وتأثرات'' کو بیان کرنا ہے جو تقریباً تیرہ سالہ مصاحبت ومؤانست کی بنیاد پر حضرت کی تعلیم وتربیت، شفقت ومحبت، تواضع وفنائیت، سادگی وخوردنوازی، اور علمی فیاضی وعالی ظرفی کے تعلق سے، میرے قلب ودماغ پر ثبت اور شعور واحساس پر مستولی ہیں۔

احقر مشکاۃ شریف تک مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد شوال ۱۴۱۹ھ مطابق جنوری ۱۹۹۹ء میں، دورۂ حدیث شریف کی تعلیم کے لیے مظاہر علوم سہانپور حاضر ہوا تھا، یہاں کے شہرۂ آفاق شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف کے صدر نشین، حضرت مولانا زین العابدین صاحب کا نام نامی بہت کچھ گورینی ہی میں سن رکھا تھا، اس لیے یک گونہ عقیدت ومحبت بھی تھی، مگر اپنی کسی غرض کے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے شروع سال کی ایک ملاقات کے بعد ششماہی تک کسی دوسری ملاقات کی نوبت نہ آسکی تھی، مجھے اندازہ بھی نہ تھا کہ حضرت کو میرا نام یاد ہوگا، یا آپ مجھے پہچانتے ہوں گے، امتحانِ ششماہی کے بعد ایک روز (ہمارے تایازاد بھائی اور بہنوئی) برادرِگرامی جناب مفتی مجد القدوس خبیب رومی صاحب زیدمجدہ نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا تشریف لائے تھے اور فرمایا کہ معاویہ کا ترمذی شریف کا پرچہ میں نے دیکھا ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ان کو تخصص فی الحدیث کرادیں، مجھے حیرت ہوئی کہ مولانا میرے نام سے واقف کیسے ہیں، یا میرا نام آپ کو یاد کیسے رہ گیا، اور وہ بھی رشتہ اور تعارف کے استحضار کے ساتھ!

اسی درمیان ایک دن مسجد میں از خود مجھے روکا، اور فرمایا کہ میں تمہارے بھائی کے پاس گیا تھا اور ان سے یہ بات ہوئی ہے، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا حضرت! میں حضرت الاستاذ مفتی محمد حنیف صاحب مدظلہم سے وعدہ کرکے آیا ہوں کہ دورہ کرنے کے بعد آپ ہی کے پاس آکر افتاء کروں گا، مولانا نے فرمایا: اپنے گھر والوں سے مشورہ کرلو، اور کچھ دن میرے پاس رہ جاؤ، آخر کافی کشمکش کے بعد یہ طے ہوا کہ بغیر داخلہ لیے، ایک

سال مولانا کی خدمت میں رہنا ہے، حضرت بخوشی اس پر راضی ہو گئے، اور حسبِ تجویز میں آئندہ سال شوال ۱۴۲۰ھ میں تخصص فی الحدیث الشریف کی سال اول کی جماعت میں ''سماعت'' کے عنوان سے شامل ہو گیا (اور بعد میں حضرت الاستاذ کی خصوصی سفارش، حضرت صدر المدرسین صاحب کی تایید، اور حضرت ناظم صاحب کی منظوری سے باضابطہ داخل ہو گیا، **فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء**)۔

وہ دن اور مولانا کی وفات کا دن، میرے دوسرے سارے ارادے فنا ہو گئے، میرے اپنے سارے عزائم ٹوٹ گئے، اور اللہ رب العزت نے محض اپنی رحمت اور فضل وکرم سے حضرت الاستاذ کی سعی وکوشش کے طفیل تخصص فی الحدیث الشریف سے ایسا وابستہ فرمایا کہ ۱۴۲۰ھ سے آج ۱۴۳۴ھ تک الحمد للہ ثم الحمد للہ کسی نہ کسی طرح اسی شعبہ سے تعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی میں نہیں ہوں، مجھے اپنی صلاحیت اور حقیقت کا اندازہ دوسروں سے کہیں زیادہ ہے، مجھے تو اپنے اس واقعہ کے بیان کے ذریعہ صرف حضرت الاستاذ کی علمی فیاضی اور ذرہ نوازی کا نمونہ پیش کرنا تھا کہ کیسے حضرت کو ایک بے مایہ وہیچ مداں کے اوپر توجہ ہوئی، اور کیسے حضرت نے اپنے اصول وضوابط تک کو نظر انداز کر کے، کسبِ فیض کا موقع دیا، اور سچی بات یہ ہے کہ میرے جیسے نامعلوم کتنے لوگ ہیں جن کو حضرت الاستاذ نے اسی طرح اپنے سے لگایا، ان کی علمی وعملی تربیت فرمائی اور پھر آخر آخر تک پوری طرح سے ان کی علمی وتعلیمی سرپرستی فرمائی۔

میں ایک مرتبہ مظاہر علوم ہی کے قدیم فیض یافتہ ایک بزرگ کی خدمت میں گیا، انھوں نے مجھ سے پوچھا: کیا کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث الشریف میں ہوں، فرمانے لگے، بھائی ہمارے زمانہ میں تو کوئی ''تخصص وخصص'' تھا نہیں، ہم لوگ ایسے ہی اپنے اساتذہ سے سیکھ لیتے تھے، میں نے عرض کیا: حضرت پہلے بھی یہ رواج رہا ہے کہ فراغت کے بعد طلبہ کو جس فن سے مناسبت ہوتی تھی، اس فن کے ماہر کے پاس رہ کر خاص خاص فن میں کمال پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اب

انفرادی طور پر یہ سلسلہ مشکل ہوگیا ہے، اس لیے اہل مدارس نے باضابطہ اس کی سہولت کا انتظام کردیا ہے کہ ایک ماہر فن کو بٹھادیا ہے، اب جس کو اس کی صحبت وملازمت اختیار کرنی ہو مدرسہ کے ضابطہ کے تحت یہ فیض حاصل کرلے، وہ بزرگ میرے اس جواب سے بہت مطمئن اور مسرور ہوئے اور فرمایا کہ ہاں اگر یہ مقصد ہوتو بہت بہتر ہے۔

بہرکیف! میں نے ''تخصص فی الحدیث'' میں پہنچ کر، واقعہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کسی کے علمی وعملی کمالات کا اتنی قریب سے اندازہ اور مشاہدہ کیا۔

(۱) یہاں سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ ''تخصص'' کے عنوان کے تحت ہم اعلی درجہ کے علمی کمالات کے باوصف، ایک انتہائی صاحبِ معمولات بزرگ کی خدمت میں پہنچ گئے، جنھوں نے ۱۳۷۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت مدنی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ بلیاوی اور حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری رحمہم اللہ تعالیٰ جیسی نادرۂ روزگار شخصیات سے علوم ظاہرہ کی تحصیل کی تھی، اور اس زمانہ میں دورۂ حدیث شریف میں ایک سو ایک فیصد کے امتیازی اوسط سے کامیابی حاصل کی تھی، پھر علوم باطنہ میں، حضرت مدنی، آپ کی وفات کے بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب، اور آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی رحمہم اللہ تعالیٰ سے اکتسابِ فیض کیا تھا۔

اسی لیے آپ معمولات کے بہت پختہ اور پابند تھے، اوران میں تخلّف آپ کو ذرا بھی گوارانہ تھا، تہجد کا خاص اہتمام تھا، تہجد کے بعد فجر تک تلاوت کا معمول تھا، فجر کی نماز اور دیگر نمازیں بھی (زیادہ تر، مسجد بہادُران میں) اول وقت ہی پڑھتے تھے، فجر بعد حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ''کچے گھر'' میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے حلقۂ ذکر میں تشریف لے جاتے، پہلے گھنٹہ میں اس وقت ''ہدایہ ثالث'' کا سبق تھا، جو بعد میں تیسرے گھنٹہ کے ''سننِ ابن ماجہ'' کے سبق سے بدل گیا تھا، پہلے گھنٹہ کے سبق کے بعد دوسرا گھنٹہ خالی تھا، جس میں ناشتہ کا معمول تھا، تیسرے اور چوتھے گھنٹہ میں تخصص والوں کو سبق پڑھاتے، چھٹی کے بعد گھر جاکر ایک گھنٹہ کے قریب تعویذ وغیرہ کا کام کرتے، پھر اول وقت

کی ظہر پڑھ کر کھانا کھاتے اور مدرسہ کے وقت تک آرام کرتے۔

اس کے بعد شام کے پہلے گھنٹہ میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی صاحبؒ کی ''امدادالباری'' کی تکمیل کا کام کرتے، پھر دوسرے گھنٹہ میں تخصص کا ایک اورسبق پڑھاتے، عصر بعد گھر پر مجلس ہوتی، جس میں موقع موقع سے اردو، فارسی اور عربی کے اشعار، ضرب الامثال اوردلچسپ لطائف کے ذریعہ ایک خاص لطف ونشاط پیدا فرمادیتے، مغرب کی نماز اور معمولات سے فارغ ہوکر تخصص کی درسگاہ میں تشریف لاتے اور انتہائی یکسوئی کے ساتھ مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، پھر اول وقت کی عشاء پڑھ کر کھانا تناول فرماتے، کچھ ضروری کام باقی رہ جاتا وہ پورا کرتے، مطالعہ ادھورا رہ جاتا اس کی تکمیل فرماتے، کوئی آجاتا اس سے ملاقات کرتے، گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد یہ مجلس برخاست ہوتی اور حضرت الاستاذ اپنی چٹائی پر پڑے ہوئے معمولی سے بستر پر آرام فرمانے کے لیے لیٹ جاتے، اپنے کام خود سے کرنے کی عادت تھی جو آخر عمر تک برقرار رہی۔

آپ کے معمولات میں قوانینِ مدرسہ کی پاسداری کو خاص مقام حاصل تھا، خود بھی اس کا اہتمام فرماتے اور اپنے متعلقین کو بھی تاکید فرماتے، مدرسہ کی تعطیلات کا خیال رکھتے، وقت پر مدرسہ آتے، اور چھٹی کے بعد ہی جاتے، کبھی کوئی عذر پیش آجاتا تو حضرت ناظم صاحب کو براہِ راست اطلاع فرماتے، آپ کے اس معمول اور وصف کی تعریف حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے مجھ سے ذاتی طور پر بھی کی، اور اساتذہ کے اجتماع میں سب کے سامنے بھی کی۔

(۲) یہاں پہنچ کر ایک چیز یہ دیکھنے کو ملی کہ حضرت الاستاذ کے یہاں شعبہ کے لیے انتخاب میں حسنِ استعداد سے زیادہ فکری سلامتی کو ترجیح حاصل ہے، استعداد کی کمی کی تلافی تو حضرت اپنی تعلیم وتربیت، حوصلہ افزائی اور سرپرستی سے کردیتے تھے، ہم نے پوری ''جمع الفوائد'' حضرت ہی سے پڑھی، اس کے علاوہ بھی اصولِ حدیث، عللِ حدیث اور رجال حدیث کی کئی کتابیں پڑھیں، مولانا کا سبق انتہائی سادہ ہوتا تھا، نہ کوئی تقریر، نہ کوئی دعوی

وتعلّی، نہ کسی کی تضحیک وتذلیل ہوتی تھی، نہ تحقیر وتوہین، بلکہ ضیوف الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (مہمانانِ رسول) کے ساتھ ''مرحباً بوصیۃ رسول اللہ ﷺ'' کا معاملہ ہوتا، عبارت شروع ہوتی تھی، اگر کوئی نحوی صرفی یا لغوی غلطی ہوتی تو نہایت پرلطف انداز میں اس پر تنبیہ فرماتے۔

(۳) حضرت الاستاذ کے یہاں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آپ طلبہ کے درمیان استاذ سے زیادہ طالب علم بن کر رہتے تھے، اور کمزور سے کمزور لڑکے کو بھی جھڑکنے اور ڈپٹنے کے بجائے، اس کی پوری حوصلہ افزائی فرماتے، اپنے تلامذہ پر پوری نظر رکھتے، اور ہر ایک کے مناسبِ ذوق اور حسبِ صلاحیت اس سے کام لیتے، مجھے، مولانا خالد سعید صاحب کو اور مفتی بشیر احمد صاحب کو ماہنامہ ''مظاہر علوم'' کے لیے مضمون نگاری کی طرف آپ ہی نے متوجہ فرمایا، اور ابتدائی مضامین اپنی زیر نگرانی لکھوائے۔

(۴) مولانا کے سبق میں طلبہ پر نرمی اور شفقت کا پہلو نمایاں رہتا تھا، ہمت افزاء کلمات اور حوصلہ کن انداز رہتا اور عموماً ایسا جملہ کہتے جس سے کلمہ کی اصل اور ضابطے کی طرف توجہ ہوجاتی، ایک مرتبہ میں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والوں کے تذکرہ میں ''مَسلَمۃ الفتح''، میم اور لام کے فتحہ کیساتھ پڑھا تو فرمایا: ہم تو یہ جانتے تھے کہ اسم فاعل مذکر کی جمع کبھی واحد مؤنث کے وزن پر آتی ہے (یعنی: ''مُسلِمۃ الفتح'' ہونا چاہئے تھا)، اب آپ نے کس قاعدے کے تحت پڑھا ہے ہم کو نہیں معلوم؟ ایسے ہی ایک مرتبہ ''شہر'' (بمعنی: مہینہ) کی جمع کسی عبارت میں آئی، قاری نے اس کو ''أشہَر''، بفتح الہاء پڑھ دیا، فرمایا کہ آپ نے ''اشہَر'' پڑھا ہے وہ بھی غلط نہیں ہے، مگر اس کے معنی ''زیادہ مشہور'' کے ہیں، اور یہاں یہ ''مہینوں'' کے معنی میں ہے، اس لیے ''أشہُر''، بضم الہاء ہونا چاہئے۔

(۵) مولانا کا ایک خاص تربیتی انداز یہ تھا کہ اگر طالب علم کوئی باریک اور دقیق غلطی کرتا تو آپ بجائے اس کو ٹوکنے کے فرماتے: ذرا اس کو فلاں کتاب میں دیکھو، کیا لکھا ہے، کبھی فرماتے: اس کی تحقیق کرنی چاہئے، حالانکہ مولانا کو اس کی پوری تحقیق متحضر ہوتی تھی، مگر طلبہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ تحقیق وجستجو کا مزاج بنانے کے لیے یہ طرز

اختیار فرماتے، اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ متعلقہ کتابوں اور مصادر سے طالب علم کو مناسبت ہوجاتی۔

(۶) طبیعت میں اتقان اور استعداد میں پختگی بہت تھی، اس لیے کسی کمزور حوالہ سے مطمئن نہیں ہوتے تھے، البتہ اکابر کے ادب کا پہلو بہت غالب تھا، اس لیے بارہا دیکھا کہ کمزور بات پر جب تک کسی بڑے ہی کے حوالہ سے تردید نہ مل جائے، اس کی تغلیط نہیں فرماتے تھے، اور اس معاملہ میں آپ کا مسلک کافی حد تک حضرت شیخ الحدیثؒ صاحب والا تھا کہ ''بزرگوں کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے''۔

(۷) اسی تأدب اور حسن ظن ہی کا ایک اثر یہ تھا کہ ''اختلافِ ائمہ'' کے بیان میں بہت محتاط تعبیر اختیار فرماتے تھے، اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جن ائمۂ جرح وتعدیل نے اکابر احناف کے اوپر جرح فرمائی ہے، وہ اگرچہ بے جا اور ناقابلِ اعتماد ہے، مگر اس کی وجہ سے ان جرح کرنے والوں کے مقام ومرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیوں کہ وہ اہل اجتہاد تھے، لہٰذا ایک اجر کے بہرحال مستحق ہیں۔

(۸) مولانا کا حافظہ بڑے غضب کا تھا، جس کے مظاہر سبق میں تو پیش آتے ہی رہتے تھے، سبق کے باہر بھی آخر آخر تک آپ کا یہ حال تھا کہ جس سے ایک مرتبہ مل لیتے، جس کو ایک بار دیکھ لیتے، بھولنے کا سوال ہی نہ تھا، میں شروع میں اس کو اپنی خصوصیت سمجھا تھا، معلوم ہوا کہ یہ میرا نہیں مولانا کا کمال تھا، مجھ جیسے نہ معلوم کتنے لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اور یہ سب کچھ اس وقت تھا جب مولانا بکثرت فرماتے رہتے تھے کہ اب میرا حافظہ کمزور ہوگیا ہے، مجھے محدثین کی اصطلاح میں ''اختلاط'' ہوگیا ہے!

(۹) مولانا نے قدیم درسِ نظامی کے مطابق ہر فن کی کتابیں پڑھیں، اکثر فنون کے پڑھانے کا بھی اتفاق ہوا، مولانا کی فطری صلاحیت واستعداد، قوتِ حفظ اور اہلِ کمال سے استفادہ کے مواقع نے اس میں ایسی پختگی پیدا کردی تھی کہ اس وقت آپ کا شمار قدیم طرز تعلیم وتدریس کے منتخب افراد میں ہوتا تھا، فقہ وتصوف اور تفسیر وحدیث جیسے علوم عالیہ میں

کمال سے تو آپ کی شہرت ہی تھی، ساتھ ہی ساتھ صرف ونحو، بلاغت ومعانی، شعر وادب، منطق وفلسفہ، ہیئت وریاضی، فلکیات و ہندسہ وغیرہ علوم آلیہ سے بھی آپ کو کافی مناسبت اور بعض میں خاصا کمال حاصل تھا، مظاہر علوم جیسے ادارہ میں علومِ نقلیہ وعقلیہ میں رسوخ اور جامعیت کے لحاظ سے آپ کو منفرد مقام ومرتبہ حاصل تھا، گجرات کے کسی عالم نے غالبًا فلکیات کے موضوع پر کوئی کتاب لکھی تھی، آپ کے پاس ملاحظہ کے لیے آئی، آپ نے پوری تنقیدی نظر فرمائی اور پھر تقریظ ومقدمہ تحریر فرمایا۔

کئی مساجد کے قبلہ کی تعیین اور تصحیح بھی آپ نے کرائی، فن طب سے بھی آپ کو اچھی مناسبت تھی، اور بہت سی جڑی بوٹیوں کی پہچان اور ان کے خواص کی معرفت آپ کو حاصل تھی، بلکہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد، بعض اہل تعلق کا مشورہ آپ کو طب ہی پڑھانے کا تھا، مگر والد گرامی (جو حضرت تھانویؒ کے ارادتمندوں میں تھے) انھوں نے فرمایا کہ اپنے بچے کو گھوڑے کی سواری (علم دین) کے بعد، گدھے کی سواری (دنیوی فن) نہیں کراؤں گا۔

(۱۰) مدرسہ میں تنہا آپ کا دروازہ تھا جو علمِ حدیث کے طالبین، علم فقہ کے دارسین صرف ونحو کے شائقین اور دیگر علوم وفنون کے طلبہ ومدرسین کے لیے ہمہ وقت کھلا رہتا تھا، مدرسہ کے کئی اساتذہ اپنی علمی گتھیاں سلجھانے کے لیے آپ ہی سے رجوع کرتے تھے، بعض اساتذہ کے متعلق ایسی کتابوں کی تدریس ہوگئی جو انھوں نے پڑھی ہی نہیں تھیں، مولانا سے ذکر کیا، آپ نے فرمایا کہ: چلو تم نے نہیں پڑھی ہے، میں نے تو پڑھی ہے، پھر آپ ہی کی رہنمائی میں ان حضرات نے اپنی کتابیں پڑھائیں، احقر نے ایک فارسی کتاب کا ترجمہ کیا تھا، اصلا تو اپنے ایک عزیز (مفتی مظفرالاسلام صاحب تھانوی) سے حل کرتا تھا، مگر مشکل مقامات میں مولانا ہی سے رجوع کرتا تھا، آپ کی وفات پر اپنے تعزیتی بیان میں مولانا ارشد معروفی نے یہی بات کہی کہ مسئلہ طلبہ کا نہیں ہے کہ اب ان کی مشکلات کون حل کرے گا، ان کے لیے تو الحمدللہ ہم لوگ موجود ہی ہیں، اصل مسئلہ اب ہم لوگوں کا ہے کہ ہماری گتھیاں

کون سلجھائے گا؟

(۱۱) عام طور سے علمِ حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کو شعر وادب سے مناسبت نہیں ہوتی، مگر مولانا کو شعر وادب کا بڑا اچھا ذوق حاصل تھا، اردو، فارسی اور عربی کے سیکڑوں اشعار آپ کو محفوظ تھے، آپ موقعہ موقعہ سے انہیں پڑھا کرتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کے درس کا لطف اور علمی مجالس کی قدر وقیمت بہت بڑھ جاتی تھی، مجھے یاد ہے کہ ہمارے تخصص کے سال دوم میں مدینہ منورہ سے ایک شامی حلبی عالم شیخ صفوان بن عدنان الداودی تشریف لائے تھے، جو کئی کتابوں کے مصنف اور بڑے ہی جید الاستعداد عالم ہونے کے باوجود صحیح معنی میں ''طالب العلم'' تھے، آپ نے مظاہر علوم میں سترہ روز قیام کر کے مختلف اساتذۂ حدیث سے حدیث کی متعدد کتابیں پڑھی تھیں، ہمارے مولانا سے آپ نے شمائل ترمذی پڑھی تھی، دو ہی چار دن کے بعد مجھ سے فرمانے لگے: ''الشیخ زین العابدین رجل ملیءٌ'' (مولانا زین العابدین صاحب کے یہاں گہرائی اور جامعیت ہے)، مظاہر علوم کے امین عام مولانا محمد شاہد صاحب زید مجدہٗ نے اپنے کسی مضمون میں آپ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا کی خصوصیت اور پہچان سادگی اور رسوخ فی العلم ہے۔

(۱۲) فن ''اسماء الرجال'' حدیث شریف کا ایک ذیلی فن ہے، مگر اس کو علماء نے اس امت کی خصوصیات میں شمار فرمایا ہے، جس کے تحت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لے کر اب تک کے ہزاروں (یا شاید لاکھوں) افراد کے حالات زندگی کا اجمالی تعارف ہو جاتا ہے، اس کی افادیت کا ایک بہت مشہور واقعہ مؤرخ بغداد حافظ حدیث خطیب بغدادیؒ کے ساتھ پیش آیا، آپ کے زمانہ میں یہودیوں نے خیبر سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایک (جعلی) معاہدہ نامہ حاکم وقت کے سامنے پیش کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا، اس کی رو سے ہمارا یہ حق بنتا ہے، لہٰذا ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا جانا چاہئے، اس معاہدہ پر گواہوں کی جگہ پر حضرت سعد بن عُبادۃ انصاری اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے دستخط تھے، اس جعلی دستاویز کے جعل کو ثابت کرنے

کے لیے حاکم نے معاملہ علماء کے سامنے رکھا، امام حدیث حضرت خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ حضرت سعد ابن عبادہ کی وفات فتح خیبر سے پہلے کی ہے، اور حضرت امیر معاویہ کا اسلام فتح خیبر کے بعد کا ہے، اس لیے اس موقع پر ان دونوں کی شہادت کے کوئی معنی ہی نہیں!

ہمارے اکابر دیوبند ودہلی نے بھی اس فن کی طرف توجہ مبذول رکھی، اور اپنی حدیثی خدمات میں اس کا کافی استعمال کیا، مگر اب اس دور میں یہ فن ہندوستان سے اٹھتا جارہا تھا، اور خال خال حضرات ہی کو اس سے دلچسپی اور شغف رہ گیا تھا، ہمارے حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ نے کم از کم ہندوستان کی حد تک اس فن کی تجدید کا کام کیا، اور مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث میں بیٹھ کر بفضلہٖ تعالیٰ آپ نے بیسیوں ایسے فضلاء تیار کردیئے جو الحمدللہ اس فن سے اچھی مناسبت اور اشتغال رکھتے ہیں، اور کئی علمی وتحقیقی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے تخصص فی الحدیث کے استاذ حضرت مولانا عبداللہ معروفی صاحب مدظلہ، مظاہر علوم کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے اساتذۂ کرام: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ، مولانا عبدالعظیم صاحب بلیاوی ثم دہلوی، مولانا خالدسعید صاحب مبارکپوری، شعبۂ تحقیق کے رفیق مولانا محمد طارق صاحب سہارنپوری، مرادآباد سے شائع ہونے والی شرح بخاری کے محقق مولانا خورشید عالم صاحب مووی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب مظاہری ندوی کے معتمد خاص اور تحقیقی کاموں میں آپ کے دست راس مولانا شمس الرحمٰن صاحب مووی وغیرہم، حضرت الاستاذ ہی کے فیض تربیت کے مظاہر اور پرتو ہیں، اوران کے علاوہ گجرات، بمبئی، بنگال، سری لنکا، انگلینڈ، افریقہ اور امریکہ وغیرہ میں بھی آپ کے تخصص کے تلامذہ کی اچھی خاصی تعداد علمی خدمات میں مصروف ہے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ میرے شاگردوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی طرح حدیث کی خدمت میں لگادیتے ہیں، فللہ الحمد۔

(۱۴) علمی کمالات کے ساتھ حضرت الاستاذ کے یہاں اعلی درجہ کا تدین اور فکری

تصلب بھی تھا، اور باتوں باتوں میں اس پہلو سے بھی تربیتی ارشادات فرماتے رہتے، ایک مرتبہ فرمایا: تہجد کی پابندی کیا کرو، اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ فجر کی نماز با جماعت کا اہتمام ہو جائے گا، کہ اگر کبھی تہجد میں آنکھ نہیں کھل سکی تو فجر تک تو کھل ہی جائے گی، ورنہ تو فجر بھی قضاء ہو جائے گی۔

آپ خود بہت سادہ اور متواضع تھے، اور اپنے متعلقین کے لیے بھی اسی کو پسند فرماتے تھے، مرض الوفات میں کئی مرتبہ فرمایا کہ ہمارا شعبہ (تخصص فی الحدیث) تواضع ہی سے کامیاب ہوا ہے، اور جب تک یہ چیز باقی رہے گی، ترقی ہوتی رہے گی، اسی لیے شعبہ کے طلبہ کا کسی ''انجمن'' میں حصہ لینا، شعبہ کی طرف سے کوئی دیواری پرچہ وغیرہ نکالنا، شعبہ سے متعلق خبروں کو اخبارات میں دینا، آپ کو سخت ناپسند تھا، آپ ان بزرگوں کی صف سے تعلق رکھتے تھے جو کارِ خیر، اور دینی کام اپنے کو ''بنانے'' اور اللہ سے اپنے تعلق کو سنوارنے کے لیے کرتے تھے، اسی لیے ایسے لوگ بہت کچھ کرنے کے بھی ''چھپنا'' پسند کرتے تھے، آپ ان اہلِ ظاہر میں سے نہیں تھے جو اچھے کام تو کرتے ہیں، مگر اپنی آخرت بنانے کے لیے نہیں، بلکہ اہلِ دنیا کو ''بتانے'' کے لیے، اسی لیے بزرگوں کے مقابلہ میں کچھ نہ کر کے بھی وہ ''چھپنے'' کے بجائے ''چھپنا'' پسند کرتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بزرگوں کی مخلصانہ اقتداء اور اتباع نصیب فرمائیں، اور ان ہی کے زمرہ میں حشر فرمائیں، آمین۔

(۱۴) فکری پختگی ہی کا اثر تھا کہ سبق کے دوران کسی مناسبت سے اہلِ تجدد کا ذکر آجاتا تو ان کی بنیادی خرابیوں پر ضرورت تنبیہ فرماتے، خصوصاً حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر تنقید کرنے والوں کی تو اچھی طرح خبر لیتے، اور بعض ایسی جماعتوں اور اداروں کا ذکر فرماتے جن کے خمیر میں یہ خرابی موجود ہے۔

(۱۵) جمعیۃ العلماء سے فکری وعملی وابستگی رکھتے تھے، مگر اپنے علمی مذاق ومزاج کی وجہ سے ''جمعیۃ'' کے جن فیصلوں سے آپ کو اتفاق نہ ہوتا تو مناسب پیرایہ میں اس کا اظہار بھی فرما دیتے، ''امیر الہند'' کا مسئلہ ''جمعیۃ'' کے تاریخی فیصلوں میں سے ہے، اس کے پہلے

امیر الہند آپ کے استاذ گرامی محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نور اللہ مرقدہ منتخب ہوئے تھے، ''امیر الہند'' کے حدود واختیارات سے متعلق جمعیۃ کے اعلان سے آپ کو اطمینان نہیں ہوا، آپ حضرت الاستاذ کی خدمت میں گئے اور اپنے اشکالات پیش کئے، حضرت الاستاذ پوری طرح سے منشرح ہوئے، ہندوستان کے دوسرے اہل علم نے بھی شرعی اصولوں کی روشنی میں اس فیصلہ کو نا قابل قبول قرار دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنی پڑی اور شرعی اصول کی رعایت کے ساتھ، ''امیر الہند'' کے عہدہ کی حیثیت متعین کی گئی۔

(۱۶) بچپن سے اصول ومعمول کی پابندی اور محنت ومشقت کی عادت کی وجہ سے آپ کی صحت بہت اچھی تھی، جسم ہلکا پھلکا ہونے کے باوجود قویٰ بہت مضبوط تھے، دل ودماغ کی کیفیت تو آخری سانس تک ہم جیسوں کے لیے قابل رشک رہی، بیاسی ترا سی سال کی عمر میں ہر طرح کا کھانا بے تکلف کھالیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے آپ کی دعوت کی، اور آپ کے ساتھ کسی رفیق کو بھی مدعو کیا، انھوں نے اپنی صحت اور کیفیت کے پیش نظر کھانے میں کچھ پرہیز وغیرہ بتانا شروع کیا، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ بھائی! دعوت کے وقت داعی کے کچھ ارمان اور جذبات ہوتے ہیں، اتنی پابندی لگاؤ گے تو پھر ان کا مزا کرکرا ہوجائے گا، پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ میرے لیے جو چاہنا پکانا، ان شاء اللہ سب کھالوں گا۔

مرض الوفات:

۱۴۳۳ھ کی بقرعید کے بعد جب مدرسہ کھلا، اور حضرت الاستاذ گھر سے سہارنپور تشریف لے آئے، تو میں نے حاضر خدمت ہوکر قربانی کا گوشت پیش کیا، حضرت نے یہ کہتے ہوئے قبول فرمایا کہ میں بوٹی تو کھا نہیں پاؤں گا، شوربا پی لوں گا، پھر میرے تعجب کو دور کرتے ہوئے فرمایا کہ ادھر کچھ دنوں سے مجھے ثقیل چیزیں نگلنے میں دشواری محسوس ہورہی ہے، اندر جاکر وہ اٹکنے لگتی ہے، اور بعض مرتبہ حلق ہی سے واپس آجاتی ہے، ابھی مرزاپور (ضلع) میں ڈاکٹر توحید صاحب کو دکھا کر آیا ہوں، ان کا علاج چل رہا ہے، حضرت کی اس

بات پر مجھے بہت حیرت ہوئی، اس لیے کہ حضرت کے سارے معمولات پوری طرح جاری تھے اور چہرہ پر کسی مشکل حالات کے آثار محسوس نہیں ہوتے تھے، اسی لیے میں نے اس کو وقتی عارضہ سمجھا اور پھر کئی روز تک باقاعدہ خیر خیریت دریافت کرنے کا اتفاق نہیں ہوسکا۔

پھر ایک دن آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالباسط صاحب زید مجدہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بیماری سے متعلق جو تفصیلات بتائیں وہ انتہائی تشویش ناک تھیں، پھر کچھ اور قریبی حضرات سے بھی باتیں معلوم ہوئیں جس سے مرض کی نوعیت کا کچھ اندازہ ہوا، اس کے بعد ماہ ربیع الاول میں ہونے والی مجلس شوری کے موقع پر حاجی عبدالخالق صاحب کے اصرار پر آپ بمبئی تشریف لے گئے، اس وقت تک سترہ دن ایسے گذر چکے تھے کہ آپ کے پیٹ میں کوئی سیال چیز بھی نہیں جاسکی تھی، مگر وارہ رے عزیمت واستقامت کہ مسجد بہادراں میں اول وقت کی نمازیں، زکریا منزل میں تخصص کے اسباق، دارِ جدید میں ابن ماجہ کے درس کے سارے معمولات پوری طرح سے انجام پارہے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ اپنے کام ازخود کرنے کی دیرینہ عادت اب بھی نباہ رہے تھے، تخصص کے طلبہ نے بتایا کہ مطالعہ کے دوران کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو اس کے لیے حضرت خود اٹھتے، ہم نے عرض کیا کہ ہم سے فرمادیا کریں تو فرمایا کہ تم لوگ حدیث پاک کے مطالعہ میں لگے رہتے ہو، مجھے خلل ڈالتے ہوئے اچھا نہیں لگتا، فللہ درُّہ ، کم أتعَبَ مَن بعدہ!!

بمبئی میں ڈاکٹروں نے مختلف ٹیسٹ اور چیک اپ کے بعد یہ رائے رکھی کہ عمر کے اس مرحلہ اور مرض کی اس کیفیت میں ''آپریشن'' تو ہو نہیں سکتا، البتہ معدہ کے اندر غذا پہنچانے کی یہ صورت ہے کہ پیٹ کا آپریشن کرکے ایک نلکی لگادی جائے، جس سے غذا اندر چلی جایا کرے گی، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین نے مجھے بیاسی سال کی عمر تک مسلسل ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا، اور خوب سے خوب تر کھلایا، اب اگر اس کا فیصلہ ہے کہ میں کچھ کھاپی نہ سکوں تو میں اس کے اس فیصلہ پر راضی ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ میرے معدے کے جس زخم کو اللہ نے ستاری کا معاملہ فرماتے ہوئے لوگوں کی نظروں سے

چھپا رکھا ہے، میں اپنے اختیار سے اس کو ان کے سامنے ظاہر کر دوں۔

پھر فرمایا کہ شریعت کا حکم سمجھ کر بطور تدبیر کے کھانے والی دواؤں اور گلوکوز وغیرہ کا علاج کروں گا، چنانچہ اصلاً یونانی، ضمناً ہومیو پیتھک اور کچھ ہلکا پھلکا ایلو پیتھک علاج شروع ہوا، اور اللہ کی شان اکیس دن کے بعد اچانک معدہ نے کچھ ہلکی اور سیال چیزیں قبول کرنی شروع کر دیں، اسی کیفیت میں حضرت بمبئی سے واپس تشریف لے آئے۔

پھر حسبِ نظام وطن تشریف لے گئے، ایک ہفتہ کے بعد سہارنپور واپسی ہوئی، اور اپنے معمولات شروع فرمادیئے، مگر اس وقت تک نقاہت بہت بڑھ چکی تھی، خود سے اٹھنا چلنا دشوار ہو گیا تھا، آواز میں غیر معمولی ضعف آ گیا تھا، اس لیے تقریباً ایک مہینہ کے بھرپور مجاہدہ اور بے مثال ہمت واستقامت کے ساتھ اپنے معمولات کافی حد تک نبھانے کے بعد آپ نے وطن جا کر آرام کرنے، اور وہیں رہ کر علاج کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی روز اول ہی سے حضرت کے علاج ومعالجہ اور انتظام سفر وغیرہ کی طرف پوری فکر اور توجہ فرما رہے تھے، اس موقع پر آپ نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ یہیں قیام فرمائیں اور اربابِ مدرسہ کو خدمت وتیمارداری کا موقع عنایت فرمائیں، مگر حضرت الاستاذ نے اپنی مصالح کے پیشِ نظر فی الحال وطن کے قیام ہی کو ترجیح دی، حضرت ناظم صاحب نے آپ کے استعفیٰ کو قبول نہ فرما کر رخصت بیماری منظور فرمائی اور آپ مدرسہ مظاہر علوم کے اٹھارہ سالہ قیام کے بعد سیکڑوں طلبہ، اساتذہ اور محبین ومعتقدین کے ہجوم سے ملاقات کرتے ہوئے آخری مرتبہ یہاں سے رخصت ہوئے۔

جاتے ہوئے مجھے مخاطب کر کے نصیحت فرمائی کہ کسی بھی کتاب کو آسان اور ہلکی سمجھ کر مت پڑھانا، ورنہ آزمائش میں پڑ جاؤ گے، مشکل سمجھ کر اللہ سے مدد مانگ کر پڑھاؤ گے تو کامیاب رہو گے، یہ بھی فرمایا کہ خود کو کسی کتاب یا عہدے کا مستحق مت سمجھنا، مدرسہ کی طرف سے جو تجویز ہو جائے اسی کو اپنے لیے باعث خیر اور سعادت سمجھنا۔

حضرت الاستاذ کی بیماری کے زمانہ کی کیفیات اور اس میں عزیمت و استقامت کے حالات سے ہر ایک متحیر ومتأثر تھا، میں نے حضرت الاستاذ مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ اور حضرت ناظم صاحب کو مولانا کے اوصاف وکمالات کا معترف اور خصوصاً بیماری کے زمانہ کے حالات پر مغتبط اور رشکیں پایا، مولانا کے جانے کے بعد میں نے ناظم صاحب سے عرض کیا کہ اس وقت تو مولانا کی عزیمت واستقامت کا حیرت ناک نمونہ سامنے آیا ہے، ناظم صاحب نے فرمایا کہ یہ اچانک نہیں ہوگیا، بلکہ مولانا نے پوری زندگی خود کو اصول وضوابط اور اوقات ومعمولات کا پابند رکھا اور اذکار واشغال کا عادی رکھا تو اس وقت ان سب چیزوں کی برکات اور روحانی ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، (واقعی بہت اہم اور قیمتی نکتہ بیان فرمایا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی یہ اوصاف عطا فرمادیں، آمین)۔

بہر حال آپ یہاں سے وطن تشریف لے گئے، وہاں جا کر بعض اہم گھریلو، خاندانی وملی اور اجتماعی مسائل کا حل فرمایا۔

جب میں ''تخصص'' میں پڑھنے آیا تھا جب سے حضرت الاستاذ میرے گھر (کیمپیر گنج، گورکھپور) جانے کی خواہش کا اظہار فرمارہے تھے، ایک دو موقعوں پر نظام بنا بھی مگر پورا نہ ہوسکا تھا، اب جب آپ ضعف ونقاہت سے مجبور ہو کر تقریباً صاحب فراش ہو چکے تھے، آپ نے شفقت ومحبت کی انتہاء کردی، ایک دن آپ کا فون آیا کہ اپنے بھائی مولوی حمزہ کا نمبر دو مجھے بات کرنی ہے، میں نے عرض کیا کہ میں بات کرا دیتا ہوں، میں نے فوراً ہی بھائی جی کو فون کیا، انھوں نے حضرت سے رابطہ کیا، حضرت نے فرمایا کہ تم سے ملاقات کا جی چاہتا ہے کیسے ہوگی؟ بھائی جی نے جو بھی جواب دیا ہو، ایک ہی دو روز کے بعد پھر آپ کا فون آیا کہ میں گورکھپور کے فلاں ہومیو پیتھک ڈاکٹر کو دکھانا چاہتا ہوں، اگر مولوی حمزہ وہاں آجائیں اور کچھ تعاون ہو جائے تو بہت اچھا ہے، میں نے درخواست کی: حضرت جب آپ اتنی دور تشریف لے جائیں گے تو کچھ دیر آرام اور قیام ہمارے یہاں بھی ہو جائے، حضرت کا تو بظاہر منشا ہی یہی تھا، فرمایا کہ مولوی حمزہ کو اطلاع کردو اگر موقع ہوگیا تو

چلے جائیں گے، میں نے بھائی جی سے بات کر کے نظام تجویز کرادیا، اور حضرت ضعف وکمزوری کے اس عالم میں علاج کے بہانے تقریباً دوسو کیلومیٹر کا سفر کر کے گورکھپور اور پھر وہاں سے کیمپیر گنج تشریف لے گئے، دوپہر سے شام تک کا قیام فرمایا، اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت مسرور ومنشرح واپس ہوئے۔

بھائی جی نے بتایا کہ ہم لوگ تو مولانا کی بزرگی اور کرامت کے قائل ہو گئے، کہ مولانا میرے کمرے میں آکر لیٹے،ضعف ایسا تھا کہ ہر لمحہ کسی بھی ناگہانی کا خطرہ تھا،مگر اس کیفیت میں بھی بڑے انشراح کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے، لیٹے ہی لیٹے دیواری الماریوں پر لگی کتابوں پر نظر ڈالی، اور فرمانا شروع کیا کہ اچھا اس کتاب کا تمہارے پاس یہ نسخہ ہے، میرے پاس یہ نسخہ ہے، فلاں کتاب کی تحقیق ایسی ہے فلاں کی ایسی ہے، شام تک کے قیام میں بہت ساری علمی اور قیمتی گفتگو فرمائی، اور فرمایا کہ یہاں طبیعت تو اتنی لگ رہی ہے کہ دو چار روز قیام کا جی چاہتا ہے، مگر رفقاء کے خیال سے کر نہیں سکتا۔

پھر آپ وطن پہنچے، وہاں معلوم ہوا کہ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ گردے کے علاج کے سلسلہ میں بمبئی جا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ بیمار ہیں، ان کو آنے میں زحمت ہوگی، مجھے ملنے جانا چاہئے، یہ کہہ کر تیمارداروں کی مخالفت کے باوجود اپنے عزم وارادہ سے شیخوپور تشریف لے گئے؛ اس حالت میں کہ گاڑی کے ہر جھٹکے پر رفقاء چونکتے تھے کہ کہیں مولانا کے تحمل سے باہر تو نہیں ہوگیا۔

شیخوپور سے واپسی کے بعد ضعف واضمحلال اپنی انتہاء کو پہنچ گیا، آواز بالکل دھیمی پڑ گئی، بستر پر کروٹ تک بدلنا مشکل ہوگیا، ہم لوگ عیادت کے لیے حاضری کا نظام بنا رہے تھے اور اس ہفتہ یا اس ہفتہ کے تردد میں تھے، صاحبزادۂ گرامی مولانا عبدالباسط صاحب کا فون آیا کہ اگر ملاقات کرنی ہو تو آپ لوگ ابھی آجائیں، سال کا آخر چل رہا تھا، اسباق پورے کرانے تھے، میں نے مولانا عبدالباسط صاحب سے کہا کہ ٹھیک ہے حاضر ہو رہے ہیں، مگر صرف ایک دن کے قیام کا موقع ہو سکے گا، حضرت الاستاذ کو یہ بات پہنچ گئی، آپ نے

فرمایا کہ کہدو: کہ تم لوگوں کے لیے میں نے بہت سارے دن اور بہت سی راتیں قربان کی ہیں، اگر میری وجہ سے دو چار روز کا حرج ہو جائے تو گوارا کرلو، میرے اوپر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

ہمارا ''پورہ معروف'' کا سفر اور آخری ملاقات:

بہر کیف! تخصص کے اساتذہ کے مشورہ سے میرا، مولانا خالد سعید صاحب، اور تین طلبہ کا جانا تجویز ہوا، ہم لوگ جمعرات کی شام کو سہارنپور سے چل کر لکھنؤ کے راستے جمعہ بعد ''پورہ معروف'' پہنچے، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ سراپا انتظار تھے، صاحبزادۂ گرامی مولانا عبد الباسط صاحب سے فرمایا کہ حجرے میں پہلے مولوی عاشق (سری لنکا، تخصص سال اول) کو بلانا، پھر مولوی معاذ (انگلینڈ، سال اول) کو، پھر مولوی عبد المعید (آگرہ، سال دوم) کو، اس کے بعد مولانا خالد سعید صاحب کو، آخر میں معاویہ کو، اور وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میرے گنتی کے چند سانس باقی رہ گئے ہیں، نہ معلوم کب آخری وقت ہو جائے، چاہتا ہوں کہ حدیث پڑھا کر اور دوسروں کو پہنچا کر جاؤں، اور سال اول والوں کو میں نے ابھی اجازت حدیث نہیں دی ہے، اس لیے پہلے ان کو اندر بلانا۔

اور مولوی عاشق کی تقدیم کی وجہ احقر عرض کرتا ہے، وہ یہ کہ راستے میں مولوی عاشق نے مجھ سے تذکرہ کیا کہ میری بہت تمنا اور خواہش تھی کہ حضرت سے ''رسالۃ الاوائل'' پڑھ کر اجازت حدیث لوں، لیکن حضرت کی اس کیفیت میں معلوم نہیں موقع ہو سکے گا یا نہیں، بظاہر ان کی اس طلب صادق کا انعکاس حضرت کے قلب صافی پر ہو گیا، اور سب سے پہلے ان ہی کو حضرت نے اندر بلا کر لیٹے لیٹے مصافحہ ومعانقہ فرمایا، پھر اجازتِ حدیث دی، اسی طرح پانچوں کو باری باری بلا کر مصافحہ ومعانقہ کے بعد اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی، اور مجھ سے اور مولانا خالد سعید صاحب سے دریافت فرمایا کہ مولانا یوسف صاحب کا تم لوگوں کے ساتھ برتاؤ کیسا ہے؟ شفقت ومحبت کے ساتھ رہتے ہیں، سختی تو نہیں کرتے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا نہیں، پھر فرمایا کہ ہمارا شعبہ شفقت اور تواضع سے کامیاب ہوا ہے،

جب تک یہ وصف باقی رہے گا ترقی ہوتی رہے گی، یہ بھی فرمایا کہ مولانا یوسف صاحب بڑے ہیں، سب لوگ ان کی موافقت اور تابعداری کے ساتھ رہنا، یہ بھی فرمایا کہ شعبہ کے سب لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھیں، کوئی اپنے کو بڑا سمجھ کر اپنے کو کسی چیز کا مستحق نہ سمجھے۔

آواز حضرت کی بہت پست تھی، ضعف حد سے زیادہ تھا، جسم میں سخت بے چینی تھی، مگر یہ سب افادات جاری رہے، اپنے حجرے ہی میں ہم لوگوں کو کھانے پینے سے فارغ کرایا، اس کے بعد مولانا عبدالباسط صاحب سے فرمایا کہ شامی میں جنازہ سے متعلق فلاں مسئلہ جو دیکھا گیا تھا اس کے بارے میں ان لوگوں سے بھی مذاکرہ کرلو، پھر ہم لوگ قیلولہ کے لیے لیٹ گئے۔

عصر بعد ''پورہ معروف'' کی بستی دیکھنے نکلے، میں کوئی سیاح نہیں ہوں، دنیا بھی میں نے کوئی زیادہ نہیں دیکھی ہے، مگر جو کچھ دیکھی یا سنی ہے، اور جتنا کچھ اندازہ ہے اس کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ ''پورہ معروف'' دینی و مذہبی سرگرمی، اسلامی سادگی، اور شرعی وضع قطع کے اہتمام کے اعتبار سے ہندوستان کی ممتاز ترین بستیوں میں ہے۔

بہت ساری بستیوں میں مساجد و مدارس کی کثرت تو ہوتی ہے، مگر مجموعی ماحول ایسی دینداری اور سادگی کا نہیں ہوتا، اہلِ علم اور طلبہ تو ہوتے ہیں، مگر اجتماعی طور پر علمی و عملی رونق نہیں ہوتی، عام طور پر خواص اور عوام کے ایسے دو متضاد طبقے ہوتے ہیں جن کی ملاقات مساجد اور تقریری جلسوں کے علاوہ شاید ہی کہیں ہوتی ہو، مردوں میں کچھ تعلیمی سرگرمی ہوتی ہے، عورتیں اس سے محروم رہتی ہیں، علماء کا طبقہ مدارس ومساجد کے احاطوں میں محدود رہتا ہے، اور عوام کی ان تک رسائی ایک مستقل ارادہ اور کوشش کی محتاج ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ''پورہ معروف'' میں مساجد و مدارس کی کثرت ایسی ہے کہ الحمدللہ تقریباً ہر گھر میں علماء اور حفاظ موجود ہیں، اس بستی سے گذشتہ تقریباً سو سال سے تسلسل کے ساتھ اکابر اہلِ علم پیدا ہو رہے ہیں، حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی، ان کے برادر گرامی حضرت مولانا عبدالستار اعظمی، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا نعمت اللہ

صاحب اعظمی، تخصص فی الحدیث کے استاذ حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی (برادرزادہ حضرت مولانا زین العابدین صاحب)، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا رضوان الدین صاحب معروفی، مظہرالعلوم بنارس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ارشد صاحب معروفی اوران کے علاوہ بے شمار مشاہیر کا وطنی تعلق اسی بستی سے رہا ہے۔

اس بستی کی جوسب سے بڑی خصوصیت ہے وہ یہاں کی بودوباش اوررہن سہن کی سادگی ہے، یہاں کے بڑے بڑے علماء بھی کسی جائز پیشہ اورحلال ذریعۂ کسب سے عارمحسوس نہیں کرتے، خود ہمارے حضرت الاستاذ کے یہاں پاورلوم لگا ہوا ہے، اورحضرت کے گھرانے کے لوگ اس سے عملاً وابستہ ہیں۔

یہاں کے اکثر لوگ کرتے اورلنگی کے سادہ اسلامی لباس میں دکھائی دیئے، زیادہ تر کے چہرے شرعی داڑھی سے پرنور تھے، مسلم عورتوں میں شاید اسّی فیصد سے زیادہ برقع اور پردہ کا اہتمام نظر آیا۔

خیر! ہم لوگ سب سے پہلے اس جگہ گئے جہاں دو ہی چار روز پہلے حضرت مولانا کے آخری اہم کارنامہ کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا، اوروہ ''دارالمطالعہ'' کی زیرتعمیر عمارت تھی، مولانا کی آخری خواہش اورکوشش یہ تھی کہ کسی طرح ''پورہ معروف'' میں ایسا جامع علمی مرکز قائم کردیا جائے جس میں ہرفن کی اہم کتابیں موجود ہوں، اورکوئی ذی علم شخص اس کا ذمہ دار اورمسند نشین ہو، تاکہ علاقہ کے عوام کے ساتھ ساتھ، علماء بھی اس سے رجوع مراجعت کرسکیں، اورمولانا نے اس کے لیے اپنے مرض الوفات میں بھی پوری جدوجہد کی، یہاں تک کہ زمین کی خریداری ہوگئی، عمارت کی بنیاد رکھ دی گئی، شخصیت کی تعیین کردی گئی، اورحدیث، فقہ، لغت اورادب کی کتابوں کا تھوڑا بہت ذخیرہ جوحضرت نے اپنی پوری زندگی میں جمع کیا تھا، اس کو اس ''دارالمطالعہ'' پر وقف فرمادیا، سہارنپور سے بعض مخلصین نے میرے ساتھ حضرت کی خدمت میں کچھ نقد ہدیہ بھیجا تھا، آپ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ میں

اپنی ذات کے لیے نہیں قبول کروں گا، دارالمطالعہ کی نیت کرلیں تو قبول ہے، پھر پتہ چلا کہ اس وقت یہی معمول ہے، پوری فکر اور توجہ دارالمطالعہ ہی کے قیام، استحکام اور ترقی کی طرف مبذول ہے، اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی اس مبارک کوشش اور کاوش کو قبول فرمائیں، اور اس حسین خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمائیں، آمین۔

عصر بعد کی چائے مولانا عبدالباسط صاحب کی معیت میں یہاں کی ایک علمی لائبریری ''دارالمعارف'' میں ہوئی، جہاں کے منتظمین نے حسنِ ذوق کا مظاہر کرتے ہوئے تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف اور شعروادب وغیرہ علوم سے متعلق ایک اچھا خاصہ ذخیرۂ کتب جمع کررکھا ہے، اور اس مختصر سی مجلس سے اندازہ ہوا کہ اس سے وابستہ لوگ بھی ماشاء اللہ دیندار، اہلِ علم اور شعروادب کا خاصا ذوق رکھنے والے ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد مظاہر علوم ہی کے ایک فاضل مولانا محمد حمزہ صاحب معروفی کے یہاں کھانا ہوا، عشاء کے بعد حضرت الاستاذ کے ایک خاندانی چچا کے یہاں چائے کی نہایت پرلطف مجلس ہوئی، جس میں انھوں نے مولانا کا آبائی مکان دکھایا، اور مولانا کے ذاتی خاندانی اور گاؤں کے پرانے دلچسپ واقعات کا ذکر تذکرہ رہا، وہاں سے اٹھ کر ہم لوگ مولانا کی خدمت میں پہنچے، آپ منتظر تھے، صاحبزادگان سے لیٹنے کا انتظام کرنے کو فرمایا، آپ نے اپنے مکان کے سامنے ہی مسجد بنوائی ہے، جو فی الحال خانقاہ کے طور پر بھی استعمال ہورہی ہے، وہیں سونے کا نظم ہوا، ہم لوگ کچھ دیر خدمت میں رہ کر آرام کرنے چلے گئے، اگلے دن صبح کی چائے ناشتہ کے بعد مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا ابوعبیدہ صاحب مدظلہ نے مولانا ہی کے قائم کردہ لڑکیوں کے غیر اقامتی مدرسہ، جامعہ ام حبیبہ میں آنے کی دعوت دی، وہاں جاکر مدرسہ کے نظام سے متعلق تفصیلی معلومات حاصل ہوئیں۔

اس مدرسہ کا بیرونی انتظام مولانا ابوعبیدہ صاحب دیکھتے ہیں، اندرونی انتظام آپ کی اہلیہ اور بڑی صاحبزادی کے ذمہ ہے، یہاں صرف گاؤں کی ہی طالبات پڑھتی ہیں، جن کی مجموعی تعداد .... کے قریب ہے، نورانی قاعدہ سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک کی

تعلیم ہوتی ہے، ہم لوگوں نے بعض بچیوں کا امتحان لیا، اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ تعلیم وتربیت دونوں ہی کا نظام عمدہ اور معیاری ہے، اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ ''پورہ معروف'' کے دینی ماحول میں کافی حد تک اس ادارہ کا بھی دخل ہے، کیونکہ اس کی برکت سے بستی کی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد مدرسہ کے ماحول میں آجاتی ہے، اور یہاں کے ٹھیٹھ دینی واسلامی مذاق ومزاج کو جذب کر کے اپنے ماحول ومعاشرہ میں پہنچاتی ہے۔

وہاں سے ہم لوگ بہت خوش گوار تأثرات کے ساتھ واپس ہوئے، حضرت کی خدمت میں پہنچے تو آپ شدید کرب وبے چینی میں کروٹیں بدل رہے تھے، ہم لوگوں کو دیکھتے ہی فرمایا کہ مجھے تیمّم کراؤ، تیمّم سے فارغ ہوکر پانی منگایا اور تین مرتبہ چہرے اور داڑھی پر ملا، پھر کلمہ پڑھا اس کے بعد فرمایا کہ تکلیف کی وجہ سے داہنی کروٹ پر لیٹ نہیں پارہا ہوں، انتقال ہوجائے تو فوراً داہنی کروٹ دے دینا، اس کے بعد حاضرین سے یٰس شریف اور سورۂ رعد پڑھنے کو کہا، پھر دریافت فرمایا کہ کوئی سنت رہ تو نہیں گئی، ہم لوگوں نے عرض کیا الحمدللہ سب ادا ہوگئیں، پھر آپ ذکر میں مشغول ہوگئے، ڈاکٹر حاضر ہوئے، انجکشن وغیرہ دیا، کچھ ہی دیر میں آپ کی طبیعت سنبھل گئی، پھر پورے دن طبیعت میں اتار چڑھاؤ کی کیفیت رہی، آنے والے خواص سے سورۂ یٰس شریف اور سورۂ رعد پڑھنے کی فرمائش کرتے، اور عوام سے کلمہ طیبہ، درود شریف وغیرہ پڑھنے کے لیے کہتے۔

تیمارداری کے لیے حضرت الاستاذ کے خانوادہ کے بڑے چھوٹے حضرات، حاضر باش خدام، گاؤں کے ہی ڈاکٹر اور خدمت گاروں کا جو سلسلہ اور ہجوم حضرت کے یہاں دیکھا وہ بھی ایک قابل دید اور باعث رشک منظر تھا، آرام گاہ میں بیٹھنے کی جگہ ملنی مشکل تھی، خدمت کا موقع حاصل کرنے کے لیے طویل انتظار کے مرحلہ سے گذرنا پڑتا تھا، اور ایسے میں حضرت الاستاذ کے استحضار اور فکر آخرت کا یہ عالم تھا کہ بغیر شرعی داڑھی کے آنے والوں پر پوری نظر رکھتے تھے، اور بہت سختی کے ساتھ تنبیہ فرماتے تھے کہ ایسے لوگ رحمت کے فرشتوں کے آنے سے مانع بن جائیں گے۔

ہماری واپسی اور حضرت کی وفات:

اگلے روز یکشنبہ کی صبح ہم لوگوں کی واپسی کا نظام تھا، حضرت کی جو کیفیت تھی اس میں نہ ہم لوگوں کا سفر کا جی چاہ رہا تھا، اور نہ ہی کسی اور کی رائے تھی، مگر مدرسہ اور اسباق کے تقاضے کے پیشِ نظر بادلِ ناخواستہ واپسی ہی کو ترجیح دی، ۸ر بجے نکلنا تھا، آپ کبیر ادر زادۂ عزیز استاذ گرامی مولانا عبداللہ معروفی صاحب مدظلہ، گذشتہ کل کی حالت سن کر دیوبند سے فوراً ہی چل پڑے تھے، آپ کی آمد کا حضرت کو شدت سے انتظار تھا، ہم لوگوں کے مئو اسٹیشن کے لیے نکلنے کے بعد ہی مولانا کی تشریف آوری ہوسکی، ہم لوگ مئو سے دادر ایکسپریس سے بنارس اور پھر بنارس سے ایک بجے جموں توی ایکسپریس سے سہارنپور کے لیے روانہ ہوئے، دو بج کر بیس منٹ کے قریب مولانا عبدالباسط صاحب کا فون آیا کہ ''والد صاحب کا انتقال ہوگیا'' اناللہ وانا الیہ راجعون۔

معلوم ہوا کہ حضرت ظہر کی نماز کی تیاری کر رہے تھے، اسی درمیان طبیعت بگڑنی شروع ہوئی، ذکر میں مشغول ہوگئے اور اللہ اللہ کہتے ہوئے جان جاں آفریں کے سپرد کردی:

بیمار عشق لے کے ترا نام سوگیا مدت کے بے قرار کو آرام ہوگیا

مشورہ کے بعد ہم سب کی متفقہ رائے یہی ہوئی کہ ٹرین رکتے ہی ہم لوگ واپس چلیں، نماز جنازہ نو بجے ہونی طے پائی تھی، امید تھی کہ شرکت ہوجائے گی، حسن اتفاق کہ بہت کم جگہوں پر رکنے والی گاڑی اچانک ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی، فوراً ہی اتر گئے، معلوم ہوا کہ یہ سلطانپور سے پہلے کا اسٹیشن تھا، وہاں سے بذریعۂ بس جونپور، جونپور سے اعظم گڈھ، وہاں سے آٹو رکشہ کر کے بفضلہٖ تعالیٰ وعونہ ساڑھے آٹھ بجے پورہ معروف پہنچ گئے۔

نماز جنازہ کے لیے قبرستان سے متصل ایک بہت بڑا میدانہے، جو اپنی ساری وسعتوں کے باوجود آج تنگ نظر آرہا تھا محتاط اندازے کے مطابق پچیس تیس ہزار کا مجمع تھا، جس میں مقامی محبین ومعتقدین کے علاوہ مئو، اعظم گڈھ، بنارس، جونپور اور الہ آباد سے آئے

ہوئے اہل علم اور طلبۂ مدارس کی ایک بڑی تعداد بھی تھی، جب ہم لوگ قبرستان پہنچے تو صف بندی ہو چکی تھی، اور لاؤڈ اسپیکر سے یہ اعلان ہو رہا تھا کہ سہارنپور سے آئے ہوئے مہمان حضرات آگے تشریف لے آئیں، پھر حضرات کے خدام خاص میں سے کوئی صاحب ہم لوگوں کو لے کر جنازہ تک آئے اور زیارت سے مشرف کرایا، نماز جنازہ آپ ہی کے تجویز کردہ امام عیدگاہ مولانا رضوان احمد صاحب معروفی نے پڑھائی اس کے بعد کثرتِ ازدحام کے اعتبار سے نہایت سہولت اور حسن انتظام کے ساتھ تدفین کا مرحلہ بھی پورا ہوا، اور علماء، صلحاء، طلبہ اور دینداروں پر مشتمل ہزاروں ہزار کے مبارک مجمع کے ہاتھوں آپ اپنی آخری آرام گاہ پہنچ کر سپردِ خاک ہو گئے:

چھپ گیا آفتاب، شام ہوئی　　اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

اور اُس وقت حضرت الاستاذ زبانِ حال سے یہ پڑھ رہے تھے:

اب ہم یہاں ہیں اور تماشہ ہے حشر تک　　آنکھیں ہوئی ہیں بند رخِ یار دیکھ کر

تدفین کے بعد فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ اپنے بے مثال استاذ و مربی، عظیم محسن و مشفق اور نادرۂ روزگار مخدوم و بزرگ کے سایۂ شفقت و محبت سے محروم ہو کر ہاتھ ملتے ہوئے واپس ہوئے، اب دنیا تھی کہ سونی تھی، رونق تھی کہ گم تھی، محفلِ ارشاد تھی کہ بے رنگ تھی، جائے استاد تھی کہ خالی تھی، مگر حضرت نے آخری ایام حیات جس کرب و بے چینی کے عالم میں گذارے تھے اس کا تصور کر کے تسلی تھی کہ اب ان شاء اللہ حضرت ہمیشہ ہمیش کے لیے راحت و آرام اور چین و سکون کی جگہ پہنچ گئے:

إنَّمَا هٰذِهِ الحَيَاةُ خيال　　ونعيم الخلود ذاك الباقي

تاریخ وفات ''آہ! محبوب، آفتابِ حدیث مولانا زین العابدین'' (۱۴۳۴ھ) سے برآمد ہوتی ہے۔

نمازِ جنازہ اور تدفین کے بعد ہی سے گاؤں کے مختلف اطراف میں تعزیتی جلسوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، جن میں متعدد اہل علم حضرات کے بیانات ہوئے:

(۱) ایک جلسہ میں مولانا عبداللہ معروفی صاحب مدظلہ نے یہ بات فرمائی کہ حضرت کی اہلِ بستی کے لیے خدمات میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ یہاں کے لوگ ویسے تو ماشاء اللہ ایک مدت سے دین اور اہلِ دین سے وابستہ تھے، اور ظاہری دینی تعلیم کی طرف بھی کافی حد تک رجحان رکھتے تھے، مگر ہوتا یہ تھا کہ لوگ مدرسہ سے فراغت کو ہی اپنا مبلغِ علم اور منتہائے فکر سمجھتے تھے، حضرت نے یہاں خانقاہی نظام جاری فرما کر لوگوں کے لیے اس کے آگے کے راستہ اور منزل کی طرف رہنمائی کر دی، اور اس طرح سے مدرسہ سے فراغت کے بعد بھی لوگوں کے لیے دینی محنت اور فکر کا موضوع فراہم ہو گیا۔

(۲) مولانا ارشد معروفی صاحب کے کئی بیانات ہوئے، اور انھوں نے ہر بیان میں حکمت و معرفت اور حضرت کی دینی خدمات سے متعلق نہایت اہم اور قیمتی باتیں بیان فرمائیں، کاش انھیں ضبط کر لیا گیا ہو۔

(۳) صاحبزادۂ گرامی مولانا عبدالباسط معروفی صاحب کے بھی کئی بیانات ہوئے، اور ہر بیان میں انھوں نے مولانا کی حیات کے مختلف پہلوؤں اور خصوصاً مرض الوفات سے متعلق اہم معلومات بیان کیں، ان کا یہ جملہ مجھے بطورِ خاص یاد رہ گیا کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہم لوگوں کا ساتھ بچپن سے تھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ والد صاحب کی جو خوبیاں اور کمالات اور علمی، عملی اور روحانی حالات مرض الوفات میں ہم لوگوں کے سامنے آئے اور والد صاحب کا جو مقام و مرتبہ اس وقت ظاہر ہوا، اس کا اندازہ ہم لوگوں کو بھی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

(۴) مولانا خالد سعید صاحب (استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) کا آخری جلسہ میں مظاہر علوم کے نمائندہ کی حیثیت سے بیان ہوا، انھوں نے مولانا کے مظاہر علوم کے اٹھارہ سالہ قیام، مولانا سے اپنے پندرہ سالہ تعلقات، اور مولانا کے شفقت و کرم کے حیرت انگیز واقعات سے متعلق انتہائی طویل اور پر مغز بیان کیا، جو میرے لیے بھی نہایت باعث استعجاب اور قابلِ رشک تھا۔

(۵) مجھے بیان کرنا بالکل نہیں آتا، ایسے میں مظاہر علوم کی نمائندگی کی ذمہ داری کے احساس نے اس کو اور مشکل بنا دیا تھا، بہرحال میں نے مختصراً قرآن کریم میں بیان کردہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقاصد بعثت: تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا، اور پھر وراثتِ انبیاء یعنی علم دین اور اس کی تبلیغ کی ذمہ داری پر روشنی ڈالی، اس کے بعد حضرت الاستاذ پر اس کو منطبق کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت عالمِ دین ہونے کے ناطے وارثینِ انبیاء میں سے تھے، اس لیے بحیثیتِ وارث، مذکورہ تینوں مقاصدِ بعثت میں لگنا اور اس کی فکر کرنا آپ کا فرضِ منصبی تھا، اور اس دور میں کسی ایک مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بن جانا بھی بہت بڑی سعادت ہے، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذؒ کو تینوں ہی شعبوں کی بھرپور خدمات کی توفیق اور سعادت سے نوازا، اخروی کامیابی تو انشاء اللہ ہوگی ہی، دنیا میں بھی آپ بفضلہٖ تعالیٰ وتوفیقہ اپنی خدمات میں پوری طرح کامیاب رہے، اور مکتب، مدرسہ اور خانقاہ کے ذریعہ سے ان مقاصد کی تکمیل کے لیے پوری طرح سرگرم اور کوشاں رہے، اللہ تعالیٰ آپ کی ان خدمات کو قبول فرمائیں، اس کا بہترین صلہ دیں، اور اپنے جوارِ رحمت میں آپ کو جگہ نصیب فرمائیں، ہم سب کی طرف سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔ آمین۔

مظاہر علوم کی نسبت سے حضرت کے متسبین نے ہم لوگوں کی حد درجہ خاطرداری اور اکرام کا معاملہ کیا، بالخصوص گھر کے افراد اور ''خانقاہ'' سے وابستہ حضرات نے تو تواضع وکرم کی انتہا کردی، حضرت کے محبّ ومحبوب بھتیجہ اور خانقاہ کے منتظم مولانا عبدالرحیم صاحب معروفی زید مجدہ نے ضیافت ومہمانداری کا وہ حق ادا کیا کہ ہم لوگ شرمندگی محسوس کرنے لگے، اور ہمارے لیے انتہائی غم اور صدمہ کی بات یہ ہے کہ واپس آکر ابھی موصوفِ محترم کا شکریہ بھی ادا نہ کرسکے تھے کہ اطلاع ملی کہ اُن کے والدِ گرامی اور حضرت مولانا کے برادرِ عزیز جناب محترم عبدالقیوم صاحب بھی مختصر سی علالت کے بعد وفات پاگئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون. اللّٰهم اغفِرْ لَه، وارْحَمْه، وأَدْخِلْه الجنةَ، وأَعِذْه من النار۔ آمین.

حضرت الاستاذ کی وفات کے اگلے روز بھی تعزیتی جلسوں کا سلسلہ رہا، اس لئے رات تقریباً دو بجے ہم لوگ بستر پر پہنچ سکے، علی الصباح واپسی تھی، حضرت کے خصوصی متعلقین جمع تھے، بڑی حسرت انگیز اور رقت آمیز ملاقات ورخصتی ہوئی، وہاں سے ہم لوگ براہِ گورکھپور سہ شنبہ کی دوپہر سہارنپور پہنچے، حضرت مولانا محمد عاقل صاحب اور حضرت ناظم صاحب مدظلہم منتظر تھے، پوری تفصیل کے ساتھ روداد سفر سنی، اور امت کے، علمی حلقہ کے، دنیائے حدیث کے اور خاص طور پر مظاہر علوم کے اس عظیم نقصان اور خسارہ پر گہرے غم اور قلبی رنج وملال کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائیں۔

اللهم اغْفِرْ له ، وارْحَمْه، وعافِهِ، واعْفُ عنه، وأَكْرِمْ نُزُلَه، ووَسِّع مُدخَلَه، واغْسِلْه بالماءِ والثَّلْجِ والبَرَدِ، ونَقِّه من الخطايا كما يُنَقَّى الثوبُ الأبيضُ من الدَّنَس. آمين. وصلّى اللّٰه تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمدو آله وأصحابه أجمعين، والحمدللّٰهِ رب العالمين.

☆☆☆☆☆

اپنی باتیں

غیر مطبوعہ آپ بیتی

حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمہ

بعنایت وتوجہ
مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی ابن حضرت مولف علیہ الرحمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک نابغۂ روزگار محدث

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

محدث جلیل حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ کی باکمال علمی شخصیت مدتوں یادرکھی جائے گی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ اور دیگر اکابر اساتذہ کرام سے اکتساب علم کی دولت نصیب ہوئی، اور ملک کے مختلف حصوں میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں درس وتدریس میں عمر گذاردی، علمی تبحر اور استحضار ، ذہنی کے علاوہ سادگی و بے تکلفی، وضعداری و استغناء، حق پسندی و صاف گوئی، صبر و قناعت اور مزاج کی شگفتگی حضرت مولانا مرحوم کے وہ نمایاں اوصاف تھے جنہیں ہر وہ شخص محسوس کرسکتا تھا جسے تھوڑا سا وقت بھی مولانا کے ساتھ گذارنے کا موقعہ ملتا، مسلک حق کی پاسداری بے حد ملحوظ تھی، مولانا نے اس سلسلہ میں کبھی کسی کی رعایت نہیں کی، اگر کسی کی تقریر یا تحریر میں راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی کوئی بات محسوس کی تو بلا رعایت اس پر نکیر کی، خواہ یہ فریضہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے خلاف انجام دینا پڑا ہو، زندگی کے آخری ایام میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے شعبہ تخصص فی الحدیث کے سرپرست اور استاذ کی حیثیت سے مولانا کی نگرانی میں جو نمایاں اور وقیع تحقیقی و تصنیفی کام انجام پایا وہ ان کی عظیم علمی یادگار رہے گا۔

اگرچہ مولانا کا اصل ذوق درس وتدریس کا تھا لیکن اسی کے ساتھ دعوت وارشاد اصلاح وتربیت اور مضمون نگاری کے ذریعہ بھی فیض رسانی کا سلسلہ جاری رکھا، اپنی

بیماری کے ایام میں مولانا نے جس تسلیم و رضا اور قوت ایمانی کا اظہار فرمایا وہ حیرت انگیز، چشم کشا اور قابل رشک ہے۔ مولانا کے فرزندان کے علاوہ وہ ہزاروں تلامذہ اور منتسبین جنھوں نے مولانا سے علمی و اصلاحی فیض حاصل کیا ہے ان کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی جملہ خدمات کو قبول فرمائے۔ جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اور ان کے قابل تقلید کارناموں پر پسماندگان کو عمل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
دارالعلوم دیوبند
۲۵ر شوال ۱۴۳۴ھ

تأثرات

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی معروفی

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے بعدان کے فرزندار جمند عزیزم مولوی عبدالباسط قاسمی سلمہ نے فرمایا کہ میں اپنے والد کی خودنوشت سوانح حیات شائع کرنے جارہاہوں حضرت مولانا کے سلسلہ میں آپ بھی کچھ اپنے تأثرات پیش کردیں۔

سب سے پہلے تو اس خودنوشت سوانح کے سلسلہ میں یہ دعاہے کہ مولانا کی یہ سرگذشت ان کی دیگر کتابوں کی طرح ملت کے لیے سودمند ثابت ہو، اسے پڑھ کر لوگوں کے دلوں میں کچھ کرنے اور آگے بڑھنے کا جذبہ پیدہو، کم حوصلہ انسانوں کے حوصلوں کو اسے پڑھ کر جلا ملتی ہے۔

حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میں، ہم دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے، طلب علم کے لیے انھوں نے پورہ معروف سے احیاء العلوم مبارکپور کا سفر کیا اور احقر پورہ معروف ہی میں پڑھ کر اور وہ احیاء العلوم مبارک پور میں تعلیم حاصل کر کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند پہنچے، طالب علمی کا زمانہ عموماً تعلیمی مشغولیت کا گزرا اور کافی محنت اور دلچسپی کے ساتھ تعلیم حاصل کی، یہاں تک کہ دورۂ حدیث کے اندر اول نمبر حاصل کیا جبکہ اس وقت بڑے اچھے اچھے، ذہین، ذی استعداد طلبہ موجود تھے، علوم وفنون کی تقریبا تمام کتابیں پڑھیں، ایک طرف حماسہ، متنبّی، وسبع معلقات، تو دوسری طرف صدرا، شمس بازغہ، علم الحساب، اقلیدس، یہ سب کتابیں پڑھیں، اور علم الحساب اقلیدس وغیرہ کو بعد میں مدرسی کے دور میں پڑھایا بھی، اس دور میں مدرسوں کی کمی اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت ضعیف وکمزور

جس کی وجہ سے تدریس کا م انجام دینا ایک بہت بڑا امتحان تھا، مولانا اس امتحان میں کامیاب رہے اور مختلف مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابوں کی تدریس میں بھی وہ نمایاں رہے، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر جہاں عربی دانی کا غلغلہ، بلاغت، معانی، بدیع، صنائع کا سلہ چلتا تھا، وہاں پر بھی موصوف سکۂ رائج الوقت ثابت ہوئے احیاء العلوم مبارکپور میں مدتوں درس دیا، گجرات چھاپی میں مولانا حبیب اللہ فیروز پوری کے دوراہتمام میں تدریسی خدمات انجام دیں اوعلم وقر أت وتجوید کورواج دیا۔

جامعہ مظہرالعلوم بنارس میں کئی برس شیخ الحدیث رہے، یہاں سے رٹائرڈ ہوکر مولانا محمد رضوان القاسمی کی تحریک پر ان کے مدرسہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد پہنچ گئے، اور ہر جگہ تشنگان علوم ومعرفت ان سے فیضیاب ہوتے رہے، جامعہ مظاہرعلوم نے جب شعبۂ تخصص فی الحدیث قائم کرنے کا ارادہ کرلیا تو اسے ایک موزوں ومناسب شخصیت کی ضرورت محسوس ہوئی جو بحیثیت صدر شعبہ اس کام کو بحسن خوبی انجام دے سکے، نگاہ انتخاب مولانا پر جا کر ٹھہر گئی، ایک روز صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب احقر کے پاس تشریف لائے، اور حضرت مولانا زین العابدین صا؟ حب اعظمی کے متعلق کچھ سوالات کئے، اپنے یہاں شعبۂ تخصص فی الحدیث کا ذکر فرمایا تو میں نے کہا کہ مولانا اس وقت اس کام کے لیے سب سے زیادہ موزوں شخصیت ہیں، اس کے بعد انھوں نے حکم دیا کہ آپ ان کو کسی طرح مظاہرعلوم کے لیے رضامند کردیں، میں نے کہا میں اس کے لیے کوشش کروں گا، یقیناً صاحبزادۂ محترم نے اور لوگوں سے بھی اس میں مشورہ کیا ہوگا اور ان سب حضرات نے بھی رائے دی ہوگی، میں نے مولانا کو خط لکھا کہ آپ جس طرح کا کام کرنا چاہتے ہیں، مظاہرعلوم کی فضا اس کے لیے حد درجہ ساز گار ہے، اس طرح مولانا تشریف لائے تخصص فی الحدیث کے قیام کے بعد سب سے اہم مسئلہ اس کے نصاب تعلیم کا تھا کیا ہو؟ کس انداز کا ہو؟ کونسی کتابیں داخل نصاب ہوں؟ مختلف مدارس کے نصاب تعلیم کو بھی پیش نظر رکھا گیا، اور پھر مولانا نے وہاں کے علماء علام اور اپنے رفقاء کے مشورہ سے اس کا ایک منہج اور نصاب

تعلیم مرتب فرمایا، اوراس کے بعد اس کے جو نتائج سامنے آئے وہ جامعہ مظاہر علوم کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

جہاں تک تدریس وتعلیم کا تعلق ہے اس میں مولانا کا ایک نمایاں مقام تھا، ساتھ ساتھ وہ احسان وسلوک کے بھی راہ رو تھے، اور مولانا کے مریدین کا بھی ایک حلقہ ہے، اور پورہ معروف میں ذکر واذکار کی مجلسیں منعقد کیں جس کے برکات وثمرات نمایاں اور ظاہر ہوئے، مولانا اور ہم ساتھ ساتھ تھے، عمر میں اگر چہ وہ بڑے تھے مگر ہم نے سفر ایک ساتھ ہی شروع کیا تھا، مگر اس سفر میں وہ منزل کو پہنچ گئے، اور ہم پیچھے رہ گئے۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم دریوانِ عشق
او بصحرا رفت وما در کوچہ ہا رسوا شدیم

نعمت اللہ غفرلہ ۴؍شعبان ۱۴۳۴ھ
استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

تقریظ

حضرت مولانا سید محمد سلمان الحسنی صاحب زید مجدہ
ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

نحمده و نصلي على رسوله الكريم...... امابعد

ہمارے مدرسہ کے شعبۂ تخصص فی الحدیث کے ذمہ دار اعلیٰ المخدوم المکرّم العالم الربانی المحدث الشہیر حضرت مولانا زین العابدین صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ ان گنے چنے علماء اور فضلاء میں سے تھے جن کو مختلف علوم اور فنون پر عبور حاصل تھا، ان کو صرف علم حدیث، اصول حدیث، اسماء رجال جیسے فنون میں ہی کمال حاصل نہ تھا بلکہ مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر بخاری شریف کے درس تک ہر فن میں درسی امتیاز حاصل تھا، اور اس پر ان کی مختلف علوم وفنون کی تالیفات وتصنیفات شاہد عدل ہیں، وہ اپنی ان علمی خدمات عالیہ کے سبب اپنے تلامذہ، علمی حلقے، اور مدارس کے اہل علم اکابر کے درمیان بہت مقبول اور بنظر توقیر دیکھے جاتے تھے، ایک عرصہ تک انھوں نے ہمارے مدسہ کے اہم ترین شعبہ تخصص فی الحدیث کو سربراہی اور علمی نگرانی کی زینت بخشی، شعبہ کے قیام سے اپنی وفات حسرت آیات تک وہ اس شعبہ کی آبیاری فرماتے رہے، ان کا سانحہ ارتحال حلقہ اہل علم کے لئے عموماً اور ہمارے مدرسہ کے لیے خصوصاً ایک زبردست علمی نقصان ہے، اللہ تعالیٰ غیب سے اس نقصان کی تلافی فرمائے، اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مرحوم نے کسی موقع پر اپنی آپ بیتی لکھنی شروع کی تھی جو مختصر ہونے کے باوصف زندگی کے اہم حالات واقعات پر مشتمل ہے، اپنی اہم دیگر علمی مشغولیات میں سے وقت نکال کر وقفہ وقفہ سے کبھی املاء کراتے اور کبھی خود ہی تحریر فرماتے رہے، اکثر حصہ آپ کی حیات میں مکمل ہو گیا تھا، آخری مضمون اور ضروری حواشی ان کے صاحبزادے

عزیزم مولانا عبدالباسط قاسمی سلمہ نے ترتیب دیکر اس کو اب مکمل کیا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بزرگوں کی سوانح حیات اور اکابر ومشائخ کی تعلیم وتربیت کی سرگذشت جس میں وہ اپنے اساتذہ کی حکایات تقوی وطہارت اور ان کے معمولات، امانت ودیانت کے تذکرے سیدھی سادی زبان میں تحریر فرماتے ہیں وہ بڑے سبق آموز اور عبرت کا خزانہ ہوتے ہیں۔

اس لیے ہر زمانے میں مشائخ واساتذہ کی سوانح حیات کی اشاعت وطباعت افادے واستفادے کا اہم ذریعہ رہی ہے، دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ عزیز موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور بعد میں آنے والوں کو اپنے مشائخ واساتذہ کے حالات ومعمولات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

سید محمد سلمان الحسنی

(ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

اپنی باتیں

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی صاحب مدظلہ العالی

استاذ محترم مولانا زین العابدین الاعظمی المعروفی علیہ الرحمۃ اپنے تقوی و دیانت اپنی عفت و نزاہت، اپنی استعداد و ذکاوت، اپنی محنت و ریاضت، اپنے خلوص وللّٰہیت، اپنی جانکاہی و جفاکوشی، اپنی شفقت و محبت، اپنی تعلیم و تربیت، اپنی کردار سازی و مردم گری، اپنی پاک باطنی و بےنفسی، اپنے علم وفن کے رسوخ و پختگی اور اپنے اخلاق و عمل کی بلندی و پاکیزگی کے لحاظ سے ہمارے اس دور میں سلف صالحین کے نمونہ اور اللہ کی نشانیوں میں ایک روشن نشانی تھے، تمام زندگی جس سادگی اور بےنفسی میں گزاری، تعلیم و تربیت کے روزمرہ معمولات میں جس بےتکلفی سے لگے رہے، اور اپنے کو کھپائے رہے، دیکھنے والوں کو اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کس بلند معیار و مرتبہ کے مرد کامل ہیں اور تواضع وانکساری کی سادہ چادر میں لپٹا ہوا کتنا عظیم گوہر گرانمایہ ہے، لیکن حق تعالی کو منظور تھا کہ گدڑی میں جو لعل چھپا ہوا ہے، اس کی ایک جھلک نگاہوں کے سامنے آجائے، تاکہ چلنے والوں کے لئے راستہ ہموار رہے، اور اندھیریوں میں ایک تیز شمع کی روشنی دور تک اجالا کرتی رہے۔

زندگی کے اخیر دنوں کی تابناکی دیکھنے والوں نے خوب دیکھی، قریب والوں نے بھی اور دور والوں نے بھی، اس کی کچھ جھلکیاں اس خاکسار نے، اپنے دو مضمونوں میں دکھائی ہیں، شاید ناظرین کی نگاہ سے گزری ہوں گی، یا گزریں گی، یہ تو آخری لمحات کے ایمان افروز حالات ہیں۔

لیکن زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا، کس حال میں ہوا، کن کن منزلوں سے زندگی گزری

،کس کس نشیب وفراز میں حالات نے ہچکولے کھائے ،روزی کی تقسیم کس کس سرزمین سے وابستہ رہی ،نشو ونماو تربیت کن کن بزرگوں کے سایۂ رحمت کے ماتحت ہوتی رہی ،افادہ اور استفادہ کا سفر کن کن مرحلوں سے ہوتا ہوا تکمیل کو پہونچا۔

عمر عزیز کی طویل مدت کا یہ سفر ،اس سفر کی منزلیں ، بہت سے لوگوں ،عزیزوں قرابت مندوں ،شاگردوں ،اور مریدوں کے نگاہ سے گزرتی رہتی ہیں ،مگر جیسے ہی یہ سفر اپنی آخری منزل پر پہونچ کر کمر کھولتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نگاہوں سے سارے مراحل اوجھل ہوگئے ،جنھوں نے قریب سے دیکھا ہے ،وہ صدمہ کی ایک کیفیت میں فراموشی کی دنیا میں کھو جاتے ہیں ،جنھوں نے بہت کچھ دیکھا ہے ،ان کی زبان گنگ ہوجاتی ہے ،جب زبان ہی گنگ ہوگئی تو قلم کا کیا یارا ہے کہ وہ اظہار کرے۔

پھر اللہ کو منظور ہوتا ہے کہ زندگی کے نافع اجزا اور مفید حصے لوگوں کے ذہن ودماغ میں محفوظ رہیں ،تو حق تعالی کی تدبیر اس کا انتظام کرتی ہے ،حضرت مولانا کی زندگی کے بقاء کا حسن انتظام اللہ کی طرف سے یہ ہوا کہ مولانا کے رنگ طبیعت کے خلاف ،مولانا کے افتادِ مزاج سے الگ ،خود انھیں کے قلم سے حالات وسوانح کی تحریر کا سلسلہ شروع کرایا گیا۔

مولانا کا رنگ طبیعت یہ تھا کہ وہ اپنے احوال وکوائف کا عموماً اظہار نہیں کرتے تھے ،ان کا مزاج پوشیدگی اور کتمانِ حالات کا تھا ،اس مزاج اور اس رنگ کے ساتھ یہ تصور کہ وہ اپنے حالات اپنے قلم سے لکھیں گے ،ایک بعید تصور تھا ،مگر اللہ کے فیصلے نے مولانا سے یہ انہونا کام نہ جانے کب شروع کرادیا تھا ،پھر جب مولانا بستر مرض پر آئے ،اور دنیا سے رخصت ہونے کے آثار سامنے آنے لگے ،اور ساتھ ہی ساتھ ایمان ویقین کی روشنی تیز سے تیز تر ہونے لگی ،نصائح اور وصایا کا سلسلہ شروع ہوا ،تو خود آپ کو بھی اور آپ کے صاحبزادوں کو بھی ناتمام لکھی ہوئی آپ بیتی یاد آنے لگی ،مولانا نے وعدہ کیا کہ مہلت ملی تو اسے اپنی حد تک تکمیل کو پہونچاؤں گا اور امید ظاہر کی کہ مہلت ملے گی ،چنانچہ زندگی کے وقفے میں حق تعالی نے مہلت عطا فرمائی ، کچھ بطور خود اور کچھ صاحبزادۂ محترم مولانا عبد الباسط صاحب سے بطور املا کے لکھوائی ،اس کا نام خود

مولانا نے ''اپنی باتیں'' رکھا۔

زندگی کے آغاز سے اس کے اختتام کے قریب تک یہ ایک مکمل، جامع لیکن مختصر آپ بیتی ہے، صاحب زندگی، اپنی زندگی سے جیسا واقف ہوتا ہے، دوسرا کیوں کر ہوسکتا ہے، پھر وہ صاحب زندگی اگر راست باز، دیانت دار، قوی الحفظ، فہیم وزیرک، خدا ترس اور بے نفس ہو، تو اس کا لفظ لفظ معیارِ حق وصداقت بن جاتا ہے، پڑھنے والوں کے لئے دیانت و امانت کی راہ روشن کرتا ہے۔

مولانا کے انتقال کے بعد، مولانا پر جو مضامین ان کے تلامذہ ومحبین لکھیں گے، وہ تو لکھیں گے ہی، اس کے ساتھ صاحبزادۂ محترم مولانا عبدالباسط صاحب نے اہتمام کیا کہ سچائی کی یہ دستاویز، اور روشنی کی یہ شمع دلآویز ڈھونڈنے والوں، محبت کرنے والوں اور صدمہ و غم میں ڈوبنے والوں کے ہاتھوں میں آجائے، تاکہ ان سچے حالات کی روشنی میں محبت کی لو تیز اور غم کا زخم مندمل ہو،

اللہ تعالی اسے قبول فرمائیں، پڑھنے والوں کے لئے رہنما بنائیں، غمزدہ وارثین واہل محبت کے لئے سرمایہ تسکین بنائیں، اور مولانا کی روح کو اعلی علیین میں فرحت وشادمانی سے نوازیں۔ آمین

تلمیذہ الاصغر اعجاز احمد اعظمی

۱۶/رجب ۱۴۳۴ھ

رفتید و لے نہ از دلِ ما

مفتی عبداللہ معروفی استاذ دارالعلوم دیوبند

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ

محمد ، وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ؛ وبعد :

وما کان قیس هلکه هلک واحد ولکنــــه بنیـان قـوم تهدما

اس میں شبہ نہیں کہ دین اورعلم دین کی خدمت کرنے والے ہر زمانے میں کثیر تعداد میں موجود رہے ہیں، جن کی مشترکہ محنتوں اور کوششوں سے آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ دین اسلام تابندہ ودرخشاں ہے، فرق اگر ہے تو ان خدام دین ومصلحین قوم وملت کے اخلاص، للّٰہیت اور امت مسلمہ کے حق میں جذبۂ خیر خواہی وخود فراموشی میں کمی بیشی کا ہے، جس خادم قوم وملت میں یہ صفات جس قدر مکمل رہیں اسی قدر اس کی خدمات کو اسبابِ ظاہری کی کمی بلکہ فقدان کے باوجود مقبولیت وپائیداری حاصل ہوئی۔

بڑے ابا (تایا جان) حضرت مولانا زین العابدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھی جو اپنی گوناگوں خصوصیات وامتیازات اپنی بےلوث دینی وعلمی خدمات، ملت اسلامیہ کی خیر خواہی اور خود فراموشی کی وجہ سے ہمیشہ یاد کی جاتی رہے گی، اس میں شبہہ نہیں کہ اس طرح کی شخصیات کی سوانح زندگی، اخلاق وکردار اور قربانیوں کا ذکر وتذکرہ بعد والوں کو آگے بڑھنے کے لیے مہمیز کا کام کرتا ہے اور زندگی کے سرد وگرم سے دوچار، عاجز ودرماندہ مسافر کی بروقت حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

پھر سیر وسوانح کے اس کیمیا اثر مواد میں ''آپ بیتی'' کا کردار ''جلتی پر تیل'' کے

مرادف ہوتا ہے، کیوں کہ وہ مبنی بر حقائق ہونے کے ساتھ ہر طرح کے تصنع، مبالغہ آرائی یا مصلحت کوشی سے پاک ہوا کرتی ہے، خاص طور سے اصحابِ نسبت اللہ والوں کی خودنوشت سوانح کہ ان میں صاحبِ سوانح کی سادگی، جذبۂ خمول اور کسرنفسی کے شامل ہوجانے کے بعد ''سونے پر سہاگہ'' ہوجاتا ہے، اور پھر دلچسپی اور اثر پذیری میں وہ اپنی نظیر آپ ہوتے ہیں، مردِ صالح کی آپ بیتی سے جہاں مصنف کی شخصیت، اس کے اخلاق و عادات اور نفسیات کے دقیق پہلو بے حجاب ہوتے ہیں وہیں مردانِ کار کو مختلف پہلو سے گُر کی باتیں اور تدبیر وحکمت کے جواہر پارے بھی ہاتھ آجاتے ہیں، زیرِ نظر کتاب ''اپنی باتیں'' بھی اسی طرح کی ایک سبق آموز اور علم وحکمت سے لبریز ایک مردآہنگ کی داستانِ خودنوشت ہے۔

جس طرح حکماء اور سائنس دانوں کے بقول خلاء محال ہے، اسی طرح عقل مند کی زندگی میں فراغ اور بے کاری بھی محال ہے، بڑے ابا مرحوم کی شخصیت اس حقیقت کی ایک عملی تصویر تھی، بڑھاپے اور ضعف کے باوجود ایک ایک لمحہ کی حفاظت کرنا ان ہی کا حصہ تھا، علالت اور مرضِ وفات کے لمحات بھی اسی کوشش میں صرف ہوئے کہ جاتے جاتے کوئی کام کر جائیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، برادرم جناب مولانا عبدالباسط صاحب کے مفصل سوانحی مضمون اور حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب مدظلہ کے شائع شدہ مضمون میں اس کی جھلک کافی حد تک ناظرین نے ملاحظہ فرمالی ہوگی، اور ان شاء اللہ کسی موقع سے ناچیز راقم الحروف بھی کچھ جھلکیاں قیدِ تحریر میں لانے کی کوشش کرے گا، اس وقت صرف اس پہلو کی جانب توجہ دلانی مقصود ہے کہ پیش نظر آپ بیتی ''اپنی باتیں'' کا زیادہ تر حصہ ایک زائد امر تصور کرتے ہوئے اسی مرض وفات میں تصنیف کیا گیا ہے، ورنہ جب تک کام کرنے کی سکت اور طاقت رہی، تشنگانِ علم دین کو سیراب کرنے اور تصنیفی و تحقیقی مشاغل میں ہمہ وقت وہمہ تن اپنے آپ کو مصروف رکھا، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم نے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ کی آپ بیتی کے متعلق کہا اور کیا خوب کہا! ان کے الفاظ کا اعادہ غالباً اس جگہ بھی سودمند ہوگا:

''اللہ رب العالمین کی عجب شانِ بندہ نوازی ہے کہ جو اس کے محبوب اور مقبول بندے ہوتے ہیں ان کی زندگی کے ہر لمحے کو خلقِ خدا کی خدمت اور انسانیت کے لیے فلاح و بہبودی کے کاموں کے واسطے وقف فرما دیتے ہیں، اور ان کی مجبوری و بے بسی کے اوقات کی ایک ساعت بھی ضائع نہیں ہونے دیتے، چنانچہ حضرت اقدسؒ کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش آیا، علاجِ چشم کے سلسلہ میں چند روز کے لیے آپ کو مقید کر کے صاحبِ فراش بنا دیا گیا، تو مجبوری کے اس عالم میں بھی اللہ رب العالمین نے وہ عظیم کام لے لیا جس کی افادیت نہایت وسیع، ہمہ گیر اور لافانی ہے۔'' اھ

برادرم جناب مولانا عبدالباسط سلمہ نے پہلی فرصت میں حضرت مرحوم کی باتیں جو مصنفؒ کے ہی تجویز کردہ نام ''اپنی باتیں'' سے موسوم ہیں، طبع کرانے کی کوشش فرمائی اس کے لئے ہم سب ان کے ممنون ہیں، اور مستقبل قریب میں کسی مستقل سوانح عمری، یا حضرات مشاہیر کے قلم سے تاثرات و حالات کا حسین گلدستہ دیکھنے کے آرزومند و کوشاں بھی ہیں، وما ذلک علی اللہ بعزیز.

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو باعث خیر بنائے اور حضرت مرحوم کی حسنات میں ایک مقبول اضافہ کے طور پر اپنی بارگاہ میں شرف قبول بخشے۔

بندہ
عبداللہ معروفی
دارالعلوم دیوبند، سہارن پور
۲۷/ شعبان المعظم/ ۱۴۳۴ھ

’’مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں‘‘

﴿عبدالباسط قاسمی ابن الشیخ مولانا زین العابدین اعظمیؒ مظاہر علوم سہارنپور﴾

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین محمدوعلیٰ آله واصحابه أجمعين امابعد

میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی شخصیت ایک ہمہ جہت شخصیت تھی، اللہ تعالیٰ نے انھیں علم وعمل کی جامعیت عطا کی تھی، تواضع وانکساری ان کی خاص صفت تھی، مردم گری وافراد سازی میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے، عوام وخواص میں وہ یکساں مقبول تھے، ان کے اندر نفع رسانی خلق کا جو جذبہ تھا فی زمانہ اس کی نظیر کم دیکھی گئی، انھوں نے اپنے آپ کو شہرت وناموری سے ہمیشہ دور رکھا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں خصوصی شہرت ومقبولیت اور ہردل عزیزی عطا فرمائی تھی، وہ ایسی شمع فروزاں تھے جس کے اردگرد ہمیشہ جاں نثار پروانوں کی ایک بھیڑ لگی رہتی تھی، جس شمع کی تابناکی اور ضیا پاشی اخیر دم تک پروانوں کے لیے تسکین قلب ونظر کا سامان بنی رہی، ان کی رحلت کے بعد بھی ہنوز خلق کثیر اپنے دلوں میں بے پایاں عقیدت واحترام کے جذبات محسوس کررہی ہے، اہل علم اور اہل قلم منثور ومنظوم وارداتِ قلب بیان کرنے میں اب بھی مصروف ہیں، رحلۃ الشیخ کے بعد پورہ معروف اور اس کے اطراف میں بڑے بڑے تعزیتی جلسے منعقد کیے گئے جن میں ہزاروں عقیدتمندوں نے شرکت کی، ملک کے اکثر مدارس میں تعزیتی نشستیں منعقد ہوئیں، اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا، روزنامہ انقلاب اور راشٹریہ سہارا نے ایک ہفتے تک والد صاحب کے تعلق سے پورے علاقے میں ہونے والے تعزیتی پروگرام کی تفصیلات شائع کیں، ملک کے معروف رسائل وجرائد نے اداریئے اور خصوصی مضامین لکھے، مشاہیر اہل علم اور اہل قلم کے علاوہ مختلف ملی وسیاسی تنظیموں کی طرف سے ہمیں تعزیتی پیغامات موصول ہوتے رہے، علاقے کے ایم، پی، ایم، ایل، اے، اور سیاسی وفود نے اہل خانہ سے ہمدردی کا اظہار کیا، مسلم قائدین کے علاوہ غیر مسلم زعماء نے بھی ہمارے گھرانے والوں سے ملاقاتیں کیں، ہمارے غریب خانہ پر تشریف لاکر یقین دلایا کہ وہ رنج وغم کی اس گھڑی میں ہمارے

ساتھ ہیں۔علاوہ ازیں ہمارے قصبہ کے سابق اور موجودہ پردھانوں (بالخصوص ڈاکٹر جلال الدین، ڈاکٹر الطاف احمد) اور دیگر لوگوں نے بھی تعزیت کرنا باعث سعادت سمجھا۔

والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی آخری آرام گاہ پر فاتحہ خوانی کرنے والوں کا سلسلہ اب بھی بند نہیں ہوا ہے۔

بیماری کے زمانے میں والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی زبان پر اکثر یہ شعر آ جایا کرتا تھا۔

کششے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیںساں به جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

لوگ دور دراز سے آ کر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور اس مذکورہ بالا شعر کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

یہ تمام سرگزشت قارئین کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی ہے، لیکن اس کے علاوہ ایک اور سرگزشت بھی ہے جسے والد صاحب نے خود اپنے ہاتھوں تحریر فرمایا ہے، اور جس کا لوگوں کو بڑی شدت سے انتظار بھی ہے، وہ ''اپنی باتیں'' کے عنوان سے قارئین کرام کے ہاتھوں تک پہنچانے میں ہم انتہائی خوشی و مسرت محسوس کر رہے ہیں۔یہ آپ بیتی نہایت مختصر ہونے کے باوصف پوری زندگی کے حالات و واقعات پر محیط ہے۔

والد صاحب نوراللہ مرقدہ نے اسے پہلے پہل ۶/رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۲/جولائی ۱۹۷۴ء کو بستر علالت پر لکھنا شروع کیا تھا، ان کے سگے ماموں زاد بھائی مولانا محمد عثمان معروفی نے بڑی مشکلوں سے انھیں اس تحریر پر آمادہ کیا تھا ورنہ تو والد صاحب کا مزاج کتمان حالات کا تھا، ان کا خیال تھا کہ آپ بیتی لکھنے میں خودستائی کا پہلو نکلتا ہے، شروع شروع میں انھوں نے اعراض سے کام لینا چاہا، مگر ہوا یوں کہ والد صاحب ایک بار نہایت شدید و مدید بیماری میں دیر تک فریش فرش علالت رہے، ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے اور علمی مشغولیات سے سختی سے منع کر دیا، چونکہ طبیعت ہمہ وقت لکھنے پڑھنے اور مطالعہ و مذاکرہ کی عادی تھی اس لیے یہ یکسوئی اور مطالعہ سے بے توجہی و بے التفاتی بالکل راس نہ آئی اور بقول شاعر ع

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

والا معاملہ ہوگیا، بالآخر دل بہلانے، اور تفریح طبع کے لیے حضرت والد صاحبؒ نے مولانا محمد عثمان صاحب معروفی کے مشورے پر عمل کرنا شروع کردیا، دل ودماغ کو راحت او رفرحت محسوس ہوئی، اور آہستہ آہستہ بیماری کا عارضہ اور دوران سر کی شکایت مکمل رفع ہوگئی، پھر دوسری علمی مصروفیات کی وجہ سے آپ بیتی کا یہ حسین ودل آویز مرقع سردخانے میں چلا گیا۔

کچھ فلک کی نیرنگیوں نے بھی اپنا رنگ دکھلایا، ہمارے گھر کا بہت سارا علمی ورثہ مکان ٹپکنے اور دیمک وغیرہ لگنے سے ضائع ہوگیا، والد صاحب کے کئی علمی مخطوطات، اکابر کے خطوط، اور بعض نقد وتبصرے زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے، علاوہ ازیں ایک نوٹ بک جس میں والد صاحب زندگی کی خاص خاص یادداشتیں لکھا کرتے تھے ضائع ہوگئی، حسن اتفاق کہ آپ بیتی کی شکل میں یہ ناتمام داستان حیات محفوظ رہ گئی، جب میں نے یہ صورت حال اور اس آپ بیتی کی طرف سے والد صاحب کی سردمہری وبے التفاتی دیکھی تو اسے اپنے پاس محفوظ کرلیا، ایک اور قیمتی مسودہ جو ''قال بعض الناس '' کے سلسلہ میں تھا، اور پانچ ''قال بعض الناس '' کا جواب بھی لکھا جاچکا تھا کہ ہمارے گھریلو حالات ناسازگار ہوگئے، میری والدہ مرحومہ اللہ کو پیاری ہوگئیں، تدریس کے علاوہ خانگی ذمہ داریاں اور بچوں کی پرورش وپرداخت والد صاحب کے کاندھوں پر آگئیں اور یہ علمی کام بھی رک گیا، پھر امداد الباری شرح صحیح بخاری اور دوسرے علمی کاموں کی وجہ سے والد صاحب کو ان کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہ مل سکی، چنانچہ اس مسودے کو بھی میں نے اپنے پاس محفوظ کرلیا، اور والد صاحبؒ کو اس کی اطلاع دیدی، غالباً ۱۹۹۵ء سے یہ دونوں مسودے میرے پاس محفوظ تھے، آپ بیتی ۱۹۷۴ء اور قال بعض الناس کا جواب ۱۹۸۴ء میں والد صاحب نے لکھنا شروع کیا تھا، ۲۰۰۹ء میں میں نے ان دونوں علمی مسودوں کی عزیزم حافظ محمد شاہد سلمہ سے (جو کئی برس تک میرے تجارتی امور میں معاون ومددگار رہے نہایت محنتی اور وفاشعار، سلیقہ منداور دیانت دار) کے ذریعہ سے کتابت کراکے والد صاحب کے پاس بھیج دیا کہ آپ اس کی تصحیح فرماکر اس کام کو آگے بڑھائیں۔ اور وقفہ وقفہ سے اصرار بھی جاری رہا، الحمدللہ میرے اصرار کی وجہ سے والد صاحب نے از راہ شفقت دوبارہ اس آپ بیتی کو لکھنا شروع کیا، اساتذہ

دارالعلوم میں ابھی صرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر خیر ہوسکا تھا، ۲۰۱۰ء میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزازعلیؒ کے ذکر مبارک سے دوبارہ کتاب کا آغاز ہوا، کچھ دنوں بعد پھر سلسلہ رک گیا اور ایک ڈیڑھ برس تک رکا رہا۔

پھر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق نومبر ۲۰۱۳ء میں جب میرا تقرر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں ہوگیا اور بفضل خدا ہمہ وقت کی صحبت ورفاقت میسر آئی تو میں نے اس کام کی طرف پھر توجہ دلائی، کام شروع ہوگیا ابھی چند ہی دن گذرے تھے کہ ایک مہلک مرض کا انکشاف ہوا، والد صاحب صبر وثبات اور عزم واستقلال کا پہاڑ بنے رہے، اور ہمہ تن علمی کاموں میں مصروف رہے، بیماری کا عارضہ گھٹتا بڑھتا رہا لیکن معمولات میں کچھ فرق نہ آیا، تدریسی، تصنیفی اور نفع رسانی خلق کا سلسلہ پابندی سے چلتا رہا، صرف بعد نماز عصر تا مغرب خودنوشت تحریر فرماتے رہے، وقفہ وقفہ سے ناغہ بھی ہوتا رہا، آپ بیتی سے قبل ''المؤتلف والمختلف'' مقالہ جات کی جانچ اور نظر ثانی ہوتی رہی، جب ناطاقتی حد سے بڑھ جاتی تو املا کرادیا کرتے تھے، زیادہ تر مولانا خالد سعید مبارکپوری اور یہ ناکارہ راقم الحروف ان کی خدمت میں حاضر باش تھا اور ان کے ملفوظات کو زیادہ تر وہ اور کبھی کبھار میں لکھا کرتا تھا، لیکن کوشش یہ رہی کہ جس حد تک ممکن ہو والد صاحب خود تحریر کریں، املا نہ کرائیں کیونکہ املا کرانے میں انشاء پردازی اور شگفتگی تحریر کو باقی رکھنا ذرا مشکل ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ بیتی کافی حد تک مکمل ہوچکی تھی اخیر کے چند پند ونصائح اور توبہ باقی رہ گئی تھی، ایام علالت میں یہ مسودہ ہمیشہ ساتھ رہا۔

۲۲/مارچ ۲۰۱۳ء جب والد صاحب مظاہر علوم سہارنپور سے رخصت ہوکر اپنے وطن تشریف لے جارہے تھے تو یہ دونوں مسودے (آپ بیتی اور قال بعض الناس) ان کے ساتھ تھے خیال تھا کہ آپ بیتی مکمل ہونے کے بعد قال بعض الناس پر کام شروع ہوگا لیکن افسوس کہ

ما در چہ خیالیم وفلک درچہ خیال

آپ بیتی تو مکمل ہوگئی لیکن ''باب توبہ'' باقی رہ گیا تھا، ۱۷/اپریل ۲۰۱۳ء کو والد صاحب نے آٹھ دس حاضرین کے سامنے بآواز بلند توبہ کی اور ہم لوگوں کو اس توبہ پر گواہ بنایا اور فرمایا کہ تم لوگ اس

توبہ پر گواہ رہنا کہ میں نے تم لوگوں کے سامنے توبہ کی ہے میں نے اس توبہ کو اسی وقت قلم بند کرلیا، کیونکہ آپ بیتی کا آخری باب تھا اس لئے اسے آپ بیتی کے آخر میں شامل بھی کردیا، اب رہا ''قال بعض الناس'' کا قضیہ تو وہ کام بیماری کے زمانے میں ہی مولانا رضوان الرحمٰن صاحب قاسمی معروفی استاذ فقہ وحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس کے حوالہ ہوگیا تھا ۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ کو میں نے قال بعض الناس کا مسودہ اور بعض معاون کتب ان کے حوالہ کردیں، انشاءاللہ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

آپ بیتی سے متعلق کچھ خاص باتیں

(۱) میرے مطالعہ کی حد تک یہ پہلی آپ بیتی ہے کہ جس کا اختتام توبہ پر ہوتا ہے۔

(۲) والد صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ زکریا علیہ الرحمہ نے اپنی آپ بیتی بیماری کے زمانے میں لکھی تھی، اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں نے بھی اسے بیماری کے زمانے میں ہی لکھا۔

(۳) والد صاحب نے فرمایا تھا کہ اس کا نام جیسا کہ میں نے تجویز کیا ہے ''اپنی باتیں'' ہی رہے گا اس میں کچھ ترمیم نہ کرنا، مزید فرمایا کہ میں نے اپنی تحریروں میں فارسی کے بجائے زیادہ تر اردو تراکیب استعمال کی ہیں جبکہ مولانا محمد عثمان صاحب معروفی زیادہ تر فارسی تراکیب استعمال کیا کرتے تھے، مولانا اسباب کو جمع استعمال کرتے تھے، میں واحد استعمال کرتا ہوں، جیسا کہ شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ نے اس شعر میں استعمال کیا ہے۔

کچھ نہیں چاہئے تجہیز کا اسباب مجھے چاہئے بہر کفن چادر مہتاب مجھے

پھر یہ پوری غزل سوز گداز اور ترنم سے پڑھ کر سنائی جس کا ہر ہر شعر عشق ومحبت، بےخودی وسرشاری اور شوق لقا میں ڈوبا ہوا ہے۔

اس نے مارا رخ روشن کی دکھا تاب مجھے عشق نے کشتہ کیا صورت سیماب مجھے

کل جہاں سے کہ اٹھالائے تھے احباب مجھے لے چلا آج وہیں پھر دلِ بےتاب مجھے

میں نہ تڑپا جو دمِ ذبح تو یہ باعث تھا کہ رہا مد نظر عشق کا آداب مجھے

میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں بھی ہمیشہ خط میں قبلہ وکعبہ لکھا کرتا تھا القاب مجھے

(۴) ابا جان علیہ الرحمہ نے ممکن حد تک ایسی باتوں سے پرہیز کیا ہے جس میں خود ستائی کا پہلو نکلتا ہو۔

(۵) سہارنپور آنے سے قبل والد صاحب نے دو مہتممین کا ذکر قدرے تفصیل سے کر دیا ہے وہ دونوں بزرگ مولانا حبیب اللہ فیروز پوری مہتمم دارالعلوم چھاپی گجرات اور مولانا محمد رضوان القاسمی مہتمم دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد ہیں۔

سہارنپور تشریف آوری کے بعد جس شخصیت نے والد ماجد علیہ الرحمہ کو سب سے زیادہ متأثر کیا وہ حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ العالی ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی ذاتِ گرامی ہے، انھوں نے والد صاحب کو بڑی اہمیت دی، ہر طرح حسن سلوک اور خیر خواہی کا معاملہ فرمایا، نہ صرف شعبہ تخصص فی الحدیث کی حد تک بلکہ پورے ادارے کے سلسلہ میں جس طرح انھوں نے کشادہ قلبی کے ساتھ والد صاحب کے مشوروں پر عمل کیا اور انھیں بنظر استحسان دیکھا اس کی نظیر فی زمانہ بڑی مشکل سے ملے گی اس درجہ تعلق خاطر تھا کہ علالت کے زمانہ میں کہ حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی روزانہ خیریت دریافت کیا کرتے تھے، ادھر والد صاحب بھی بستر علالت پر لیٹے لیٹے برابر دعائیں دیتے رہتے تھے اور انھیں یاد کرتے رہتے تھے، اور مفید مشورے بھی دیتے رہتے تھے، دونوں طرف سے تعلق خاطر کا اظہار گاہے بگاہے چشم گریاں اور اشک رواں کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا رہتا، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ۶۲ر برس کی تدریسی زندگی میں تین مہتممین کو نہایت وفا شعار، خوش گفتار، کشادہ قلب، کشادہ ذہن، اخلاق کریمانہ اور اوصاف حمیدہ کی شریفانہ روش پر کاربند دیکھا دو صاحبین کا ذکر خیر اوپر گذر چکا تیسرے صاحب یہی حضرت مولانا محمد سلمان صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ہیں، وقتاً فوقتاً جن کی علم دوستی، علماء نوازی، کرم گستری، جود وعطاء، اور سخاوت وفیاضی کے نمونے بھی سامنے آتے رہے، بلاشبہ ان کے اہتمام کا دور جامعہ مظاہر علوم کی تاریخ میں ایک زریں عہد کے نام سے یاد رکھا جائے گا۔

(۶) اس آپ بیتی میں تلامذہ کی فہرست میں صرف ان علماء پر اکتفاء کیا گیا ہے

جو کسی نہ کسی حیثیت سے نمایاں ہوئے، ورنہ ان کے علاوہ متعلقین و متوسلین اور قرابت داروں کی ایک لمبی فہرست ہے، لیکن سب کا احاطہ مشکل ہے البتہ جن کا ذکر رہ گیا ہے وہ بہت مختصر ہے ذیل کی سطور میں ان کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

والد صاحب کے ابتدائی دور کے خدمت گذاروں میں (۱) مولانا و حافظ بشیر احمد گھوسوی مرحوم کا نام نامی سرفہرست ہے، ان کے بارے میں والد صاحب نے فرمایا:

''کہ جو طالب علم اپنے استاذ کی خدمت کرتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوسکتا، چاہے پڑھنے میں بالکل بودا ہی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس سے ضرور دین کا کام لیتے ہیں، اس کی زندہ مثال حافظ بشیر صاحب کی ذات گرامی ہے جن کے پاس عموماً چھ مہینے میں بچے ناظرہ قرآن کریم ختم کرلیا کرتے تھے حالانکہ یہ پڑھنے کے زمانے میں بالکل کمزور تھے سوائے اساتذہ کی خدمت کے کوئی دولت ان کے ہاتھ نہ لگ سکی''

یہ قرابت میں ہمارے ماموں ہوتے تھے ان کے صاحبزادے (۲) مولانا انصار احمد مظہری ہیں جو اردو ہندی فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں پر اچھی قدرت رکھتے ہیں، ملی اور رفاہی کاموں میں بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں رشتوں، ناطوں کو نبھانا بھی خوب جانتے ہیں، فوج میں صوبے دار کی پوسٹ پر ہیں، ان دنوں کشمیر میں مقیم ہیں، بقول شاعر

اگر پدر نہ تواند پسر تمام کند

(۳) مولانا عبدالودود صاحب معروفی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث عربک کالج رنگیا آسام، انھیں والد صاحب سے والہانہ عشق تھا، سگے چچا زاد اور خالہ زاد اور رضاعی بھائی بھی تھے، حکومت آسام نے انھیں علمی خدمات پر گولڈ میڈل اور سند توصیفی عطا کی تھی، چند برس پہلے انتقال فرماگئے، ماہنامہ ''پیغام پورہ معروف'' میں دیگر تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(۴) حاجی محمد نعیم صاحب گھوسوی مرحوم: رشتہ میں ہمارے دور کے ماموں ہوتے تھے، کئی برس تک مدرسہ قاسم العلوم گھوسی ضلع مئو کے ناظم اعلی رہے، سخاوت و فیاضی ان کا

خاص وصف تھا، یہ مدرسہ اکثر وبیشتر مالی مشکلات کا شکار رہا کرتا تھا، حاجی صاحب ہر نازک وقت میں تعاون کے لئے تیار رہتے تھے، مہمانوں کا اکرام اوران کی خاطر مدارات خوب کرتے، ۱۹۹۵ء میں جب پورہ معروف میں جامعہ ام حبیبہ قائم ہوا تو انھوں نے ایک خطیر رقم بطور قرض عنایت فرمائی، ایک بار میں نے ان سے بطور تشکر عرض کیا کہ: بروقت آپ کے تعاون سے ہمیں بڑی سہولت ہوگئی تو فرمایا کہ:''قرض دینے کی برکتوں سے میں بھی مالا مال رہا، جب قرض واپس ہوا تو میں نے تھوڑی سی رقم اس میں ملا کر حج جیسی اہم عبادت ادا کرلی''، بہت سویرے اٹھنے کے عادی تھے، تہجد کے بعد ذکر واذکار اور تلاوت سے فراغت کے بعد فجر کی نماز ادا کرنے مسجد میں جایا کرتے تھے، نانیہال میں رات کا ہمارا قیام زیادہ تر انھیں کے گھر ہوتا تھا اس لئے بارہا اس کا مشاہدہ ہوا۔

رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کے اعتکاف میں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے بڑے خدمت گذار، اور وفا شعار، مہمان نواز، اور غمگسار، نہایت مخلص اور بے لوث، ٹوٹ کر محبت کرنے والے، بے نفس، اور بے ضرر، انسان تھے، شکل وصورت معمولی تھی لیکن سیرت وکردار میں بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوجائے، ان کے اوصاف کو دیکھنے کے لیے بصارت سے زیادہ بصیرت کی ضرورت ہے۔ بقول جلیل مانک پوری

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں　　　وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

انتقال سے قبل سر میں درد شروع ہوا، پھر عارضہ بڑھتا گیا، علاج معالجہ کارگر نہ ہوسکا دوماہ بیمار رہ کر ۱۹/دسمبر ۲۰۰۹ء بروز سنیچر دوپہر میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ اگلے روز مولانا محمد اویس قاسمی نے پڑھائی۔

(۵) مولوی محمد اسماعیل کوپا گنجی (پیدائش: ۲۵/جون ۱۹۷۸ء) مدرسہ مصباح العلوم کوپا گنج اور مدرسہ وصیۃ العلوم کوپا گنج سے تعلیم حاصل کرکے ۱۹۹۳ء میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد پہونچے، اور یہیں سے ہمارے تعلقات کی ابتدا ہوئی، اور یہ تعلق اخیر عمر تک قائم رہا، والد صاحب کے خادم خاص، میرے ہمدم دیرینہ، جفاکش اور محنتی، وفا کیش، کوپا گنج جب بھی

جانا ہوتا انہیں کے یہاں قیام ہوتا تھا، سفر وحضر میں بھی بار بار والد صاحب کے ساتھ رہے، فراغت کے بعد ایک سال (۱۹۹۷ء) والد صاحب کی خدمت میں وقت گزارا، ۲۰۰۱ء تا ۲۰۰۴ء میرے ساتھ کاروبار میں شریک رہے، ہمارے ایک شریک مولوی سیف الرحمٰن قاسمی بھی تھے، ہم تین آدمیوں نے مل کر مشترک کاروبار کیا، اللہ تعالیٰ نے برکت عنایت فرمائی۔

(٦) مولوی سیف الرحمٰن قاسمی ابن مقبول احمد ابن حافظ عبد القیوم صاحب گھوسوی: والد صاحب سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے، حاجی محمد نعیم صاحب کے ساتھ گجرات کے اعتکاف میں شریک ہوئے، پورہ معروف کی خانقاہ کے معمولات میں اکثر وبیشتر شرکت کرتے رہے، میرے قریبی ساتھی ہیں، مظہر العلوم بنارس میں بھی ساتھ رہا اور دار العلوم دیوبند میں بھی میرے ساتھ ۱۹۹۸ء میں فارغ ہوئے، ۱۱ر دسمبر ۱۹۷۷ء کی پیدائش ہے، مہمان نوازی میں ممتاز ہیں، پہچان پہچان کر مہمان نوازی کے قائل نہیں، ان کا خیال ہے کہ جود وسخا عام ہونی چاہئے، اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ یکساں اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں، متدین، پرہیز گار اور غریب پرور ہیں، نمازوں اور تلاوت سے خاص شغف ہے، طبیعت انتہائی حساس ہے، فی الحال کاروباری زندگی سے وابستہ ہیں، دینی پیش رفت قابل رشک ہے۔

(۷) مولوی مطیع اللہ قاسمی، اصلاً یہ مولوی اسماعیل کے دوست تھے پھر مجھ سے بھی دوستی ہوگئی، یہ اور مولوی اسماعیل ہم مزاج ہم مذاق، ہم پیالہ ہم نوالہ تھے، خدمت میں بھی پیش پیش رہے، اس وقت سعودی عرب میں بسلسۂ ملازمت مقیم ہیں۔

(۸) مولانا شبیر احمد مشتاق معروفی مبعوث رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ ذکر وشغل میں حد درجہ پابند، خاندانی نجابت وشرافت ان کے چہرے بشرے سے ظاہر، رمضان المبارک اور ذکر کی مجلسوں میں حاضر باش، عربی زبان وادب کے رمز شناس، مدرسہ منبع العلوم نظام آباد کے استاذ فقہ وادب، ۲۰ر جولائی ۱۹۶۰ء کو پیدا ہوئے، پورہ معروف اور اطراف میں النادی الاسلامی کے تحت مکاتب اسلامیہ کے قیام میں سرگرم عمل ہیں۔

(۹) مولانا رضوان الرحمٰن قاسمی ابن مولانا حسین احمد معروفی: استاذ فقہ وحدیث جامعہ

اسلامیہ بنارس، اورادووظائف کے پابند، ملنسار، مہمان نواز، ان کی زندگی جہد مسلسل اور سعی پیہم سے عبارت ہے، میرے ہم پیالہ وہم نوالہ، ہم دم وہم راز، والدصاحب کے خدمت گذار، امام عیدین پورہ معروف، ربانی خانقاہ کے انتظام وانصرام میں پیش پیش، اوراس کے رکن شوریٰ، علم وعمل کی راہ پر رواں دواں، تدریس کے علاوہ مضمون نگاری کا سلیقہ بھی رکھتے ہیں رسالہ ترجمان الاسلام بنارس میں مولانا نظام الدین اسیر ادروی صاحب کے معین ومددگار رہے، مولانا ابوبکر غازی پوری کے تربیت یافتہ ہیں، ان کی مشہور عربی کتاب ''وقفۃ مع اللا مذہبیۃ'' کا اردو ترجمہ بنام'' آئینۂ غیر مقلدیت'' اور ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی کی عربی کتاب ''بیوت الصحابۃ'' کا اردو ترجمہ'' صحابۂ کرام کے مکانات'' کے نام سے کیا ہے، دونوں کتابیں مطبوع ہیں، ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں پورہ معروف میں پیدا ہوئے، درس نظامی کے مطابق ''جلالین'' تک یہیں تعلیم حاصل کی، ۱۴۰۵ھ ۱۹۸۵ء دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، ۱۹۸۶ء میں تکمیل ادب کیا، جون ۱۹۸۷ء سے جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس میں تدریس سے وابستہ ہیں، ان کے والد مولانا حسین احمد معروفی، والدصاحب کے ابتدائی زمانہ کے شاگردوں میں سے تھے، طرفین میں بڑی محبت تھی، پھر یہ محبت مولانا رضوان الرحمٰن کی طرف منتقل ہوگئی، والدصاحب نے کئی بار اس کا ذکر کیا ہے۔

(۱۰) مولوی عبدالرحیم معروفی میرے چچازاد بھائی، خدمت کے لیے اشارۂ چشم وابرو کے منتظر، ایام صحت وعلالت میں انہوں نے اور انکے جملہ اہل خانہ نے خوب خدمت کی۔

(۱۱،۱۲) غیر علماء میں برادرم ابصار احمد برادرم افتخار احمد بنارسی ثم اللکنوی اوران کے جملہ برادران واہل خانہ، ممکن نہیں کہ مخلصین کی مختصر سی مختصر فہرست مرتب کی جائے اوران لوگوں کے نام رہ جائیں، اطاعت گزار، بڑے خلیق، بڑے ملنسار یہ لوگ ہمارے گھر کے افراد کی طرح ہیں، کبھی اجنبیت یا بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، ان کے گھر کے بچے بچے قدردان، ۱۹۹۵ء سے آج تک تعلق بدستور چلا آرہا ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۱۳) قاری ظفر علی صاحب لنگی والے: (پیدائش ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء) والد صاحب کی جوانی سے لے کر تا دم مرگ دوستانہ مراسم رہے، شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ والد صاحب پورہ معروف تشریف لے گئے ہوں اور مئو میں قاری صاحب اور ڈاکٹر عبد المعید صاحب کے یہاں چند لمحے قیام نہ رہا ہو، ان کے بڑے بھائی مفتی اختر حسن صاحب والد صاحب کے ساتھ دیوبند پڑھنے گئے تھے اور ساتھ ہی فارغ ہوئے، مئو کے اہل خیر حضرات میں قاری صاحب کا شمار ہوتا ہے، گھر گھر قرآن کریم کی تعلیم عام کرنے اور تجوید و ترتیل کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کا جو سلسلہ پندرہ بیس برسوں سے مئو اور اس کے اطراف میں شباب پر ہے وہ حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کا ہی مرہونِ منت ہے، کئی مدارس کے سرپرست ہیں۔

(۱۴) مولانا منظور الحسن قاسمی: پیدائش ۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء (بانی و مہتمم جامعہ عربیہ قاسمیہ ادری ضلع مئو) پڑھنے کے زمانے میں والد صاحب کے ساتھ تھے، والد صاحب کے صرف انہیں سے بے تکلف دوستانہ مراسم تھے، ان کے یہاں ادری میں بکثرت جانا آنا بھی ہوا کرتا تھا، ان کی اولاد میں مولوی مفیض الحسن، مولوی انیس الحسن، حافظ نسیم احمد، قاری فیاض الحق اور حافظ سجاد احمد ہیں، ان سے اب بھی انتہائی قریبی تعلقات ہیں، مولانا منظور الحسن صاحب کا ۵/صفر ۱۴۱۳ھ ۶/اگست ۱۹۹۲ء بروز جمعرات ساڑھے بارہ بجے دن ایکسیڈنٹ کے حادثہ میں انتقال ہوا، نماز جنازہ والد صاحب نے پڑھائی۔

ان کی اہلیہ کا انتقال ۳۰/رمضان ۱۴۲۵ھ ۳/نومبر ۲۰۰۵ء کو ہوا، عید کے دن ان کی بھی نماز جنازہ والد صاحب نے ہی پڑھائی،

مولانا منظور الحسن صاحب کی اولاد نے اخیر دم تک والد صاحب سے تعلق باقی رکھا اور ہمیشہ اپنے والد کے برابر سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

(۱۵) ڈاکٹر عبد المعید برسڑاوی: پیدائش ۱۹۵۴ء۔ ابتدائی تعلیم پرائمری درجہ سوم تک اپنے گاؤں برسڑا میں، پھر درجہ ششم تک نیشنل اسکول بنارس میں، درجہ ہفتم اور ہشتم مجیدیہ

اسلامیہ انٹر کالج الہ آباد میں، پھر گورنمنٹ کالج الہ آباد سے ۱۹۷۱ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۷۳ء میں انٹر پاس کیا، پھر یونانی میڈیکل کالج الہ آباد سے ۱۹۷۹ء میں BUMS کیا، گھر کا دینی وعلمی ماحول، بڑے بھائی کی تربیت اور مولانا شبیر احمد دھرمبر پوری کی صحبت میں دینی نشو ونما ہوئی، الہ آباد پڑھنے کے زمانہ سے ہی شاہ محمد قمر صاحب کی صحبت اٹھائی اور خارجی اوقات میں علم دین حاصل کیا، گھر کے دینی وعلمی ماحول اور شیخ کی توجہات سے دینی علوم ومعارف حاصل ہوئے۔

نند گنج مطب کے زمانہ سے والد صاحب سے تعلقات قائم ہوئے اور پھر محبت وتعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا، ان کی بھانجی سے میری شادی ہوجانے کے بعد مزید استحکام پیدا ہوا، والد صاحب جب بھی ہمارے نانیہال جاتے یا ہمارا جانا ہوتا ان کا مطب ہی ہمارا پہلا پڑاؤ ہوتا، یہاں سے تازہ دم ہوکر آگے کا سفر طے کرتے اور پہلوان پور اتر کر چار کلومیٹر پیدل چل کر مانو پور پوسٹ سمّن پور (نانیہال) پہونچتے، اس گاؤں میں صرف چار گھر (ہمارے نانا کے چاروں بھائی) مسلمانوں کے تھے۔

ڈاکٹر عبدالمعید صاحب اور میرے خسر ڈاکٹر عبدالحق صاحب ایک ہی مطب میں ایک ساتھ دس سال تک پریکٹس اور ایک ہی ساتھ قیام پذیر رہے، ان کے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد توحید صاحب بھی ہفتے میں ایک روز اس دواخانے کو زینت بخش دیا کرتے تھے، ٹی بی، پھیپھڑوں اور امراض قلب کے مریضوں کا تسلی بخش علاج ہوجایا کرتا تھا۔

ڈاکٹر عبدالمعید صاحب کا بیک وقت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور میرے والد گرامی سے عقیدت مندانہ تعلق تھا، مرزاپور یا الہ آباد جاتے آتے یہ حضرات تھوڑی دیر مظہر العلوم بنارس والد صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے، اور مختلف علمی موضوعات اور سلوک وطریقت کے مضامین پر تبادلۂ خیال کرتے، اسی طرح ہم لوگ مانو پور جاتے ہوئے ان کے دواخانہ پر رک کر تازہ دم ہوکر آگے جاتے تھے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب کا قیام مستقل طور سے مئوشہر میں ہوگیا، شاید ہی کبھی ایسا ہوا ہو کہ والد صاحب سہارنپور سے

پورہ معروف تشریف لے گئے ہوں اور مئو جا کر ڈاکٹر صاحب کے یہاں چند لمحے ہی سہی قیام نہ کیا ہو،

(۱۶) ڈاکٹر محمد توحید ایم ،ڈی: پیدائش جون ۱۹۵۲ء ۲۷ / رمضان ۱۳۷۱ھ ۔
پرائمری درجہ ۵ تک اپنے گاؤں برسڑا ضلع غازی پور میں پھر نیشنل اسکول بنارس میں درجہ ۶، ۷، اور ۸ پاس کرنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں بنارس سے الہ آباد حصول تعلیم کے لئے چلے گئے ،گورنمنٹ انٹر کالج الہٰ آباد میں داخلہ لے کر ۱۹۶۹ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۷۱ء میں انٹرمیڈیٹ کیا اس کے بعد علی گڑھ میں MBBS کے کمپٹیشن میں بیٹھے اور اس میں سلکشن ہوگیا اور یہیں داخل ہوگئے اس سے قبل CPMT کے ٹسٹ میں بھی بیٹھے تھے اور اس میں بھی کامیاب ہوگئے چنانچہ علی گڑھ چھوڑ کر الہ آباد موتی لال نہرو میڈیکل کالج میں داخل ہوکر ۱۹۷۶ء میں MBBS اور ۱۹۸۰ء میں جنرل میڈیسن میں MD کرلیا، ۱۹۷۹ء میں میڈیکل آفیسر ہوکر مرزاپور آگئے ،ساڑھے پانچ سال ملازمت میں رہے، پھر بنارس بنارس اور بھدوہی ٹرانسفر ہوگیا،نقل مکانی کی دشواریوں کی وجہ سے انھوں نے گھر پر ہی پریکٹس شروع کردی جوتا حال جاری ہے۔

مولانا محمد قمر صاحب الہ آبادی سے خلافت حاصل ہے،مرشد کی مجلسوں میں دور طالب علمی سے حاضر باش تھے،دینی مجالس کی شرکت اور دینی کتب کے مطالعہ کی برکت سے اللہ تعالی نے دینی بصیرت بھی عطا فرمائی، مدرسہ خیر العلوم مرزاپور کے بانی اور مہتمم ہیں ، طبیعت ومزاج میں دینی تصلب کا عنصر غالب ہے۔فرق ضالہ کی سرکوبی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔

یوں تو ہمارے ساتھ ہمیشہ ہی ان کا حسن سلوک جاری رہتا ہے لیکن ایام علالت میں اگر ہمیں ان کا پرخلوص تعاون اور مفید طبی مشورے نہ ملے ہوتے اور سہارنپور سے بمبئی، لکھنؤ اور پورہ معروف میں ہر قدم پر ٹیلیفونک رابطے نہ رہے ہوتے ،تو علاج ومعالجہ کی یہ دشوارگزار رہ گزر یقیناً ہمارے لیے ہمت شکن تھی۔

سہارنپور میں شعبۂ تخصص فی الحدیث کے طلبہ اور اساتذہ اور رفیق مکرم مولانا عبداللہ خالد

قاسمی اور ہمارے اعزہ واقربا نے دن رات خدمت کر کے ہمیں احسانات سے زیر بار کر دیا۔

(۱۷) ڈاکٹر عبدالحق صاحب سورم ضلع غازی پور: پیدائش ۱۰ ارمئی ۱۹۵۰ء ہے، والد صاحب سے اکرام اور عقیدت کا تعلق رکھتے تھے، رشتہ داری کے بعد تعلق اور بھی مضبوط ہو گیا، یو پی بورڈ سے ۱۹۶۴ء میں ہائی اسکول پاس کیا، ۱۹۷۲ء بی، ایم، ایس، غازی پور سے کیا۔ بعد میں پریکٹس کرنے لگے۔

کبھی کبھی اپنے گاؤں ''سورم'' ضلع غازی پور آنے کی دعوت دیتے رہتے تھے خوب اعزاز واکرام کرتے تھے، اپنی دو بچیوں کا نکاح بھی والد صاحب سے ہی پڑھوایا، رمضان المبارک میں عموما خانقاہ میں تشریف لائے تھے، حسن خلق، توکل، صبر و رضا اور قناعت، تحمل، حسن تدبیر اور حسن انتظام ایسے اوصاف ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۸) مولوی محمد عمر مظہری معروفی: پیدائش ۱۹۶۸ء، ابتدائی تعلیم پورہ معروف میں حاصل کی، پھر مفتاح العلوم مئو گئے، مظہر العلوم بنارس سے ۱۹۸۵ء میں فارغ ہوئے، ۱۹۹۶ء سے تا حال مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، جس زمانے سے پورہ معروف میں خانقاہی نظام قائم ہے یہ بھی اسی زمانے سے والد صاحب کے ساتھ ہیں، ذکر واذکار کی مجلسوں کے علاوہ تبلیغی جماعت میں بھی بڑی پابندی سے وقت لگاتے ہیں، معتکفین کی خدمت میں پیش پیش رہتے ہیں، مدرسہ ضیاء العلوم پورہ معروف میں خدمت دین پر مامور ہیں۔

(۱۹) مولانا ابصار الحق قاسمی: بانی ومہتمم المعہد الاسلامی مئو، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی کے معتمد خاص ہیں، دور افتادہ اور پسماندہ مسلم بستیوں میں مساجد کی تعمیر اور اس کے ساتھ مکاتب کے قیام میں دن رات کوشاں اور ہمہ تن مشغول رہتے ہیں، تعلق اور دوستی کو نبھانے کا ہنر خوب جانتے ہیں، ان کی زندگی ع

''یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم'' کی عملی تصویر ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت قلیل عرصہ میں بے شمار مساجد و مکاتب قائم کئے، المعہد الاسلامی اور اعظمی اسپتال کی پرشکوہ عمارتیں ان کے حسن عمل کی منھ بولتی تصویریں ہیں، رکنے، ٹھہرنے اور ستانے کے قائل نہیں، والد صاحب کے شاگرد رشید ہیں، نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے، محدث کبیر کے پاس عربی اول سے دورہ حدیث کی تمام کتابیں پڑھیں، موقوف علیہ (مشکوٰۃ شریف) کے سال مظہر العلوم بنارس میں رہے، والد صاحب اور دوسرے اساتذہ سے فیض اٹھایا۔

جب انہوں نے دور افتادہ علاقوں میں کام شروع کیا تو علماء کرام عموماً ان کے مکاتب کا دروہ کرنے مین پس وپیش کرتے تھے اس لیے کہ دشوار گزار راستوں سے گزر کر جانا ہوتا تھا، کوششوں کے بعد بھی مطلوبہ راحت رسانی کا تصور نہیں کیا جاسکتا تھا، جب والد صاحب کو یہ صورت حال معلوم ہوئی تو ان کیساتھ گاؤں گاؤں اور دیہات دیہات جاکر مکاتب کا معائنہ اور دورہ کیا، اور اہل خیر حضرات سے تعاون کی اپیل کی۔

سنگ بنیاد رکھا، اور دعائیں کیں، بعد کے زمانے میں تعلقات مزید گہرے اور مضبوط ہوتے چلے گئے، ان کا ربانی خانقاہ میں برابر آنا جانا رہا، اور والد صاحب کا ان کے مکاتب اور مساجد کا دورہ جاری رہا، ایام علالت نے دو ایک روز ان کے مدرسہ میں جاکر اور ایک دن مولانا اعجاز احمد اعظمی کے مدرسہ میں جاکر کچھ لمحے آرام کیا، بیماری کے زمانے میں سہارنپور، اور بمبئ میں بھی حاضری دی۔

تاریخ پیدائش ۶-۶-۱۹۶۹ء ہے، مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو سے ۱۹۸۷ء میں فارغ ہونے کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں فراغت کے بعد دارالعلوم مئو میں تین سال (سنہ ۸۹-۹۰-۱۹۹۱ء) مدرس رہے، پھر سرکاری ملازمت چھوڑ کر سعودی عرب

چلے گئے، وہاں آٹھ برس رہ کر مئو واپس آ گئے، اور ۲۰۰۱ء میں ''المعہد الاسلامی مئو'' قائم کیا۔ پھر آگے ہی بڑھتے گئے، پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

(۲۰) حافظ ظفر الاسلام معروفی: ۱۹۷۵ء کی پیدائش ہے، مدرسہ اشاعت العلوم پورہ معروف میں پرائمری وحفظ کی تعلیم حاصل کی، پھر مدرسہ وصیۃ العلوم فتح پور تال نرجا میں قرآن کریم دور کیا، مفتی جمال صاحب قاسمی کے مدرسہ مفتاح العلوم کمراواں میں ۸/ برس تدریس کی خدمت انجام دی، مدرسہ اشرف العلوم حمید پور میں تین برس، پھر المعہد الاسلامی مئو میں مولانا ابصار الحق قاسمی کی معیت میں دس سال خدمت کی، تاحال اسی ادارے سے وابستہ ہیں، اور مولانا کے دست بازو بنے ہوئے ہیں۔

میرے بچپن کے دوست ہیں، فکر ونظر میں وسعت ہے، مطالعہ کے شوقین ہیں، حافظہ بہت اچھا ہے، ادیبوں کی کئی کئی سطر کی عبارت از بر یاد رہتی ہیں، اگر عالم ہوتے تو بڑے عالم ہوتے، قوت استدلال مضبوط ہے، دینی ملی اور سیاسی موضوعات پر گفتگو کرنے میں کمال حاصل ہے، کچھ مسائل میں جمہور سے الگ منفرد رائے رکھتے ہیں، جو ان سے سنبھل کر گفتگو نہ کرے غچہ کھا جائے، ان کے ساتھ بحث وتمحیص اور مناقشہ و مناظرہ میں بہت ساری راتیں برباد ہوئی ہیں، ہم لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں اپنی اپنی فکر اور رائے پر ایک دوسرے کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ نہ وہ مجھے اپنا ہم نوا بنا سکے اور نہ میں ان کو قائل کر سکا۔

فکر ونظر میں بعد بین المشرقین کے باوجود محبت وتعلق دوستی و دلداری، ایثار وجاں نثاری میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرتے، ہمارے ہی خاندان ہی کے فرد ہیں۔ میری دوستی کی وجہ سے والد صاحب سے بہت قریب رہے، سفر وحضر میں خوب ساتھ رہا، کبھی مجھے مشغولی رہتی تو انہیں والد صاحب کے ساتھ کر دیتا، مئو اسٹیشن تک والد صاحب کو پہنچانا یا اسٹیشن سے گھر لانا ہوتا تو اکثر وبیشتر ساتھ رہتے تھے، اللہ تعالیٰ خوش رکھے آمین۔

(۲۱) مولانا محمد رحمت اللہ میر ابن محمد سیف اللہ میر کشمیری صاحب: مہتمم دارالعلوم بانڈی پورہ کشمیرورکن شوری دارالعلوم دیوبندورکن مسلم پرسنل لابورڈ۔ پیدائش ۲۲؍جولائی ۱۹۵۷ء مطابق ۲۳؍ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ بروز پیر۔

مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے خلیفہ ومجاز ہیں، کشمیر کے ذی استعداد علماؤ اور صائب الرائے مفتیان کرام میں ان کا شمار ہوتا ہے، تقریر وخطابت کی سحر آفرینی سے سامعین دم بخود رہ جاتے ہیں، تحریر میں بھی سلاست، متانت اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر دل عزیزی عطا فرمائی ہے، حسن تدبیر اور حسن انتظام کا اور وفا ومہر کی رسم کہن نبھانے کا خوب سلیقہ رکھتے ہیں، دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کا شمار صوبے کے بڑے مدارس میں ہوتا ہے، ہر چہار جانب سے پہاڑیوں میں گھری پرشکوہ عمارت، دعوت نظارہ دیتی ہے، پہاڑی کے دامن میں بہتا ہوا جھرنا، قریب سے گزرتی ہوئی نہر کا صاف وشفاف اور شیریں پانی، پہاڑوں سے گرتے ہوئے آبشار، مدرسہ کے اردگرد سیب، انار، آڑو اور خوبانی کے باغات، تھوڑی دور پر سیاحت کے لیے چھوٹا سا باغیچہ اور اس کا پرفضا مقام بے اختیار دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ ان کے خوبصورت اور دلکش مناظر کے باوجود، وہاں کے ناقابل بیان احوال، بے گناہ انسانوں کا خون ناحق اور قدم قدم پر غیر محفوظ زندگی کی وجہ سے لوگ وہاں آمد ورفت سے گھبراتے ہیں، مولانا اس ادارے میں اکابر علماء کو بلاتے رہتے ہیں اور طالبان علوم نبوت ان سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں۔ ۲۰۰۱ء میں جب وہاں کے حالات انتہائی خراب تھے انہوں نے والد صاحب کو دعوت دی، اس سے قبل وہ دیگر علماء سے گزارش کرچکے تھے مگر علماء نے کشمیر کے نامساعد حالات کی وجہ سے اعراض سے کام لیا۔ والد صاحب نے یہ کہہ کر دعوت قبول کرلی کہ میری عمر طبعی تو پوری ہوچکی ہے مجھے موت کا کوئی خوف نہیں، پھر تو اس کے بعد تقریباً ہر سال ہی والد صاحب وہاں تشریف لے جاتے رہے اور علم نبوت سے علماء وطلبہ کو فیضیاب کرتے رہے۔ کبھی کبھی جب حالات زیادہ خراب ہوجاتے تو ناغہ بھی ہوجاتا تھا، دینی علوم کی طرف پہلے رجحان نہیں تھا بلکہ یہ ایک سرکاری اور

انگریزی اسکول میں زیرِ تعلیم تھے، ان کی زندگی کا رخ اس طرف کس انداز سے مڑا اس کی ایک دلچسپ سرگزشت ہے جس کو مولانا رحمت اللہ صاحب نے بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا جس کا خلاصہ پیش ہے:

۱۹۷۰ء میں جب مولانا نے ہائی اسکول کا امتحان دے لیا اسی دوران ایک مولوی صورت سفیر مدرسہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے اِن سے پوچھا بیٹے کیا پڑھتے ہو، جواب دیا میں انگریزی اسکول میں پڑھتا ہوں، کچھ دینی باتیں بھی معلوم کیں، یہ خاطر خواہ جواب نہ دے سکے تو اس نئے ملاقاتی نے کہا بیٹا! تم یکوں نہیں حافظ بن جاتے، اس پر اِنھوں نے کہا، حافظ کیا ہوتا ہے؟ سفیر نے ان کے مناسب حال ان کو سمجھایا کہ حافظ کس کو کہتے ہیں، اور پھر ان کو حفظ قرآن کے لئے تیار کرلیا، یہ نئے ملاقاتی مظفرنگر یوپی کے مدرسہ شمس العلوم ٹنڈیرہ کے سفیر تھے، یہی میاں جی ان کے گھر والوں کی منت سماجت اور خوشامد کرکے اپنے ساتھ مولانا کو یوپی حفظ کروانے کے لیے لے آئے، چونکہ اسکول کا ابھی رزلٹ آنے میں دیر تھی، اس لئے مولانا رحمت اللہ صاحب اسی وقت سے ان کے ساتھ ہو گئے، اس وقت کشمیر میں علم دین سے عموماً بہت دوری تھی، یہ اپنے ساتھ لے کر چلے، اور اپنی اولاد کی طرح راستے بھر دلداری فرماتے رہے، کشمیری نزاد ہونے کی وجہ سے یوپی کی شدید گرمی اور تپش کی وجہ سے مولانا کئی مرتبہ بیہوش ہو گئے، لیکن ملا جی اصغر کی بے لوث خدمت نے ان کی ہمت کو جٹائے رکھا اور حفظ قرآن کی دھن میں یہ لگے رہے، ابتدائی علمی زندگی میں ملا اصغر صاحب نے ان کا بہت خیال رکھا، بسا اوقات کپڑے وغیرہ بھی خود دھودیا کرتے تھے۔

اگست ۱۹۷۰ء میں آپ کو ملا جی اصغر صاحب نے مدرسہ شمس العلوم ٹنڈیڑہ ضلع مظفرنگر میں داخل کیا تھا، انہیں ایام میں سہارنپور لے جا کر حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمہ سے بیعت کرائی، اور دیوبند مولانا فخر الدینؒ کے درس میں شرکت کراوائی، اور دعائیں

کروائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم دین سے آراستہ فرمائے، علاوہ ازیں مرکز نظام الدین کے تبلیغی اکابر سے ملاقات کروائی اور دعائیں دلوائیں، اس دور کے اس ''ادارہ'' کے صدر مدرس مولانا شبیر احمد صاحب کی خصوصی توجہ اور تعلیمی تربیت میں پہلے ناظرہ قرآن پاک یا پھر حفظ پھر عربی اول سے عربی چہارم تک کا علمی سفر طے کیا، پہلی تراویح ۱۳۹۱ھ میں ٹنڈیڑھ ضلع مظفرنگر کی جامع مسجد میں سنائی، اس مدرسہ کے مہتمم مولانا عبدالحیئ صاحب پرتاپ گڑھی نے سامع بن کر قرآن کریم سنا۔

۱۳۹۵ھ میں درجہ عربی پنجم میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، عربی پنجم تا دورہ حدیث تعلیم مکمل کر کے شعبان ۱۳۹۰ھ میں فارغ ہوئے۔

۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ایماء پر مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خان پور میں مدرس ہوئے (اس ادارہ میں میرے والد صاحب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کے مشورہ سے پڑھا چکے ہیں) بخاری، ترمذی، ابوداؤد شریف اور مقامات حریری وغیرہ کا درس دیا۔

۱۳۹۹ھ شعبان میں اپنے وطن کشمیر واپسی ہوئی، اور اکابر کے مشورہ سے شوال ۱۳۹۹ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۹ء میں بانڈی پورہ کشمیر میں مدرسہ اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی، نورانی قاعدہ سے لے کر حفظ وتجوید، فارسی وابتدائی عربی سے لے کر دروۂ حدیث تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ یہی ابتدائی مدرسہ اب دارالعلوم بانڈی پورہ کے نام سے ملک میں مشہور ومعروف ہے، اور اسے کشمیر میں مرکزیت حاصل ہے، یہاں ابتداء سے لے کر دورۂ حدیث تک نیز تکمیلات کے شعبے بھی قائم ہیں، یہ ادارہ مختلف ادوار میں مختلف اکابر کی سرپرستی میں چلتا رہا ہے، پہلے سرپرست حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تھے، دوسرے مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، تیسرے حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ چوتھے مولانا شاہ محمد

ابرابر الحق صاحب علیہ الرحمہ تھے۔ اکابر علمائے کرام اس مدرسہ سے ہمیشہ تشریف لاتے رہتے ہیں۔

ابتداء حضرت شیخ الحدیث سے اصلاحی تعلق قائم ہوا، ان کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود حسن سے اصلاحی تعلق قائم کیا، ۱۴۰۶ھ میں آپ خلافت سے سرفراز فرمائے گئے، دیگر اکابر سے بھی خلافت حاصل ہے۔

ابتداءً والد صاحب سے کوئی شناسائی اور واقفیت نہ تھی، لیکن تعلقات ہوئے تو پختہ ہوتے ہی چلے گئے، اساتذہ وطلبہ نے خوب کسب فیض کیا، والد صاحب سے المغنی کی اغلاط کی تصحیح اور مفید تعلیق کی بابت بات ہوئی، تو مولانا نے فرمایا کہ یہ کام آپ کر دیں، تو میں اسے طبع کرادوں گا، چنانچہ کام مکمل ہونے کے بعد دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر سے شائع ہوئی، اسی طرح ایک دوسری علمی کتاب ''رسالۃ الاوائل'' پر بھی جب والد صاحب نے مزید تحقیق وتخریج کا کام کیا تو اسے بھی مولانا نے اپنے ادارہ سے شائع کر دیا، والد صاحب کے انتقال کے بعد مولانا نے پورہ معروف کا پُر مشقت سفر کیا، تدفین میں شرکت تو ممکن نہ تھی، دوسرے دن مغرب کے بعد تعزیتی جلسہ میں شریک ہوکر خطاب فرمایا، ہم گھر والوں سے ملاقات کر کے تعزیتی کلمات کہے اور اپنی محبت وتعلق کا یقین دلایا، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ رکھے، مولانا بڑی صعوبتیں برداشت کر کے تشریف لائے، ائیر پورٹ سے ہمارے گھر تک جس کی مسافت ۱۱۰ کلو میٹر ہے، ڈرائیور کی ناواقفیت کی بنا پر کئی گھنٹے زائد صرف ہو گئے، اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔

(۲۲) حاجی محمد نعمان محلّہ بلوہ، پورہ معروف قیام کے زمانے میں والد صاحب کی خوب خدمت کی، رات دن حاضر باش تھے، اصلاً یہ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی سے ارادت مندانہ تعلق رکھتے ہیں اور انہیں کے حکم سے والد صاحب کی خدمت میں ہمہ تن

مصروف رہے، انتقال کے وقت بھی موجود تھے، بیماری کے زمانے میں شیخوپور سفر کے یہی محرک بنے۔

(۲۳) حاجی عبدالخالق گجراتی رکن شوریٰ مظاہر علوم سہارنپور، گجرات تدریس کے زمانے سے ہی والد صاحب سے نیازمندانہ تعلق رکھتے ہیں، وقتاً فوقتاً ان کے یہاں جانا بھی ہوتا رہا، مدرسہ دارالعلوم چھاپی گجرات کے بھی رکن شوریٰ ہیں، نہایت دیندار اور مخیّر لوگوں میں ان کا شمار ہوتا ہے، انہیں کے اصرار کی وجہ سے بغرض علاج بمبئی کا سفر ہوا، ڈاکٹروں کے یہاں انہیں کی ہم رکابی میں جانا ہوا، انہیں کے دولت کدہ پر ہمارا قیام بھی رہا، بلکہ بمبئی میں ایک نہایت شاندار فلیٹ ہمارے قیام کے لیے مختص کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ ان تمام محسنین کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے آمین۔ ثم آمین

اس مسودے کی تسوید و تبییض، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں ہمیں جن احباب کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا ہم ان کے بھی شکرگزار اور احسان مند ہیں، سرفہرست مولانا خالد سعید مبارکپوری، مولوی عبدالمعید قاسمی، مولوی محمد سلیم دھانوی ہیں، مولوی ثناء اللہ جنید سلمہ نے میرے ساتھ مضامین کے تقابل کا فریضہ انجام دیا، کتابت وطباعت کے دشوار گزار مرحلوں سے گزر کر اتنی جلد یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں تک نہ پہنچ پاتی، اگر ہمیں ان احباب کا تعاون نہ ملا ہوتا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں محدث زمانہ، ناقد یگانہ، بحرالعلوم، فخر دارالعلوم، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی معروفی زید مجدہ کی ذات والا صفات کی پدرانہ شفقت کو فراموش کردوں جو رسوخ فی العلم اور اطوار و عادات میں میرے والد کے ہم مثل ہیں، اور اس علمی انحطاط کے دور میں سرچشمۂ صافی، پیچیدہ علمی مسائل کی گتھیاں سلجھانے کے لیے کافی اور جن کا مزاج و مذاق دینی امور میں مداہنت سے کام لینے کے منافی ہے، ہم بصمیم قلب ان کے شکرگذار ہیں کہ انھوں نے اپنا بیش قیمت وقت نکال کر اس آپ بیتی پر پیش لفظ تحریر فرما دیا، اور ہم تہی دامانِ قسمت کے ساتھ شفقت و محبت کا معاملہ فرما کر عنداللہ اجر عظیم کے مستحق ہوئے۔

اپنے مخدوم محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ العالی کا بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں جنھوں نے علالت ونقاہت کے باوجود مختلف الجہات قیمتی مضامین اور ایام علالت کی طویل سرگزشت لکھ کر اور پھر اس آپ بیتی کے لیے گراں قدر پیش لفظ تحریر فرما کر ہمارے حوصلوں کو مزید جلا بخشی۔

مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور مولانا سید محمد سلمان صاحب ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے بھی ہم شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پیش قیمت تاثرات لکھ کر کتاب کو وقار اور اعتبار بخشا، برادرم مفتی عبد اللہ معروفی صاحب کو بھی فراموش نہیں جاسکتا کہ انہوں نے بھی بطور پیش لفظ تمہیدی باتیں تحریر فرمادیں، امید کہ خصوصی اشاعت کے لیے بھی ہمیں ان کا قلمی تعاون حاصل ہوگا۔

ان محسنین ومعاونین کو فراموش کرنا بھی ہم احسان ناشناسی تصور کرتے ہیں جن کی حیثیت بنیادی پتھروں کی ہے، جو دکھائی تو نہیں دیتے لیکن شاندار عمارتیں انہیں پر ٹکی ہوئی ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ تمام محسنین ومعاونین کو اپنی شایان شان بدلہ نصیب فرمائے۔آمین۔

مزید کچھ محسنین ومحبین ہیں جن کا تذکرہ رہ گیا ہے مثلاً مولانا عبد الغفار صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی اور شہاب الدین انجینیر صاحب مئو، شہاب الدین ماموں گھوسی وغیرہم کسی مناسب موقع سے ان کا تذکرہ کیا جائے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان تمام محسنین ومعاونین کو اپنی شایان شان بدلہ عنایت فرمائے۔آمین

عبد الباسط قاسمی معروفی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

۱۷/رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۸/مئی ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين. محمدو آله وصحبه أجمعين. اللهم الهمنا مراشد امورنا وأغذنامن شرور انفسنااللهم خرلى واخترلى.

برادر مکرم مولانا محمد عثمان صاحب ولد قاری محمد حنیف صاحب مرحوم نے احقر سے بار بار فرمائش کی کہ اپنے حالات زندگی لکھوں، مگر قسمت نے یاوری نہ کی اور میں خود بھی اپنے کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ ''آپ بیتی'' تحریر کروں اللہ والوں کی بات دوسری ہے اور انہی کی شان ہے کہ خود نوشت سوانح یا آپ بیتی لکھ دیں تو امت کو اس کے بیش بہا فائدے پہنچ جائیں میں اگر کچھ لکھوں بھی تو اس سے کیا حاصل......

''درمجلس خود راہ مدہ ہمچو منے را
افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را''

آج چند دن سے بیمار ہوں اس وجہ سے حاضر مدرسہ نہ ہوسکا اور دن بھر سوائے دوا پینے اور سونے کے یا احباب اگر عیادت میں آگئے تو ان کے ساتھ وقت گذاری کے کچھ کام نہ تھا، اس وجہ سے آج رات کو نیند نہیں آرہی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اٹھ کر ایک بجے رات میں ۲ ر رکعت نماز توبہ اور دو رکعت نماز استخارہ پڑھی اور دعا کر کے کچھ واقعات جو ذہن میں آئے لکھ رہا ہوں مناسب ہے کہ اس کو چند ابواب پر تقسیم کر دوں۔

پہلا باب: پیدائش اور بچپن
دوسرا باب: تعلیمی زندگی

تیسرا باب: اساتذہ کرام
چوتھا باب: تدریسی زندگی
پانچواں باب: احسان وسلوک
چھٹا باب: نامور تلامذہ
ساتواں باب تبلیغ میں حصہ
آٹھواں باب شادی اور حوادث
نواں باب تالیفات
دسواں باب متفرقات اورتوبہ

زین العابدین الاعظمی
استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ
۶؍رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۶؍جولائی ۱۹۷۴ء

پہلا باب پیدائش اور بچپن

خداوندا زِ ہستی سادہ بودیم — زِبیمِ نیستی آزادہ بودیم
توئی از نیست ما را ہست کردی — بقیدِ آب و گِل پابست کردی

میری پیدائش ۲۹؍جمادی الاخریٰ ۱۳۵۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۲ء کو ہوئی۔ میں اپنے والدین کی تیسری اولاد تھا۔ سب سے بڑی ایک بہن بچپن میں انتقال کر گئی تھیں۔ ان کے بعد میرے بڑے بھائی مولوی محمد یونس صاحب مرحوم مغفور فاضل دارالعلوم دیوبند تھے جو ۱۳۴۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ بچپن میں میرے ہم سبق رہ چکے تھے مگر دارالعلوم دیوبند سے مجھ سے ایک سال پہلے فراغت حاصل کر کے گھر تشریف لے آئے اور ایک سال کے بعد اپنی بیوہ اور بچہ محمد کو چھوڑ کر فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. بچہ بھی غالباً ۶؍سال کا ہو کر فوت ہو گیا۔

میرا سلسلہ نسب یہ ہے:

زین العابدین بن محمد بشیر بن محمد نذیر بن غلام محمد بن حافظ عبدالقادر بن عبدالرحمٰن مرحوم، آگے کا سلسلہ جناب والد صاحب مرحوم نے چند پشت تک بتایا تھا لیکن اب یاد نہیں۔ حافظ عبدالقادر صاحب کا زمانہ حضرت مولانا محمد طاہر صاحب مرحوم کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں پورہ معروف میں علم صرف انھیں دونوں گھرانوں میں تھا۔ حضرت حافظ عبدالقادر صاحب مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ورثہ ہمارے گھر میں موجود ہے۔ حافظ صاحب کے شاگرد جناب حافظ عبدالرشید صاحب مرحوم تھے ان کے شاگرد جناب حافظ محمد شفیع صاحب یعنی حافظ وصی اللہ صاحب کے والد مرحوم تھے ان کے شاگرد حافظ عبدالحی محلّہ بانسہ تھے اس کے آپ کا سلسلہ حفظ نہ چل سکا۔

احقر بچپن میں صرف پڑھنے پر مامور تھا اس کے علاوہ گھر پر آکر یا تو کتاب دیکھا کرتا تھا یا والدہ ماجدہ مدظلہا (واضح رہے کہ حضرت مرحوم کی یہ تحریر ۱۳۹۴ھ کی ہے اس وقت انکی والدہ حیات تھیں) کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا تھا اور ایک کام میرے ذمہ لازمی طور پر تھا

وہ دادا غلام محمد صاحب مرحوم جو کہ میرے والد مرحوم کے دادا تھے اس وقت نابینا ہو چکے تھے ان کی خدمت یعنی ان کو غسل کرانے کے لئے ندی پر لیجاتا یا سیلاب کے زمانہ میں محلّہ بانسہ پر پوکھرے پر پہونچانا۔ مرحوم بہت سویرے اٹھ کر مجھے آواز دیتے تو میں ہاں دادا کہہ کر اٹھ جاتا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر لواجاتا اور مرحوم نہایت تیز چلتے تھے اور قوت بڑھاپے میں بھی بہت اچھی تھی واپس آنے کے بعد فجر کی اذان ہوتی تھی۔ نہایت پابند صلوٰۃ وصوم تھے بلکہ ہمارے گھر بھر میں اس وقت نماز اور تلاوت کوئی نہیں چھوڑتا تھا بلکہ میں نے بچپن میں اپنے گاؤں کے ایسے بڑے بوڑھوں کی زبانی (جن سے ہمارے گھر سے بگاڑ بھی ہوجایا کرتا تھا) اکثر سنا ہے کہ چار پشتوں سے اس خاندان کو ہم نے دیکھا ہے مگر کسی کو بے نمازی نہیں پایا۔

کاش ان باتوں کو ہمارے خاندان کے اس وقت کے نوجوان عبرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ فالی اللہ المشتکی

بات پر بات نکل آتی ہے ''مولانا عبدالحمید اعظمی نظام آبادی سے میں نے بھری جامع مسجد پورہ معروف میں تقریر کرتے ہوئے سنا کہ میں پہلے بھی بہت دفعہ پورہ معروف آ جاچکا ہوں اور کوشش کر کے دیکھتا تھا کہ کسی نوجوان کے سر پر انگریزی بال ہے یا کسی نوجوان کی داڑھی منڈی ہے تو مجھ کو کبھی نہیں ملی مگر افسوس اس وقت دیکھتا ہوں تو وہ وبا یہاں بھی شروع ہوگئی'' دادا غلام محمد مرحوم کی بہت سی خصوصیات ہیں ان کی زندگی بھر ہمارے مکان میں باہر کی کیواڑ ٹوٹی ہوتی تھی جو باہر سے بے تکلف کھولی جاسکتی تھی مگر مجال نہیں کہ کوئی کیواڑ کھول کر اندر آئے اور اس کو دادا مرحوم کے سوال کون ہے؟ کا جواب دیئے بغیر اندر جانا ممکن ہو سکے۔ جب میں مبارک پور تعلیم حاصل کرنے چلا گیا تو چچا عبدالمعید کے ذمہ ان کی یہ خدمت طہارت وغسل ہوگئی شوال ۱۳۶۹ھ میں جب کہ دارالعلوم دیوبند میں میرا دوسرا سال تھا آپ کی وفات ہوئی۔ وفات پر میں نے اس زمانہ میں ایک مرثیہ کہا تھا جواب دیکھتا ہوں تو صرف تک بندی معلوم ہوتی ہے اس کا ایک بند آپ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

توفیته شوال یوما مبارکاً بجملة ایام الشهور مجمعاً

خلت من لیال تسع عشرة لیلة ومن سنة الف خلون مخلعا

ثلث ماتٍ ثم ستین تسعة اذارفع المرحوم ربی رافعاً

(یعنی یوم جمعہ مبارکہ ۱۹؍شوال المکرّم ۱۳۶۹ء) میرے والد مرحوم کی بھی جمعہ ۱۳۹۴ھ کو وفات ہوئی تھی۔

تک بندی کے علاوہ اغلاط سے معمور ہے۔اوراس پراس دور میں مجھ کو بڑا ناز تھا اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں کہ میں صرف عربی بول ہی نہیں لیتا عربی میں شعر بھی کہہ لیتا ہوں۔

دوسرا باب تعلیمی زندگی

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق　　علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

الحمدللہ پورہ معروف میں ہم لوگوں کے دور طالب علمی تک کوئی لڑکا علم دین کو چھوڑ کر علم دنیا کی طرف نہیں گیا بجز ایک ہم لوگوں کے ہم سبق شیعہ لڑکے مہدی اصغر ولد تصدق حسین کے جس نے عربی چھوڑ کر انگریزی پڑھی پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ڈاکٹر بن کر پورہ معروف میں آیا ورنہ جس زمانے میں ہم لوگوں نے آنکھیں کھولیں ہر طرف گھر گھر میں قرآن شریف پڑھا پڑھایا جاتا تھا یا اردو اور عربی پڑھنے کیلئے لڑکے مدرسوں میں جاتے تھے۔

جب میرا ہوش ہوا ہے اس وقت پورہ معروف میں دو مدرسے ہو چکے تھے ایک پرانا مدرسہ یعنی مدرسہ معروفیہ دوسرا نیا مدرسہ یعنی مدرسہ انصاریہ جس کا بعد میں مدرسہ اشاعت العلوم نام پڑا۔

میرے والدین میں یہ کشمکش تھی کہ زین العابدین کو حافظ صاحب کے حوالہ کیا جائے تا کہ قرآن پاک حفظ کرے یا مدرسہ معروفیہ میں داخل کیا جائے والدہ ماجدہ کا کہنا تھا کہ حافظ عبدالقادر صاحب کے وہاں اس کو حفظ کرایا جائے کیونکہ بڑے بھائی مدرسہ معروفیہ میں داخل کئے جا چکے تھے وہ چاہتی تھیں کہ دو لڑکوں میں سے ایک مولوی ہو اور دوسرا حافظ ہو مگر والد صاحب کا اصرار ہوا کہ مدرسہ میں داخل کیا جائے اس کو بھی مولوی بنایا جائے چنانچہ مدرسہ معروفیہ میں مجھے داخل کیا گیا۔ صحیح تاریخ تو یاد نہیں ممکن ہے مدرسہ کے رجسٹر داخلہ میں مل جائے مگر اتنا یاد ہے کہ نقل کی کاپی میں ۱۳۵۸ھ لکھا کرتا تھا ممکن ہے ۱۳۵۷ھ کے اخیر میں داخلہ ہوا ہو جب میں گھر سے چلتا تھا تو راستہ میں قاری عبدالجبار صاحب بڑی سی کتاب لیکر مدرسہ انصاریہ جاتے ہوئے ملتے تھے اس زمانہ میں مدرسہ معروفیہ میں صرف

ایک مدرس حضرت الاستاذ مولانا محمد شبلی صاحب خیرآبادی تھے ان کی تپائی پر اتنی ہی بڑی ایک کتاب رکھی رہتی تھی جتنی بڑی لیکر قاری عبدالجبار صاحب مدرسہ انصاریہ جایا کرتے تھے جس کو میں یہ سمجھتا تھا کہ ہمارے مولوی صاحب کی بڑی کتاب یہ پڑھتے ہیں، دونوں کی جلدیں بھی تقریباً یکساں تھیں، نیلی ابری لگی ہوئی پختہ جلد لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے استاذ علیہ الرحمۃ کی تپائی پر غیاث اللغات رہا کرتی تھی مگر قاری عبدالجبار صاحب کی کتاب کا پتہ نہ چلا، بعد میں میں نے قیاس سے سمجھا کہ وہ شرح جامی لے کر جایا کرتے تھے، کچھ دنوں کے بعد جب منشی علی احمد صاحب میونٹری والے آئے تو مولانا شبلی صاحب کا بار ہلکا ہوا ورنہ وہ اکیلے اردو کی تمام کتابیں اور فارسی کی تمام کتابیں نقل، املا، سب کچھ تنہا کراتے تھے، ہر بدھ کو پچھلا آموختہ سناجاتا تھا، جوکہ نیچے کے طلبہ اوپر کے لڑکوں کو سنایا کرتے تھے، شروع میں اردو کی پہلی، اردو کی دوسری، انجمن حمایت اسلام لاہور والی دینیات کا پہلا اور دوسرا رسالہ اور نقل واملا، گنتی اور پہاڑے، مولانا شبلی صاحب مرحوم سے پڑھتے رہے اور خوشنویسی کے تو مولانا ماہر تھے، ہی ان کا اثر تقریباً تمام ہی لڑکوں میں تھا اور مدرسہ انصاریہ اس زمانے میں خوشنویسی میں مدرسہ معروفیہ سے آگے نہ بڑھ سکا اگرچہ بڑے بڑے طلبہ کل مدرسہ انصاریہ میں یا کچھ مثلاً مولانا عبدالحق صاحب کامٹی والے مئو جاچکے تھے اور مدرسہ معروفیہ بالکل مکتب کی شکل میں رہ گیا تھا بعد میں ''ادیب المکاتب'' بورڈ کی طرف سے چل پڑی تو ہم لوگوں کو وہ بھی پڑھنی پڑی اس وقت ہماری جماعت میں بیس لڑکے ہو چکے تھے کچھ کے نام یاد ہیں۔

مولوی محمد یونس صاحب محلّہ سرواں، جو اس وقت اسلام پورہ میں منتقل ہو چکے ہیں سرواں کے سب لوگ آبادی چھوڑ کر ایک ساتھ بشارت پور آ گئے اور بعد میں اس محلّہ کا نام اسلام پورہ ہو گیا، محمد اسلام گرہست محلّہ بلوہ عبدالرؤف محلّہ بلوہ، زکریا محلّہ بانسہ، محی الدین محلّہ بانسہ، عبدالمنان محلّہ نیاپورہ، حمیداللہ مرحوم، عبداللطیف محلّہ نیاپورہ۔ دوتین ہندو لڑکے شوم رام بڑھئی، برجو سنگھ کورتھی، سورج بلی سنگھ کوٹوا ں، عبدالعظیم مرحوم محلّہ بانسہ، محمد خلیل

محلّہ سرواں، عبدالجبار محلّہ سرواں اس زمانے میں منشی علی احمد صاحب آچکے تھے اور سرکاری اسکول محلّہ بانسہ سے کافی ہندولڑکے مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوگئے تھے۔ منشی جی کے وہاں ہم لوگوں کا صرف حساب تھا۔ اس زمانہ میں پرائمری امتحانات سرکاری دینا لازم نہیں تھا، لیکن ڈپٹی خلیل احمد صاحب بورڈ کی طرف سے مدرسہ جانچ کرنے آیا کرتے تھے اور وہی ہم لوگوں کا گویا سرکاری امتحان لیتے تھے ورنہ سالانہ امتحانات قصبہ کے علماء ہی لیا کرتے تھے ڈپٹی صاحب بہت اصرار کیا کرتے تھے کہ قرآن شریف ناظرہ کا انتظام مدرسہ میں ہونا چاہئے مگر حضرت الاستاذ برابر یہی جواب دیا کرتے تھے کہ حافظ حبیب اللہ صاحب اور دوسرے لوگوں کے وہاں قرآن مجید کی پڑھائی ہوجایا کرتی ہے اور یہ لڑکے رمضان شریف میں قرآن شریف اپنے گھروں میں پڑھ لیتے ہیں۔

مولانا محمد شبلی صاحب مرحوم سے اردو پڑھنے کے بعد فارسی شروع کی فارسی کے آپ مسلم الثبوت استاذ تھے اور ایسا جچا تلا ترجمہ کرایا کرتے تھے کہ دوسرا ترجمہ اس قدر جامع مانع فٹ نہیں ہو پاتا تھا، اردو سے فارسی ترجمہ کرانے کا ہنر خداداد تھا انجمن حمایت اسلام لاہور کی پہلی اور دوسری کا فارسی میں ترجمہ کرنا اور دکھلانا انتہائی ضروری تھا جو ہم سب لوگ کرتے تھے اور غالباً میرا ترجمہ گھر پر موجود بھی ہو۔

فارسی کی پہلی دوسری اور صرف فارسی کا رسالہ شائع کردہ انجمن حمایت اسلام پڑھنے کے بعد گلستاں اور بوستاں، پھر یوسف زلیخا اخلاق محسنی حضرت استاذ مرحوم سے پڑھی۔

فارسی کی دوسری پڑھنے کے زمانے میں ایک دفعہ مجھ سے اور میرے دوساتھیوں سے ناچاقی بلکہ جھگڑا ہوگیا تو دوسرے دن میں مدرسہ انصاریہ میں چلا گیا جو اگرچہ میرے تمام متعلقین کو بہت ہی برا لگا کہ اس طرح ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسہ میں جانے میں سوائے نقصان کے تعلیمی نفع کچھ بھی نہ ہوگا چنانچہ اس طرح بے مہار ہوجانے پر گھر پر میری سزا ہوئی اور دوسرے دن سے پھر مدرسہ معروفیہ میں جانے لگا لیکن ع

خدا شرے برانگریزد کہ خیر ما دراں باشد

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ استاذ الکل حضرت مولانا عبدالحئ صاحب علیہ الرحمہ سے فارسی کی دوسری کا ایک سبق پڑھ لیا اور میں بجا طور پر فخر یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں بھی استاذ الکل حضرت مولانا عبدالحی صاحب مئوی قدس سرہ کا ایک ادنیٰ شاگرد ہوں ۔اللہ تعالیٰ مجھے بھی آپؒ کے فیوض سے مالا مال فرمائے ۔آمین

فارسی ختم ہونے پر اراکین مدرسہ کو تشویش ہوئی کہ تنہا مولانا محمد شبلی صاحب کتنا کام کریں گے اب عربی کی دو جماعتیں مدرسہ میں ہو چکی تھیں ۔ایک ہم سے اوپر جس میں میرے بھائی مولوی محمد یونس مرحوم اور عبدالعظیم محلّہ بلوہ ،حکیم گل محمد میونٹری ،محمد عمر محلّہ بلوہ ۔ دوسری جماعت ہماری جس میں ،مولوی محمد یونس محلّہ اسلام پورہ ،عبدالمنان محلّہ نیا پورہ دو ایک ساتھی کوئی اور تھے ۔غالباً مولوی حبیب اللہ بلیاوی اور کوئی دوسرے ۔

تو شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ میں کمیٹی ہوئی اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالستار صاحب معروفی سابق صدر الاساتذہ بیت العلوم مالیگاؤں وحال شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا تقرر ہوا ،اب مولانا محمد شبلی صاحب مرحوم کے وہاں سے کچھ کتابیں فارسی کی اور ہٹیں اور عربی کے دونوں درجے حضرت مولانا عبدالستار صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ ہوئے ،لیکن زیادہ روز تک دو درجے نہ چل سکے ،کچھ تو طلبہ کاروبار میں لگ گئے اور کچھ کی کمزوری کی وجہ سے حضرت مولانا نے دونوں درجے ایک کردیئے اور دن رات ہم لوگوں سے محنت لینے لگے بلکہ ہم لوگوں کی شب گذاری مستقل مولانا کے گھر ہونے لگی ،اور اپنے سامنے مطالعہ کراتے اللہ تعالیٰ مولانا کو بہت ہی جزائے خیر دے انہیں دنوں حضرت مولانا عبدالحئ صاحب مرحوم کا وصال ہو گیا جس کی وجہ سے مدرسہ انصاریہ میں بہت کمی ہوگئی آخر مولانا عبدالرؤف صاحب کو پا گنجی بلائے گئے اس زمانے میں دونوں مدرسوں کے طلبہ میں علمی تنافس خوب ہوا کرتا تھا اب مدرسہ معروفیہ میں سب سے اوپر ہماری جماعت تھی جس میں ہم صرف چار آدمی رہ گئے تھے ،میں ،مولوی محمد یونس اسلام پورہ ،میرے بھائی مولوی محمد یونس مرحوم اور مولوی حبیب اللہ اور مدرسہ انصاریہ میں ہمارے متوازن ،مولوی عزیر محلّہ بلوہ ،مولوی زین العابدین محلّہ بانسہ،

مولوی نعمت اللہ ناظم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ، ایک اور صاحب تھے۔لیکن عموماً نوک جھونک میں ایک طرف سے میں اور مولوی محمد یونس اسلام پورہ اور دوسری طرف سے مولوی عزیر اور مولوی زین العابدین محلّہ بانسہ رہا کرتے تھے اور صیغہ بازی، ترکیب سازی میں خوب مقابلہ ہوتا تھا، ویسے تو فارسی پڑھنے کے زمانے میں بھی ہم لوگ فارسی صیغوں میں مقابلہ کرتے تھے لیکن مدرسہ انصاریہ والے فارسی میں ہم لوگوں سے بے حد مرعوب تھے البتہ عربی میں مقابل کی جوڑ سمجھا کرتے تھے، لیکن الحمدللہ اساتذۂ کرام کی برکت سے مدرسہ انصاریہ والے اس میدان میں بھی کبھی ہم لوگوں سے سبقت نہیں لے گئے، آخرالامر اقرار کرنا پڑا کہ مدرسہ معروفیہ کی تعلیم بہت اونچی اور انتہائی ٹھوس ہے۔خدا کا شکر ہے کہ ہم لوگ مقابلہ ضرور کرتے تھے مگر مجادلہ نہیں کرتے تھے اور نہ کبھی کسی نے دوسرے کے استاذ پر کوئی الزام رکھا۔

اس دور کی آپ بیتی بہت ہے، ایک دفعہ مدرسہ احیاء العلوم سے دو استاذ امتحان لینے آئے، پہلے مدرسہ انصاریہ میں امتحان لیا پھر مدرسہ معروفیہ میں، وہ تھے مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری اور مولانا عبدالحفیظ صاحب عرف قاضی اطہر مبارکپوری صاحب اور مولانا محمد عمر صاحب نے امتحان کے بعد فرمایا کہ میں نے دونوں جگہ امتحان لیا مگر مدرسہ معروفیہ کے لڑکے انصاریہ سے بہت اچھے ہیں۔اگرچہ مدرسہ انصاریہ کے طلبہ نے اس کا انکار کیا، مگر اراکین نے اس کو خوب تسلیم کیا بلکہ عوام نے بھی اس کو مانا، اس لئے کہ بات یہ ہوئی کہ ختم امتحان کے بعد مولانا نے پہلے حضرت مہتمم صاحب، حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالستار صاحب سے آہستہ باتیں کیں پھر برملا ارشاد فرمایا کہ میں ان لڑکوں کو ان کی عمدہ لیاقت اور حسن جواب پر ایک روپیہ بطور انعام دیتا ہوں یہ لڑکے اس کی مٹھائی کھائیں۔اس زمانہ میں اصلی گھی ایک روپیہ کا دس چھٹانک ملتا تھا مولانا عبدالستار صاحب نے فرمایا کہ میں بھی ایک روپیہ انعام دیتا ہوں۔حضرت مہتمم صاحب مرحوم مغفور نے فرمایا کہ میں بھی ایک روپیہ انعام دیتا ہوں چنانچہ تین روپئے ہم لوگوں کو انعام میں ملے جناب محمد قاسم صاحب سردار رکن مدرسہ معروفیہ نے فرمایا کہ جس کا نمبر سب سے زیادہ ہوگا

اس کو میں ایک خصوصی انعام دوں گا چنانچہ شام کو ایک بہترین رومال لیکر آئے اور بدست مولوی محمد یٰسین صاحب عطار مد ظلہم حضرت مولانا محمد عمر صاحب سے وہ انعامی رومال انعامی جلسہ میں مجھ ناچیز کو عنایت ہوا۔ **اللھم لک الحمد علی ماانعمت علینا ولک الحمد کلہ ولک الشکر کلہ ولک الملک کلہ.**

اس کے دوسرے سال حضرت مولانا محمد عمر صاحب اور حضرت الاستاذ مفتی محمد یٰسین صاحب بغرض امتحان تشریف لائے اور بہت خوش ہوکر گئے، اس سال ہماری جماعت کی شرح جامی شرح تہذیب شرح وقایہ وغیرہ ہورہی تھیں اس کے بعد ہم تینوں ساتھی (اب تین ہی رہ گئے تھے یاد نہیں مولوی حبیب اللہ بلیاوی اس سال کہاں رہ گئے تھے) مبارکپور مدرسہ احیاء العلوم بغرض داخلہ گئے۔امتحان داخلہ حضرت مفتی صاحب نے لیا اور ہم سب لوگوں کو مطلوبہ کتابیں مل گئیں اور سالانہ امتحان کا حوالہ بھی ہم لوگوں کو دیا۔

درحقیقت مدرسہ معروفیہ کے نشاۃ ثانیہ کا وہ دور درخشاں دور تھا۔ نیچے کی جماعتوں میں بھی اچھی استعداد کے طلبہ تھے جس میں سے ایک مولوی نعمان محلّہ بانسہ کے بھی تھے جو حال میں اشاعت العلوم کے مدرس ہیں اور قاری محمد عثمان جو اس وقت خطیب ہیں۔

ایک دفعہ حضرت مولانا نظام الدین صاحب خطیب جامع مسجد مرحوم نے امتحان لیا۔امتحان کے بعد گھر جاکر اپنے صاحبزادہ مولانا ظہیر الحق صاحب سلمہ کو جو مدرسہ انصاریہ میں ہم لوگوں کے متوازن تھے بہت ہی فہمائش کی کہ مدرسہ معروفیہ میں اتنی اچھی لیاقت کے لڑکے ہیں تم لوگ کیا کرتے ہو۔ یہ بات مولوی ظہیر الحق صاحب نے مجھے اس وقت بتائی جب ہم سب لوگ دیوبند جانے کی تیاری کررہے تھے اور مقامات حریری کے آخری مقامات کی تکرار میں اپنی مسجد میں کرارہا تھا اگرچہ اس وقت لیاقت ہی کیا تھی لیکن حضرت مولانا نظام الدین صاحب مرحوم نے مجھے تکرار کرانے کیلئے مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا حاشیہ اور مولانا محمد رفیع صاحب معروفی نے الافادات عنایت فرمائی تھی، اس لئے اس کا اجر انہیں دونوں بزرگوں کے حصہ میں ہے ورنہ بے پڑھے مقامات کا تکرار کیسا ہوگا خود ہی سمجھ جائیں۔

مگر چشم فلک نے اس درخشاں دور کو حسد کی نگاہ سے دیکھا جامع مسجد کی نئی توسیع میں قبلہ درست کرنے کے مسئلہ پر قصبہ میں ایک بار پھر اختلاف ہوگیا اور حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدرسہ معروفیہ سے علیحدہ ہوکر مدرسہ انصاریہ میں چلے گئے اور مدرسہ پھر کمزور ہوگیا مختلف اساتذہ آئے لیکن ترقی ہونے کے بجائے تنزلی ہوتی چلی گئی ادھر مدرسہ کیلئے سب سے زیادہ تڑپنے والے حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب مرحوم خدا کو پیارے ہوگئے اور کچھ ہی آگے پیچھے اول وقت پر پابندی سے جامع مسجد میں اذان دینے والے حاجی کریم بخش مرحوم بھی رحلت فرما گئے اس طرح یہ مدرسہ نالہ سحر گاہی سے محروم ہوگیا آخر برادر مکرم مولانا محمد عثمان معروفی صاحب جب دارالعلوم دیوبند سے ۶۸ ۱۳ھ میں فارغ ہوکر ۶۹ ۱۳ھ کے اخیر میں پورہ معروف تشریف لائے اور ۷۱/۱۳۷۰ھ مدرس بنائے گئے تو آپ نے پھر اپنی خداداد قابلیت سے مدرسہ میں چار چاند لگا دیئے لیکن نیر اعظم کے غروب کی کمی بدر کامل کہاں پوری کرسکتا ہے اگر چہ چار سو ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مدرسہ انصاریہ کو خوب عروج بخشا۔ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب کا تقویٰ طہارت، امانت داری اور ہر دلعزیزی وہ جواہر تھے جو رنگ لائے بغیر نہ رہ سکے اعلی استعداد میں استاذ شاگرد کا کیا مقابلہ ہوسکے۔

حضرت مولانا عبدالرؤف مرحوم کے تمام شاگرد اور برادر مکرم مولانا امانت اللہ صاحب خصوصاً مدرسہ کو بام عروج پر پہنچانے کی انتھک کوشش میں لگے رہے۔ استاذ محترم کے اشارۂ چشم وابرو کو امر حتمی سمجھ کر جان توڑ کوشش کرتے رہے۔ **اللھم زد فزد** لیکن حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم بھی واصل بحق ہوگئے اب تمام تر تعلیمی وانتظامی ذمہ داریاں حضرت مولانا امانت اللہ صاحب کے کندھے پر پڑ گئیں اگر چہ مولانا مرحوم کے زمانے میں رسمی نظامت جناب حاجی عبدالمنان صاحب مرحوم کو ؤ وکی تھی۔ عملی طور پر تمام تجاویز کو بروئے کار لانا مولانا امانت اللہ صاحب کو ہی تھا جو حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم کے حددرجہ تلمیذ رشید ہیں مولانا کی خاندانی سخاوت اور رواداری ایسی عمدہ خوبی ہے جس نے موافق ومخالف ہر ایک کو مولانا کا گرویدہ

بنالیا۔اب اس وقت مولانا پر بہت سخت وقت آ گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مولانا کی دستگیری فرمائیں بارالہا میں دورہ کر مدرسہ کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تو تیری بارگاہ میں دعا تو کرہی سکتاہوں اپنے فضل سے قبول فرما۔

ادھر مدرسہ معروفیہ میں برادر مکرم مولانا محمد عثمان معروفی صاحب مدظلہم کی محنت نے کچھ واقعی انتہائی ذی استعداد طلبہ پیدا کئے جن میں مولانا عبدالستار ثانی مدرس ونائب مہتمم مدرسہ دارالرشاد بنکی اور برادر عزیز مولانا عبدالودود صاحب شیخ الحدیث اسلامیہ دارالحدیث رنگیا آسام۔اورمولوی حسین احمد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔لیکن مولانا محمد عثمان کے تلامذہ نے اس جانفشانی کا حق نہ ادا کیا جو مولانا نے ان پر کی تھی بالآخر ایک شاگرد ہی کے رویہ سے تنگ آ کر مولانا بھی مدرسہ معروفیہ سے سبکدوش ہوکر مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور تشریف لے آئے لیکن یہ بات قابل عبرت ہے کہ جس ہونہار شاگرد کو کم سے کم میں مولانا کے شاگردوں میں سب سے ممتاز سمجھتا تھا ان کی استعداد گویا کہ بالکل سلب ہوگئی یہ استاد کو ناخوش کرنے کا ثمرہ ہے۔ **اللھم احفظنا .**

اپنی کہانی سنانے کے بجائے جگ بیتی سنانے میں لگ گیا،لیکن مادر علمی کا تعلق ایسا گہرا ہوتا ہے کہ ذراسی ٹھیس پر ہم فرزندوں کو تلملا اٹھنا بالکل بجا ہے اللہ تعالیٰ پھر اس دور کو واپس لائیں۔**وماذالک علی اللہ بعزیز**

مولانا محمد شبلی صاحب مرحوم مغفور شاعر تھے بلکہ شعر میں مسلم استاذ تھے۔اگر چہ ان کی نظمیں مرتب نہ ہوسکیں اور حضرت کے فرزند اکبر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم سے متعدد احباب نے مولانا کا سرمایہ مانگا لیکن ڈاکٹر صاحب مذکور کو خود اس کا پتہ نہیں معلوم، اس لئے افسوس کہ شعروادب کا یہ سرمایہ ختم ہوگیا الا یہ کہ حضرت کے شاگردوں کے پاس کچھ اشعار ہوں۔ مولانا کی مشہور تو حیدونعت سے بھری ہوئی۔اللہُ اللہُ اللہُ اللہُ والی مثنوی پورہ معروف اور خیرآباد میں متعدد احباب کے پاس محفوظ ہے ایک دو بند مجھے بھی یاد ہے۔معرفت میں ڈوبی ہوئی وجد آفریں تقریباً پچاس بند کی مثنوی میں سے ایک دو بند ملاحظہ فرمائیں میں نہیں کہہ سکتا ہوں کہ صحیح

بھی ہیں یا ایک بند کے مصرعے دوسرے بند میں جڑ گئے ہیں۔

موج دریا سے میں نے جو پوچھا کبھی — پھیرتی ہے گلے پر جو اپنے چھری
کس کے غم میں فنا ہو کے کھوتی ہے جی — لب ساحل سے بولی وہ پر آرزو

اللہٗ اللہٗ اللہٗ اللہٗ

میں نے گلشن میں دیکھی ہر اک گل کی خو — سب کے وردِ زباں وحدہٗ وحدہٗ
قـــومـــوا تھا ورد سرو لبِ آب جو — شاخ گل پڑھتی تھی وارکعوا واسجدوا

اللہٗ اللہٗ اللہٗ اللہٗ

چڑیوں کے مستانہ وار چہچہے کے بارے میں فرمایا:

سرو ہے دھیان کس کا لبِ آب جو — یاد میں کس کی شمشاد قائم ہے تو
ڈھونڈتی ہے کسے فاختہ کو بہ کو — بول اٹھی قمری زار حق سرہٗ

اللہ ُ اللہٗ اللہٗ اللہ

(۱۹۵۵ء میں حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے روانگی حج کے وقت شوق میں ڈوبی ہوئی ایک نظم کہی جس کا مصرع تھا ع

بنے میرا مرقد دیار مدینہ

میدان عرفات میں لو لگنے کی وجہ سے رفقاء سفر مکہ مکرمہ لے کر آئے اور یہیں انتقال ہو گیا، جنت المعلیٰ میں مدفون ہیں، عبدالباسط)

مولانا کے تمام شاگردوں میں شعر سرایت کر گیا تھا۔

(۱)......جن میں سے برادر مکرم مولانا محمد عثمان صاحب متخلص عاصیؔ

کشتی زیست بہ دریائے گنہ غرق کناں — چشم عفوم بہ تو اے خالق جن و انساں
پرشدہ نامہٗ عاصی زِخطا و نسیاں — دارد امید شفاعت زِ محمد، عثمان

آخری مصرع خود مولانا مرحوم کا فرمایا ہوا مسجع ہے۔

(۲) برادر مکرم محمد قاسم صاحب قسیمؔ پھر قسیم زار کیا مداح حیدر ہو گیا۔

(۳) جناب اکرام الحق صاحب رونق معروفی

(۴) جناب مولوی نثار احمد صاحب نثاؔر خیر آبادی

(۵) جناب محمد سعید صاحب مجاہدؔ خیر آبادی۔ امین اور مبین انجم کے والد ماجد

(۶) احقر کا تخلص بھی استاد مرحوم نے رہبرؔ تجویز فرمایا تھا۔

ایک دفعہ مشاعرہ ہوا محلّہ بلوہ میں نئی بستی بنی، اس میں سب سے پہلا مکان جناب حافظ بشیر احمد صاحب مرحوم کا بنا۔ مکان بننے پر مولانا کی صدارت میں مشاعرہ ہوا۔ یہ دور تھا جب لکھنؤ میں مدح صحابہ کا بہت جوش وخروش تھا۔ اس موقع پر مولانا مرحوم کے تلامذہ کے شعر وسخن کو دیکھنے کا موقع ملا مجھے بھی اس مشاعرہ میں شعر پڑھنا تھا۔ مصرح طرح یہ تھا۔

منھ سے جو پانی لگا حضرت کے کوثر ہوگیا

اکثر شعراء کے کلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح تھی میری تک بندیوں میں سے جو یاد ہیں تحریر کرتا ہوں۔

زندگی میں یارِ غار اور بعد مردن بھی رفیق — واہ کیا رتبہ ترا صدیق اکبر ہوگیا

حضرت فاروق اعظم کی جلالت کچھ نہ پوچھ — دور ہی سے دیکھ کر شیطان ششدر ہوگیا

(۷) عبدالرب کوثرؔ

تمہارا ناز ہے گر لکھنؤ ایران والوں پر — ہمارا ناز ہے بس مصطفےٰ اور چار یاروں پر

اس مشاعرہ میں شعر پڑھنے کی اطلاع والد ماجد مرحوم کو ملی۔ مجھ پر اس قدر ڈانٹ پڑی کہ سخن سنجی تو بالکل چھوٹ گئی لیکن سخن فہمی کی کوشش آج تک نہیں گئی، اللہ جل شانہٗ کا احسان ہے اگر شعر وشاعری میں پھنسا ہوتا تو اس بھنور سے نکل کر قرآن وحدیث سمجھنے کی محنت میں نہ لگ پاتا اللہ تعالیٰ والد مرحوم کو جزائے خیر دیں ورنہ اس زمانے میں سبق میں بیٹھے ہوئے کلام ہی موزون کرتے رہ جاتا تھا اس وقت سبق سمجھنا تو در کنار استاذ کی تقریر بھی صحیح نہ سن پاتا تھا۔

اس کے بعد جامعہ احیاء العلوم مبارکپور میں ۱۳۶۷ھ میں داخلہ ہوا۔ جب ہم تینوں ساتھی ایک چوتھے (جو ہم سے نیچے کی جماعت میں تھے) مولوی نظام الدین صاحب اور پانچویں حافظ

مستجاب الدین کے ساتھ پہنچے تو اس وقت وہاں کے اساتذہ میں سے قاضی اطہر صاحب (مبارکپوری) ڈابھیل جانے کی تیاری کررہے تھے اور استاذ محترم مولانا عبدالغنی صاحب رسولی مدظلہم استعفیٰ دے چکے تھے اس زمانہ میں حسب ذیل اساتذہ کرام تھے۔ (۱) حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین صاحب (۲) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفی حال شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد (۳) حضرت مولانا قاری ظہیرالدین صاحب معروفی (۴) مولوی محمد صاحب کوپاگنجی (۵) درجہ حفظ میں حافظ محمد یٰسین صاحب بمھوری (۶) اسی زمانہ میں حضرت مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی مدرسۃ الاصلاح سرائمیر سے علیحدہ ہوکر مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے تھے اوران کے ساتھ برادرمکرم مولوی صبغۃ اللہ صاحب بلیاوی، مولوی ظہیر صاحب مفتاحی مدرسہ میں پڑھنے آچکے تھے، مولوی صبغۃ اللہ صاحب سے فارغ ہونے کے بعد صرف ایک ملاقات ہوئی اس کے بعد ان کا کیا حال ہے کچھ معلوم نہیں۔ انتہائی ذی استعداد طالب علم تھے اس کے ساتھ ہی باوقار، مرنجاں مرنج طلبہ کی تقریر پر جامع تبصرہ لکھا کرتے تھے۔ (۷) حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری (صرف دو گھنٹے) پڑھایا کرتے تھے۔

ہماری کتابوں کی تقسیم یوں ہوئی۔

(۱) حضرت مفتی صاحب مدظلہم: ہدایہ اولین، قطبی بعدہ سلم العلوم

(۲) حضرت مولانا داؤد اکبر صاحب: ترجمہ قرآن پاک شروع کے چار پارے

(۳) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب: مقامات حریری

(۴) حضرت مولانا قاری ظہیرالدین صاحب: نورالانوار

لیکن ابھی ہمارا قرآن پاک صرف سواپارہ مقامات حریری صرف چار مقامے، نورالانوار خاص کے بعد بحث عام شروع ہوئی تھی کہ ڈابھیل والوں کے شدید اصرار پر مولانا عبدالجبار صاحب ڈابھیل چلے گئے اور ہمارے دوساتھی مولوی محمد یونس محلّہ سرواں اور مولوی نظام الدین محلّہ پراناپورہ پورہ معروف واپس آکر مدرسہ انصاریہ میں داخل ہوگئے۔ صرف ہم دونوں بھائی اور حافظ مستجاب الدین صاحب احیاء العلوم میں کل تین معروفی لڑکے رہ گئے تو

اسباق کی از سرِ نو تقسیم ہوئی۔

حضرت مفتی صاحب کی گھنٹی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ حضرت مولانا داؤد اکبر صاحب کے وہاں سے قرآن پاک اور مولانا قاری ظہیر الدین صاحب کے پاس سے نورالانوار کے اسباق ہٹا کر مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری کو دیدیئے گئے اور مولانا عبدالجبار صاحب کی مقامات مولانا داؤد اکبر صاحب کے وہاں آ گئی۔ مقامات حریری کے بعد دیوان متنبّی قافیہ با تک مولانا کے وہاں پڑھی۔

یہاں بھی تمام امتحانات میں احقر کو امتیازی نمبرات ملتے رہے اور مولانا داؤد اکبر صاحب کے پاس انشاء عربی کی مشق بھی پوری پابندی سے ہوتی رہی۔ جمعرات اور جمعہ کو جو طالب علم گھر جانا چاہتا اس کو مولانا داؤد اکبر صاحب سے رخصت لینی پڑتی تھی، الحمدللہ سال بھر میں مجھے صرف ایک دو جمعے کو چھٹی لینی پڑی ورنہ میں گھر بھی اس وقت جاتا تھا جب مدرسہ کی جانب سے کوئی چھٹی مثلاً بقر عید یا سہ ماہی، شش ماہی وغیرہ کی چھٹیاں ہوتی تھیں۔ اس لئے تمام اساتذہ اور حضرت ناظم صاحب مولانا عبدالباری صاحب قاسمی مدظلہم مجھ سے بے حد خوش رہے۔ البتہ گھر سے باہر مدرسہ کے مطبخ کا کھانا پہلی دفعہ کھانا پڑا تھا اس وجہ سے پیچش کی شکایت شروع میں کچھ ہوئی مگر پھر معدہ ہر سخت و نرم کو خود بخود قبول کرنے کا عادی ہو گیا۔ والحمدللہ علیٰ نعماءہ الشاملہ

دیوبند روانگی

مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور ضلع اعظم گڑھ میں صرف ایک سال قیام رہا پھر شوال ۱۳۶۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کیلئے روانگی ہوئی خوب اچھی طرح یاد ہے کہ بعد عصر میں اور بھائی صاحب مرحوم اور برادر مکرم مولوی ظہیر الحق صاحب پورہ معروف سے روانہ ہوئے اور رات میں ڈھائی بجے کی گاڑی سے روانگی طے ہوئی تھی اس لئے کہ بھائی صاحب مرحوم شہر بلیا جا کر حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام سفر معلوم کر کے آئے تھے ہمیں پہنچانے کے لئے مئو تک ہمارے دادا جناب مولوی عبدالحمید صاحب جو ہمارے دادا کے علاتی بھائی اور والد مرحوم کے رضاعی بھائی ہیں اور عمر میں والد صاحب

مرحوم سے چھوٹے ہیں اوراب تک بحمد اللہ باحیات ہیں(ان کی وفات ۱۳۹۸ھ میں ہوئی)اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد پورہ معروف اور دوایک آدمی اورتشریف لے گئے ۔مغرب کے وقت مئو پہنچے اور بھائی الحاج ضیاء الرحمٰن مرحوم (جومولوی ظہیرالحق صاحب کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے) کے وہاں گیارہ بجے رات تک قیام ہوا۔ بھائی الحاج الحافظ القاری ضیاء الرحمٰن مرحوم کے گھر کے سبھی لوگ ہم لوگوں کے پہنچنے پر بے انتہا خوش ہوئے اور بے حد مہمان نوازی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دیں ۔وہاں ہم لوگوں کے ہم عمر اہل حدیث طالب علم مولوی مختار احمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ان کو ہمارے سفر کی غرض وغایت معلوم ہوئی تو بحث ومباحثہ کرنے لگے، بھائی مولوی ظہیرالحق صاحب ان کی باتوں کا جواب دیتے رہے مگر وہ فاتحانہ انداز میں قدم آگے بڑھاتے چلے گئے، آخرانہوں نے ہماری کتابوں میں سے قطبی اور سلم العلوم کو موضوع بحث بنایا کہ ان سے کیا فائدہ؟ آپ لوگ اس کے پیچھے کیوں اس قدر پڑے ہیں اس میں کیوں وقت ضائع کرتے ہیں میں نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ حملہ کرتے رہے تو میں نے پوچھا کہ آخرسب سے زیادہ مفید آپ کس فن کو قرار دیتے ہیں، انہوں نے قرآن وحدیث کا نام لیا میں نے کہا بالکل بجا اور درست ہے لیکن یہ بتائیں اصل عربی قرآن وحدیث یا اس کے اردو تراجم؟ انہوں نے بگڑ کر کہا کہ اصل عربی۔ میں نے کہا اردو خواں اصل کو کیسے سمجھیں ؟ تو انہوں کہا کہ نحو وصرف اورادب کے ذریعہ۔ میں نے ان کی مقررہ کتب نحو وصرف پوچھی تو ہم لوگوں کے مقابلے میں ان کی بے مایگی ظاہر ہوگئی، میں نے کہا اب رہا علم ادب تو آپ پہلے یہ بتائیں کہ علمِ ادب کیا ہے؟ اس کی تعریف کریں اور موضوع متعین فرمائیں، اوراس کے رؤس ثمانیہ کی ذرا وضاحت فرمادیں، اب تو بہت سٹ پٹائے پھر جو میں نے مقامات حریری کی لغات اوراشعار متنبّی کی تراکیب کا ان سے سوال کیا تو چپ ہی ہوگئے ۔اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ ایک اہل حدیث پر فتح عنایت فرمائی، وہ دن ہے اورآج کا کہ پھران سے ملاقات نہ ہوئی، حالانکہ ان کے دل میں بھی ہم لوگوں سے محبت ہوگئی تھی اور مجھے بھی ان سے تعلق محسوس ہوتا رہا۔ بھائی ضیاء الرحمٰن مرحوم کی حیات میں جب میرا مئو جانا ہوتا تو ان کو

پوچھتا معلوم ہوتا کہ وہ بنارس یا کہیں اور سفر پر ہیں اور وہ گھر واپس آتے تو میرے متعلق بھائی ضیاء الرحمٰن مرحوم سے پوچھتے تو بتاتے کہ دیوبند، میرٹھ، آسام، میں جہاں رہتا بھائی ضیاء الرحمٰن مرحوم بتادیتے، واسطہ وہی بنتے رہے لیکن آج تک ان سے ملاقات نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ انہیں بھی بصحت وعافیت رکھے۔ بھائی ضیاء الرحمٰن کے سفر حج کی روانگی کے بعد یہ پوچھ تاچھ بھی ختم ہوگئی، اور سفر حج میں بھائی ضیاء الرحمٰن کے انتقال کے بعد تو تعزیت میں اوراس کے بعد دوچار دفعہ ان کے گھر جانا آنا ہوا۔ حالانکہ ان کے چھوٹے اور بڑے بھائی صاحبان سب ہی مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اللہ پاک ان کی محبت کو قبول فرمائے اور بھائی ضیاء الرحمٰن کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، نہایت عمدہ بہت ہی مخلص آدمی تھے ان کے ایک صاحبزادہ عزیز الرحمٰن موجود ہیں خدا ان کی عمر میں برکت عنایت فرمائے۔

گیارہ بجے کے بعد ہم لوگ اسٹیشن روانہ ہوئے اوراس ڈبہ میں جس میں حضرت علامہ علیہ الرحمہ تھے سوار ہوئے وہاں سے رفقائے سفر میں اضافہ شروع ہوا اور دیوبند پہنچنے تک ایک بھاری قافلہ ہوگیا۔ حضرت علامہ قدس سرہ کی آمد کی اطلاع پر بہت سے اسٹیشنوں پر علماء ومشائخ ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے بہرحال مئو کے رفقاء میں سے حسب ذیل احباب ساتھ دیوبند پہنچے۔ مولانا اختر حسن صاحب محلّہ ابراہیم پورہ حال مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، مولوی ضیاء الحسن صاحب کھیری باغ والے، مولانا شفیع احمد صاحب حال مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، مولوی سعید الرحمٰن ولد مولانا محمد ایوب صاحب ناظم مفتاح العلوم مئو جو حال میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مانے ہوئے ادیب ہیں، اعظم گڈھ گاڑی پہونچی تو وہاں سے مولوی محمد سلیم صاحب جہانا گنجی، مولوی قاری محمد ایوب صاحب جو آج کل بھیونڈی مستقل رہنے لگے ہیں۔ نہ تمام نام یاد ہیں اور نہ لکھنے کی گنجائش ہے۔

شاہ گنج سے بذریعہ لاہور اکسپریس سہارنپور ہوکر پسنجر سے ۱۰؍شوال المکرّم ۱۳۶۸ھ ۸؍بجے صبح دیوبند پہنچے، ملک تقسیم ہوچکا تھا، فسادات جگہ جگہ ہورہے تھے لیکن ہوڑہ سے لاہور تک لاہور ایکسپریس ابھی چل رہا تھا۔

جس زمانے میں ہم لوگ دیوبند گئے تھے اس وقت قاعدہ یہ تھا کہ جو طالب علم

امتحان داخلہ میں ۴۲ رنمبر حاصل کر لیتا اس کی مطلوبہ کتابیں، امداد، بشرطیکہ غیر مستطیع ہو کتب خانہ سے مستعار کتابیں، دارالاقامہ میں حجرہ، سب کچھ آسانی فراہم کی جاتی تھی اور جس کو ۴۰ رنمبر ملتا اس کو بھی سب رعایت ملتی لیکن کھانا نہیں ملتا تھا۔ اور اس سے کم پر مطلوبہ کتابیں نہیں ملتی تھیں لیکن ممتحن کی تجویز کردہ کتابیں اگر پڑھنا چاہے تو کتابیں مستعار اور دارالاقامہ میں حجرہ مل جاتا تھا۔ ہم لوگ جب احاطہ دارالعلوم میں پہونچے اور دار جدید میں حجرہ نمبر ا۷ پر اعظم گڈھ منزل لکھا ہوا دیکھا تو اس میں داخل ہوئے۔ مولانا عبدالصمد صاحب مرحوم گورکھپوری جو دورہ حدیث پڑھ کر اس سال فنون پڑھنے کے لئے رکے ہوئے تھے، انہوں نے اور ان کے ایک اور ساتھی نے ہمارا خوشی سے استقبال کیا اور جدید طالب علم کی پریشانی کو سمجھا، فارم داخلہ وغیرہ لینے اور کھانے کا ٹکٹ خریدنے میں پورا پورا تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہت ہی جزائے خیر دیں اور بال بال مغفرت فرمائیں۔

دوسرے دن بعد نماز ظہر ہم لوگوں کا امتحان داخلہ ہوا جس میں ہم سبھی لوگ کامیاب ہوئے۔ مولوی اختر حسن صاحب کا اور میرا امتحان مولانا عبدالاحد صاحب مدظلہم کے وہاں اور مولوی ظہیر الحق صاحب اور مولوی سعید الرحمٰن صاحب، مولانا اختر حسن صاحب (یعنی میاں صاحب) کے وہاں بھائی صاحب کا مولانا معراج الحق صاحب کے وہاں تھا۔

داخلہ امتحان کے نمبرات حسب ذیل تھے۔

زین العابدین.................................... ۴۵

بھائی صاحب مرحوم............................. ۴۰

مولوی ظہیر الحق................................. ۴۲

مولوی سعید الرحمٰن............................. ۴۸

مولوی اختر حسن صاحب اور مولوی ضیاء الحسن صاحب کھیری باغ، مولوی شفیع احمد صاحب کے نمبرات یاد نہیں۔ دوسرے مولوی ضیاء الحسن صاحب جن کو بسطۃ فی العلم والجسم

عنایت ہوا ہے وہ ہمارے ساتھ نہیں گئے تھے بعد میں تشریف لے گئے اس موقع پر مولوی محمد مصطفیٰ صاحب مئوی قاسمی ثم الازہری بھی اس وقت قدیم طالب علم تھے، انہوں نے بھی ہم لوگوں کی بڑی اعانت کی تھی اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ اس زمانے میں درجہ بندی نہ تھی اور ہر کتاب دو اساتذہ کے پاس ہوا کرتی تھی اس قدر یاد ہے کہ ہم سب لوگ کسی نہ کسی کتاب میں ضرور ساتھ تھے مگر سب کو کون کون کتاب ملی پوری طرح یاد نہیں۔ جس صبح کو ہم دیوبند پہنچے اس کے پہلے ہی شب میں شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی اور مفتی محمد شفیع صاحب اور کچھ دن پہلے شیخ الاسلام پاکستان مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم پاکستان جا چکے تھے اور مولانا عبدالخالق صاحب استاذ مشکوٰۃ کا گھر پاکستان ہی میں پڑ گیا تھا۔

بعد رمضان وہ تشریف نہ لا سکے۔ ان اکابر سے نہ پڑھ سکنے کا قلق اب تک ہے بعد میں فتوی نویسی کی خدمت جب میرے سپرد ہوئی تو ایک آدھ مرتبہ مراسلت کی نوبت تو آئی لیکن دیکھنے اور پڑھنے کا موقع نہ مل سکا اللہ تعالیٰ ان میں سے مرحومین کی مغفرت فرمائیں اور موجودین کے فیوض سے ہمیں بھی نفع پہنچائیں۔

اس سال میرے اسباق کی ترتیب حسب ذیل تھی:

دو گھنٹے : ہدایہ آخرین، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہٗ قائم مقام ناظم تعلیمات کے پاس۔ اس میں مولانا عبدالحی چشتی، قاری ظہیر بلند شہری، فیض علی شاہ ہزاروی ساتھ تھے۔

تیسرا گھنٹہ: ملاحسن شرح سلم العلوم: حضرت مولانا عبدالاحد صاحب مدظلہم کے پاس اس میں بھی قاری ظہیر صاحب (جو مرکز تبلیغ میں ہیں ساتھ تھے)

چوتھا گھنٹہ: میبذی: حضرت مولانا محمد جلیل صاحب کیرانوی علیہ الرحمۃ کے پاس

پانچواں گھنٹہ: تجوید (فوائد مکیہ): قاری محمد عتیق صاحب مدظلہم تلمیذ قاری عبدالوحید الہ آبادی مرحوم کے پاس

چھٹا گھنٹہ : مختصر المعانی، تلخیص المفتاح: حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دامت

برکاتہم العالیہ کے پاس

بعد مغرب : دیوان متنبّی، عروض المفتاح: حضرت مولانا فخر الحسن صاحب دامت برکاتہم کے پاس، اس میں برادرم مولانا محمد عثمان معروفی صاحب ساتھ تھے۔

سہ ماہی امتحان کے بعد جب میبذی ایک معتد بہ حصہ تک ہوچکی تھی تو شرح عقائد نسفی: شیخ التفسیر حضرت مولانا ریاض احمد صاحب چمپارنی قدس سرہ کے پاس ہوئی۔

درمیان سال میں مولانا کے صاحبزادہ بیمار ہوگئے اور مولانا مکان تشریف لے گئے تو آٹھ دن تک شرح عقائد کا سبق مولانا محمد حسین صاحب بہاری مدظلہم نے پڑھایا نیز مختصر المعانی کا دوسرا فن بھی مولانا بہاری مدظلہم نے پڑھایا۔ میرے نوٹ بک میں بالتفصیل ہر کتاب کے امتحانات سہ ماہی، شش ماہی و سالانہ کے نمبرات تحریر ہیں اور ممتحنین کی تفصیل بھی کہیں کہیں لکھی ہے لیکن صرف سالانہ نمبرات لکھنے پر کفایت کرتا ہوں۔

اس زمانہ میں پاس ہونے کے لئے مفروضہ پچاس نمبروں میں سے چالیس نمبر حاصل کرنا ضروری تھا اور طالب علم کی حسن تحریر پر انعامی نمبرات جو پچاس سے زائد بھی ہوسکتے تھے دیئے جاتے تھے۔ سال اول ۶۹۔۶۸-۱۳ھ کے نمبرات سالانہ

کتاب	نمبر	کتاب	نمبر
ہدایہ اخیرین	۴۰	فوائد مکیہ	۴۵
میبذی	۴۵	خوشنویسی	۴۷
ملاحسن	۵۱	مختصر المعانی	۴۸
شرح عقائد نسفی	۵۰	تلخیص المفتاح	۵۰
قراءت	۵۰	دیوان متنبّی	۵۱
عروض المفتاح	۴۵		

اس سال میرے فارم داخلہ جدید کا نمبر ۱۴؍ تھا اور ٹکٹ طعام کا نمبر ۲۰؍ تھا۔ اس زمانے میں ماہانہ چھ آنے یعنی ۳۷؍ پیسے صابن کیلئے وظیفہ ملتا تھا اور سال میں دو دفعہ ایک ایک جوڑا کپڑا اور پانچ روپے جوتہ کے لئے ملتے تھے۔

اس زمانے میں جلالین شریف کے لئے مختصر المعانی اور ترجمۂ کلام پاک لازم تھا

احیاء العلوم میں میری مختصر المعانی نہ ہوسکی تھی اس لئے مشکوٰۃ جلالین مطلوبہ کتابوں میں نہ لکھ سکا اور یہ خدا کا بہت بڑا کرم ہوا ورنہ ایک ہی سال بعد دورۂ حدیث شریف کرلیتا تو علوم وفنون کی بہت سی کتابیں رہ جاتیں، کیوں کہ اس وقت تک نہ تو ہدایہ اخیرین ہی شرائط دورہ میں تھی اور نہ بیضاوی سورۂ بقرہ پس ایک سال کے بعد دورہ سے کوئی چیز مانع نہ بنتی۔

برادر مکرم مولانا محمد عثمان معروفی صاحب دورۂ حدیث سے ۲۶/شعبان ۱۳۶۸ھ میں فارغ ہو چکے تھے اور شوال ۱۳۶۸ھ میں فنون کی کچھ کتابیں پڑھنے تشریف لائے تھے جن کے ساتھ دیوان متنبّی اور عروض المفتاح میں میری رفاقت ہوگئی تھی اور اسی سال (۶۹ء ۶۸ء) پورہ معروف کے مولوی ظہیر الحق ولد عبدالسلام مرحوم، مولانا امانت اللہ صاحب، مولوی محمد زبیر صاحب ولد مولانا محمد یٰسین صاحب، حکیم مولوی محمد مشتاق صاحب نے دورہ پڑھا ان لوگوں کی بخاری شریف ۲۷/شعبان ۶۹ھ میں ختم ہوئی۔

دارالعلوم دیوبند میں میرا دوسرا سال:

اس سال ۱۴/شوال ۱۳۶۹ھ کو دیوبند پہونچا اس سال فارم داخلہ قدیم نمبر ۳۰۵ تھا کتابوں کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

۱:- مشکوٰۃ شریف: حضرت مولانا محمد جلیل صاحب مرحوم کے پاس مکمل ختم ہوئی۔ سالانہ امتحان میں ۵۲/نمبر ملے۔

۲:- جلالین شریف ختم: حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب کے پاس جو اس وقت نائب مہتمم ہیں غالباً پہلی بار آپ کے پاس جلالین آئی تھی۔ (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰)

۳:- شرح نخبۃ الفکر اصول حدیث: مولانا محمد جلیل صاحب مرحوم (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۱)

۴:- الفوز الکبیر: مولانا نصیر احمد خاں صاحب (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰)

۵:- خوشنویسی: مولانا اشتیاق احمد صاحب کے پاس (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰)

۶:- سراجی: قاضی مسعود احمد صاحب نائب مفتی کے پاس۔

(سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰) آپ غالباً شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے۔ رحمۃ اللہ علیہما

۷:- قراءت: جناب قاری عتیق احمد صاحب مدظلہم کے پاس: ۲۸ر ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ کو
قرآن مجید حدر وتدویر میں بروایت حفص ختم ہوا۔ (سالانہ امتحان کا نمبر ۴۵)
۸:- المقدمۃ الجزریۃ: قاری صاحب مذکور (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰)
۹:- خلاصہ البیان: قاری صاحب مذکور (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۰)
۱۰:- تصریح علم ہیئت میں: حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب کے پاس۔
(سالانہ امتحان کا نمبر ۵۳)
۱۱:- شرح چغمینی علم ہیئت میں: حضرت مولانا بشیر احمد (سالانہ امتحان کا نمبر ۵۳)
۱۲:- بست باب زائچہ میں: حضرت مولانا بشیر احمد (سالانہ امتحان کا نمبر ۴۹)
۱۳:- اقلیدس چاہتی (جیومیٹری) میں: حضرت مولانا بشیر احمد خانصاحب مرحوم کے پاس۔
(سالانہ امتحان کا نمبر ۵۳)

جو بعد میں نائب مہتمم ہوئے، امام فن تھے، صاف گو، طلبہ پر انتہائی شفیق، استاذ مولانا نصیر احمد صاحب کے بڑے بھائی اس سال سالانہ انعامی جلسہ میں دورہ حدیث میں اول آنے والے طالب علم کے بعد پورے مدرسہ میں سب سے زیادہ مجھے انعام ملا۔ اس کی تفصیل ابھی تک گھر پر محفوظ ہے۔ **فللّٰہ الحمد والمنة ربنالاتزغ قلوبنا بعداذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة. انك انت الوهاب.**

امسال ۲۹ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ۸ر جنوری ۱۹۵۱ء کو حضرت مولانا ابوالکلام آزاد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے اور بعد ظہر خطاب عام فرمایا۔ موضوع علم دین مطلوب ہے وسیلہ نہیں۔ آخر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے شکریہ کے ساتھ اجلاس برخواست کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں میرا تیسرا سال:

۲۳ر شوال المکرّم ۱۳۷۰ھ کو دارالعلوم دیوبند پہنچا۔ فارم داخلہ نمبر ۴۹۴ قدیم ملا۔ یہ سال ذہنی تشویش کا تھا اس وجہ سے کہ میرے تمام ساتھیوں کا اس سال دورہ تھا اور مجھے

علوم وفنون کی بقیہ کتابیں پڑھنے کا شوق غالب تھا۔ بہت سے ساتھی سمجھاتے تھے کہ تم دورہ کرلو اس کے بعد فنون پڑھنا اس لئے کہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ضعف و پیری کی وجہ سے نہیں کہا جا سکتا کہ کب حضرت چل دیں؟ اتنے بڑے محدث سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ چنانچہ میری طبیعت میں بھی انتشار پیدا ہوا لیکن نوشتۂ تقدیر اور فنون کا شوق غالب آیا۔ آخر فنون ہی میں داخلہ لے لیا اس سال بھائی صاحب مرحوم کا بھی دورہ تھا اور درمیان سال میں بھائی صاحب مرحوم سخت بیمار ہوگئے، انھیں ہسپتال میں داخل کیا۔ ۲۲،۲۳ روز کے بعد ہسپتال سے نکلے، ادھر گھر پر حالات کچھ خراب ہوگئے تو والد صاحب رنگپور بسلسلہ کاروبار تشریف لے گئے۔ گھر پر والدہ ماجدہ اور چھوٹے بھائی بہن انتہائی تنگی میں چل رہے تھے، ان وجوہات کی بناء پر انتشار بڑھتا چلا گیا لیکن اللہ پاک نے بروقت اعانت فرمائی۔ کلکتہ سے ہمارے ایک تایا مولانا محمد یٰسین صاحب مرحوم معروفی خلیفہ مجاز حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مرحوم (یعنی مولوی عزیر صاحب کے والد ماجد) نے خط لکھا کہ ایک صاحب تم لوگوں کو کچھ روپیہ دینا چاہتے ہیں تم لوگ کہو تو نقد بھیج دوں یا ترجمہ حضرت شیخ الہند یا اور کوئی کتاب خرید کر بھیج دوں۔ بھائی صاحب نے لکھ دیا کہ نقد ہی بھیج دیں، چنانچہ تیس روپئے انھوں نے بھیج دیئے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ آمین

دوسری بات یہ ہوئی کہ حضرت العلامہ مولانا بلیاوی علیہ الرحمۃ جو شرح ترمذی لکھ رہے تھے اس میں مولانا مرحوم کے کاتب ایک طالب علم تھے جو فارغ ہو کر گھر چلے گئے تھے۔ مولانا نے مجھ کو کتابت کیلئے منتخب فرمایا۔ فل اسکیپ صفحہ پر ۲؍آنے فی صفحہ کے حساب سے اس کی اجرت ملتی تھی ''حکیم محفوظ علی صاحب مرحوم نے مجھے فرمایا کہ اس کام کو تم کرو انتہائی مفید کام ہے میرے ساتھی (حضرت) مولانا زکریا (صاحب) تھے لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہٗ کی تصانیف میں کتابت کرتے کرتے آج شیخ الحدیث اور شارح حدیث بن گئے''۔ میں بھی اس ہم خرما و ہم ثواب کو چاہتا تھا قبول کرلیا اور الحمد للہ تنگی

بھی دور ہوگئی اور علمی فائدہ بھی خوب پہونچا۔ حضرت علامہ کی تصنیف کا طریقہ ان شاء اللہ اساتذہ کے باب میں بیان کروں گا۔

اس سال میری حسب ذیل کتابیں تھیں:

۱:- بیضاوی شریف سورہ بقرہ حضرت مولانا ظہور احمد صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس
(سالانہ امتحان میں ۵۲ نمبر ملے)

۲:- شرح عقائد خیالی (عقائد میں) (سالانہ امتحان میں ۴۴ نمبر ملے)

۳:- المسامرہ فی شرح المسائرہ (عقائد میں) (سالانہ امتحان میں ۴۵ نمبر ملے)

یہ دونوں بھی حضرت مولانا ظہور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔

۴:- امور عامہ (۵) شرح عقائد جلالی (عقائد میں) حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہ کے پاس پڑھی۔ دونوں میں سالانہ امتحان میں ۴۰۔۴۰ نمبر ملے۔

۶:- توضیح تلویح (اصول فقہ) مولانا ظہور احمد صاحب کے پاس
(سالانہ امتحان میں ۴۰ نمبر ملے)

۷:- قاضی مبارک (منطق) حضرت علامہ بلیاوی مرحوم کے پاس۔
(سالانہ امتحان میں ۴۱ نمبر ملے)

۸:- حمد اللہ (منطق) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کے پاس۔
(سالانہ امتحان میں ۳۶ نمبر ملے)

زندگی میں پہلی بار اسی ایک کتاب میں فیل ہوا؛ اس وجہ سے یہ کتاب سند پر نہ لکھی گئی۔

۹:- صدرا: (فلسفہ میں) مولانا محمد جلیل صاحب کیرانوی مرحوم کے پاس
(سالانہ امتحان میں ۵۲ نمبر ملے)

۱۰:- شرح اشارات ابن سینا للسطوسی: علامہ بلیاوی مرحوم کے پاس
(سالانہ امتحان میں ۵۱ نمبر ملے)

۱۱:-خوشنویسی: حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب مدظلہم کے پاس

(سالانہ امتحان میں ۵۱ر نمبر ملے)

اس سال کے نمبرات نسبتاً سالہائے گذشتہ سے کم آئے، اس کی وجہ کچھ تو کتابوں کا مشکل ہونا ہے اور کچھ ذہنی انتشار ہے، لیکن الحمدللہ سال گذشتہ کی طرح اس سال بھی سونے کے لئے صرف چھ گھنٹے دس بجے رات سے چار بجے شب تک پابندی کے ساتھ دیتا رہا۔ بقیہ تمام اوقات یا تو ضروریات طبعیہ یا نماز میں ورنہ تمام اوقات مطالعہ اور تکرار میں لگے۔

اس سال خارج میں حضرت مفتی مہدی حسن صاحب دامت برکاتہم صدر مفتی مدرسہ دارالعلوم کے پاس دارالافتاء میں افتا نویسی کی مشق بھی کرتا رہا۔ حضرت مفتی صاحب نہایت شفقت فرماتے۔ بعد عشاء مجھے وقت عنایت فرمایا تھا۔

نماز، زکوٰۃ، نکاح، طلاق، مصاہرت، بیع صرف، وقف، تجوید، فرائض کے چوہتر استفتاؤں کے جوابات لکھے جن تمام پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی تصدیق ہوتی تھی اور وہ مفتی صاحب کے رجسٹر میں نقل ہوکر سائلین کے وہاں بھیجے جاتے تھے بعض بعض جواب پر حضرت مفتی مسعود احمد صاحب اور مفتی احمد علی سعید صاحب کی تصدیقات بھی ہیں۔ میرے لکھے ہوئے فتاوی کے نمبرات ۶۸ الف سے شروع ہوکر ۹۹۳ الف تک رجسٹر میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ میرا پہلا جواب ۲۰ر محرم ۱۳۷۱ھ بروز سہ شنبہ کا لکھا ہوا ہے۔ حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کو میرے لکھے ہوئے جوابات پر اتنا اعتماد ہو چکا تھا کہ دارالافتاء میں میری تقرری کیلئے حضرت مہتمم صاحب دام مجدہم سے سفارش فرما چکے تھے لیکن کن کن کرم فرماؤں کی عنایت حائل ہوگئیں جس کی وجہ سے میری تقرری دارالافتاء دارالعلوم دیوبند میں نہ ہوسکی۔ ان کا پردۂ خفا میں رہنا ہی مناسب ہے

گفتگو آئین، درویشی نہ بود ورنہ باتو ماجراہا داشتیم

اللہ تعالیٰ مجھے بھی صبر کرنے کی توفیق دے اور ان کرم فرماؤں کو بھی معاف کردے ۔ ۲۲ر۲۳ر سال کے بعد آج یہ زخم پھر ہرا ہوگیا۔ سچ ہے:

جراحات اللسان لهاالتيام ولا يلتام ماجرح اللسان

متفرق:

اس سال مدنی دارالمطالعہ طلبہ یوپی کے لئے پھر مخصوص ہوگیا، اوراس کا عموم ختم ہوگیا، اس وقت قلمی رسالہ ماہنامہ آزاد کا میں مرتب مقرر ہوا، اورمولوی عزیراحمد سیتاپوری اس کے مدیر، لیکن صرف دو پرچے نکل سکے جب تک سالانہ امتحان آ گیا۔ اس سال دارالمطالعہ کے جلسہ میں میں نے عربی میں ایک مقالہ بھی پڑھاتھا جس کا مسودہ میری کاپی میں اب تک موجود ہے۔ مولوی وحیدالزماں صاحب کیرانوی جوعمر میں بھی اور درجہ میں بھی مجھ سے نیچے تھے لیکن عربی لکھنے، پڑھنے، بولنے اورتقریر کرنے کا اس زمانہ میں بھی ملکہ رکھتے تھے ان سے اس مقالہ کی اصلاح کرائی تھی۔

برادرمکرم مولوی ظہیرالحق صاحب ولد حضرت مولانا نظام الدین صاحب مرحوم اس سال تمام کتابوں میں ساتھ رہے صرف دو کتابوں میں ساتھ نہ تھے، اس لئے کہ ان کی ہدایہ آخرین نہ ہوئی تھی، دوگھنٹی ہدایہ آخرین میں حضرت شیخ الادب صاحبؒ کے پاس رہے۔اس سال دورہ حدیث میں پورہ معروف کے مولوی نعمت اللہ صاحب ناظم مدرسہ فرقانیہ گونڈہ اور بھائی صاحب مولوی محمد یونس صاحب مرحوم تھے ان کی بخاری کب ختم ہوئی یادنہیں رہی۔

دارالعلوم دیوبند میں میراچوتھاسال: (دورۂ حدیث شریف)

اس سال دیوبند پہنچنے کی تاریخ یادنہیں۔ فارم داخلہ قدیم (۱۱۰) تھا اس سال ہماری کتابوں کی ترتیب یوں تھی:

بخاری شریف وترمذی شریف جلد اول : شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیدحسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدۂ کے پاس، اورترمذی شریف جلدثانی حضرت مولانا اعزازعلی صاحب کوحضرت شیخ نے دیدی تھی جوخارج میں ختم ہوئی۔

سالانہ امتحان کا نمبر

بخاری شریف میں ۵۱، اور ترمذی میں ۵۰۔

مسلم شریف وطحاوی شریف: حضرت علامہ بلیاوی قدہ سرہٗ کے پاس۔ طحاوی بعد فجر ہوتی تھی۔ مسلم میں ۵۲، اور طحاوی میں ۵۳۔

ابوداؤد شریف وشمائل ترمذی: حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ کے پاس۔

ابوداؤد شریف ۵۱، اور شمائل ترمذی میں ۵۰۔

نسائی شریف: حضرت مولانا فخرالحسن صاحب دام مجدہم کے پاس سالانہ امتحان کا نمبر (۵۳)

موطأ امام محمد: حضرت مولانا فخرالحسن صاحب کے پاس سالانہ امتحان کا نمبر (۵۲)

موطاء امام مالک: غالباً مولانا محمد جلیل صاحب کے پاس سالانہ امتحان کا نمبر (۵۲)

ابن ماجہ شریف: مولانا ظہور احمد صاحب مرحوم کے پاس سالانہ امتحان کا نمبر (۵۱)

موطأین کے بارے میں صحیح یاد نہیں کہ کون سی مولانا جلیل صاحب نے پڑھائی اور کون سی مولانا فخرالحسن صاحب نے۔

ان میں سے شروع سے اخیر تک صرف بخاری، ترمذی اور ابوداؤد ہوتی تھی۔ بقیہ مسلم شریف، نسائی شریف جلد اول کے بعد تھوڑی سی جلد ثانی ہوتی تھی۔ طحاوی جلد اول تقریباً نصف ہوئی تھی۔ رہی موطا مالک وموطا محمد اور ابن ماجہ ان کے اسباق برائے نام ہوتے تھے، مگر امتحان پوری پوری کتابوں کے ہوتے تھے۔ اس سال دورۂ حدیث میں ۱۴۵ ساتھی تھے جن میں خصوصی تعلق مولانا جمال الدین مالاباری، مولوی نذیر احمد صاحب سوتھی ضلع چمپارن، مولوی ظہیرالحق صاحب معروفی سے تھا اور مولانا منظورالحسن صاحب (ادری) اور مولوی انصارالحق مونگیری بھی شریک تھے جن سے آج تک دوستانہ اور بے تکلفی کے تعلقات برقرار ہیں۔ علوم وفنون کی تمام کتابیں پڑھنے کے بعد میں نے دورہ کیا تھا اس وجہ

سے بعض وہ احباب جو مجھ سے نیچے تھے وہ بھی دورہ حدیث میں ساتھی ہوگئے۔ مثلاً مولانا نعمت اللہ معروفی شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم مئو، (حال استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) مولوی شبیر احمد معروفی، مولوی نعیم الرحمٰن معروفی۔ اور جس سال میں مدرسہ دارالعلوم میں داخل ہوا تھا اس سال مولوی انظر شاہ صاحب کاشمیری کی قدوری ہورہی تھی اور میری ہدایہ اخیرین۔ لیکن دورہ میں ہم دونوں ساتھی ہوگئے تھے۔ مولانا جمال الدین مدراسی مالاباری شافعی المسلک تھے انتہائی جید الاستعداد، مدرسی کے بعد پڑھنے آئے تھے۔ درحقیقت میرے گمان کے مطابق ہم تمام ساتھیوں میں سب سے زیادہ عمدہ وہی تھے اگرچہ دورہ میں اول نمبر میں آگیا تھا۔

دورۂ حدیث میں خصوصی نمبر حاصل کرنے کے لئے پانچ سو نمبرات حاصل کرنے ضروری تھے جس میں سے مولانا جمال الدین مدراسی کو پانچ سو تین نمبر ملے تھے اور احقر کو پانچ سو پندرہ۔ اس لئے ہمیں دونوں خصوصی انعام کے مستحق ٹھہرے، مجھے خصوصی انعام میں بخاری شریف کامل ملی تھی اور مولوی جمال الدین کو نسائی شریف۔ ہم دونوں سے نیچے مولوی ابوالحسن صاحب دمکوی تھے ان کو چار سو نوے نمبر ملے تھے اس کے بعد مولوی انظر شاہ صاحب تھے جن کو چار سو نواسی نمبر ملے۔ لیکن روداد سالانہ میں ترتیب غلط چھپ گئی ہے تیسرے نمبر پر مولوی انظر شاہ صاحب کا نام لکھ گیا ہے معلوم نہیں کیا وجہ ہے۔

تیسرا باب اساتذہ کرام

فرامش مکن حق استاد علم — کہ برہمت اوست بنیاد علم
اگر دولت مہر اوستاد نیست — بدست امید تو جز باد نیست
مراستاد راہر کہ محکوم شد — بسے برنیاید کہ مخدوم شد

جیسا کہ میں پہلے بتلا چکا ہوں کہ ہمارے بچپن میں پورہ معروف میں گھر گھر مدرسے تھے، چھوٹے بچے قرآن پاک کی تعلیم گھروں میں حاصل کر لیتے تھے اور مدرسہ میں قرآن شریف پڑھانے کا نظم نہ تھا۔ مدرسہ کے بچے اردو، فارسی، حساب وغیرہ مدرسہ میں پڑھتے تھے، مگر رمضان شریف میں جب مدرسہ بند ہوجاتا تھا تو کسی حافظ یا جانکار کے پاس قرآن مجید پڑھ لیا جاتا تھا، ہمارے دادا مرحوم بھی گھر پڑھاتے تھے میرے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی بہن ہمارے گھر میں دادا مرحوم سے پڑھتے تھے، پھر والد صاحب اور چچا صاحب بھی پڑھا دیا کرتے تھے۔ میں نے قرآن پاک کا کچھ حصہ والدہ ماجدہ سے پھر بارہ پارے والد صاحب مرحوم سے ناظرہ پڑھا۔ میری والدہ بہت آہستہ آہستہ پڑھتی تھیں لیکن شین قاف بالکل درست تھے کیوں کہ انہوں نے بچپن میں ماموں جان قاری عبدالکریم صاحب مرحوم خلیفہ حضرت تھانوی سے پڑھا تھا اور والد صاحب کو بھی تجوید کے قواعد کا بے حد لحاظ تھا اگر چہ معروف و مجہول حرکات میں پورا فرق نہ کر پاتے تھے، بارہ سیپارے ختم ہونے پر والد صاحب مجھے حافظ عبدالقادر صاحب معروفی زید مجدہم کے پاس لے گئے، جو خود والد صاحب اور چچا صاحب و استادی قاری ظہیر الدین صاحب کے بھی استاذ ہیں، انھیں کے پاس میں نے قرآن مجید ناظرہ ختم کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی حیات میں برکت عنایت فرمائیں اب بھی ملاقات ہوتی ہے تو بہت شفقت سے فرماتے ہیں کہ کتنے ہی بڑے ہوجاؤ گے شاگرد میرے ہی رہو گے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا آپ ہی کا شاگرد ہوں اور آپ ہی سے دعا کا خواستگار ہوں۔ آج کل حافظ صاحب کے گھر کا مدرسہ کمزور ہے لیکن پڑھنا پڑھانا باقی ہے،

ان کے صاحبزادہ حافظ محمد شعیب صاحب گھر پر بچوں اور بچیوں کو تعلیم دیتے ہیں۔
مدرسہ معروفیہ میں ہمارے مستقل استاذ صرف تین رہے؛ استاذی حضرت مولانا شبلی صاحب شیدا (خیرآبادی)۔ جناب منشی علی احمد صاحب ساکن میونڑی ضلع بلیا جو بعد میں ڈاکٹر ہوئے اور آج کل کوپا گنج ضلع (مئو) اعظم گڈھ میں مطب کرتے ہیں۔ استاذی حضرت مولانا عبدالستار صاحب معروفی المظاہری غالباً آپ ۱۳۴۷ھ میں فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد کچھ دنوں مدرسہ دارالعلوم مئو میں بزمانہ صدارت حضرت مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی مدرس رہے، اور اسی زمانہ میں مولانا عبدالحمید اعظمی نظام آبادی نے بھی مولانا مدظلہم سے تعلیم حاصل کی، پھر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ضلع دیوریا میں مدرس ہوئے، وہاں آپ نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور کیا کیا کار خیر انجام دیئے مجھے علم نہیں لیکن حضرت الاستاذ سے میں نے یہ سنا ہے کہ دیوریا میں میرے اعمال اگر خدائے پاک کے وہاں مقبول ہوئے تو انھیں سے اپنی نجات کی توقع کرتا ہوں۔ حضرت شیخ مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے بیعت ہیں۔ آپ کی تعلیم درحقیت وہی تھی جس کو حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی مدظلہم نے اپنے شیخ کے بارے میں فرمایا کہ میرے استاذ محترم کے استاذ الاساتذہ رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بھر کسی کو پڑھایا نہیں بلکہ گھول کر پلایا ہے تو شاگرد رشید کیوں ایسے نہ ہوتے۔ (مولانا شبیر علی کے استاذ مولانا عبداللہ گنگوہی اور ان کے استاذ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ہیں) پھر مدرسہ معروفیہ میں شعبان ۱۳۶۳ھ کی کمیٹی نے مولانا کا تقرر کیا لیکن ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے موقعہ پر اپنے شیخ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے حکم مبارک کی تعمیل میں کچھ دنوں (چھ سات مہینہ) دیوریا جمعیت کی کمزوری کی وجہ سے دیوریا چلے گئے۔ اس زمانہ میں عارضی مدرس میرے دادا مولوی عبدالحمید صاحب مدظلہم مدرسہ میں ہوئے اور ہم لوگوں نے ان سے شرح مائۃ عامل اور ہدایۃ النحو کا کچھ حصہ پڑھا۔ پھر استاذ محترم کے واپس آجانے پر شرح جامی، شرح وقایہ تک مولانا ہی کے پاس پڑھی۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ شومی قسمت سے قصبہ میں اختلاف پیدا ہوگیا اس وجہ سے مولانا مدرسہ انصاریہ میں چلے گئے وہاں آپ کا قیام بہت مختصر ہوا یہاں تک کہ

مالیگاؤں مدرسہ بیت العلوم میں تشریف لے گئے، اور وہاں آپ صدرالاساتذہ ہوئے اور فقہ وحدیث میں کافی علماء نے آپ سے فیض اٹھایا۔ وہیں قیام کے زمانے میں آپ نے ایک کتاب فاتحہ خلف الامام کے بارے میں تصنیف فرمائی جس کا نام ''تحقیق الکلام'' ہے۔ (دو جلدوں) میں اس کی طباعت نہ ہوسکی۔ کیونکہ ؎

کریماں رابدست اندر درم نیست خداوندانِ نعمت را کرم نیست

پھر کچھ دنوں کیلئے مدرسہ امدادیہ بمبئی تشریف لے گئے۔ آج کل تین چار سال سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حیات مبارکہ میں برکت عنایت فرمائے اور ہم خدام کی سرپرستی کے لئے تادیر آپ کو قائم وباعافیت رکھے۔

حضرت مولانا مدظلہم کی خدمات میں سے اس بدنصیب کے حصہ میں صرف پان بنانے کی خدمت آئی اور پان بنانے کا ہنر اگرچہ آ گیا لیکن فارغ ہونے کے بعد ۲۱ر سال کی عمر تک مطلق پان نہ کھایا الا یہ کہ بچپن میں والدہ نے والد مرحوم کو دینے کے لئے پان بنا کر دیا جو میں لے گیا راستہ میں میری جوشامت آئی تو میں اسے کھا گیا تمباکو کی وجہ سے دوران سر متلی اور قے وغیرہ سبھی کچھ بھگتنا پڑا، ورنہ ایک دفعہ خیال آیا کہ مولوی مظہر صاحب چمپارنی نے احیاء العلوم میں ایک پان کھلا دیا جس میں تمباکو بھی نہ تھی مگر مجھے وہ بھی ہضم نہ ہوا اور قے ہوگئی لیکن آج کل پان کھانے کی بیماری بہت سخت لگ گئی ہے۔

مدرسہ معروفیہ میں ہمارے مستقل استاذ تو یہی تین رہے لیکن حضرت مولانا محمد شبلی صاحب علیہ الرحمۃ جب ایک دوروز کی رخصت لیا کرتے تھے تو اپنے شاگردوں کو مدرسہ میں سبق پڑھانے کے لئے فرمادیا کرتے تھے چنانچہ اس طرح یک روزہ ودوروزہ اساتذہ میں سے مولانا عبدالحمید صاحب، مولوی عبدالمنان صاحب، مولوی عصمت اللہ صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم وغیرہ بھی ہیں جس زمانے میں جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ کی لڑائی چل رہی تھی اس زمانے میں مولانا عبدالستار صاحب دیوریا جمعیۃ علماء کو سنبھالنے چلے گئے تو مولوی عبدالحمید صاحب معروفی عارضی مدرس ہوئے مگر آپ بھی چونکہ جمعیۃ علماء پورہ معروف

کے صدر تھے اورالیکشن بالکل قریب تھا اس وجہ سے پالیٹکس میں آپ کو آنا ناگزیر ہوگیا تو مولوی عبدالحق صاحب معروفی نے چند ماہ پڑھایا جو آج کل کا مٹی مدھیہ پردیش میں مع اہل وعیال مقیم ہیں ،استاذ الکل مولانا عبدالحی صاحب مئوی علیہ الرحمۃ سے ایک سبق پڑھنے کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ احیاء العلوم اوردارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کا ذکر مجملا پہلے کر چکا ہوں۔تھوڑی تفصیل یہاں لکھتا ہوں۔

(۱) حضرت مفتی محمد یٰسین صاحب دام مجدہم

۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے،اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب سے آپ نے آخری سال حدیث پڑھی،اس کے بعد شاہ صاحب مرحوم ڈابھیل تشریف لے گئے۔فراغت کے بعد ایک دو مدرسہ میں مدرس رہے۔اواخر ۱۳۴۶ھ میں اپنے استاذ مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس، پھر مفتی، پھر صدر مدرس اور مفتی ہوئے اور آج تک اسی عہدہ جلیلہ پر فائز ہیں۔آپ کے فتاویٰ آج کل ہندوپاک میں سب سے زیادہ عمدہ، پرمغز، اورنہایت مدلل ہوتے ہیں۔۱۳۶۰ھ سے آپ نے اپنے فتاویٰ کی نقول رکھنی شروع کی یہ ۳۴ر سالہ فتاویٰ اگر مرتب ہوجائیں تو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند سے ڈیڑھ گنی ضخامت میں ضرور ہوجائیں گے۔آپ کے شاگرد رشید مولانا عبدالحفیظ صاحب (عرف قاضی اطہر صاحب) مبارکپوری اپنے رسالہ البلاغ کے باب الاستفتاء میں مستقل آپ کے فتاویٰ چھاپتے ہیں۔آپ کے شاگردوں کا سلسلہ بہت دراز ہے اور پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں،ضعف پیری کے باوجود مطالعہ سے پورا پورا شغف رکھتے ہیں۔ایک فتویٰ میں آپ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہم کی مخالفت کی اور دونوں جوابات حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ کے پاس بھیجے گئے تو مفتی صاحب نے مفتی محمد یٰسین صاحب کے فتویٰ کی تصدیق فرمائی جو احیاء العلوم کے نقول فتاویٰ میں تحریر ہے۔مجھ سے بہت محبت فرماتے ہیں اور انتہائی شفیق ہیں۔آپ کی صدارت کے

زمانے میں ۱۲/سال تک مدرسہ احیاء العلوم میں میں نے تعلیم دی۔ تو آپ نے مجھ سے تو نہیں فرمایا لیکن متعدد احباب نے مجھے خبر دی کہ حضرت مفتی صاحب تم کو دایاں باز و فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے کاموں میں پورا پورا تعاون کیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت سخت بیمار ہوئے اور مدرسہ آنے جانے کے لائق نہیں رہے تو فتویٰ نویسی کو میرے حوالہ فرمایا، جو میرے دوسرے محسنوں کو گراں گزرا، تو فتویٰ نویسی دوسرے اساتذہ کے حوالہ ہوگئی۔ جس کی مجھے کوئی شکایت نہیں، اگر کوئی حدیث ڈھونڈھنی پڑتی تو میرے حوالہ فرمادیتے اور میں اس کو تلاش کر کے دیتا تو بے انتہا خوش ہوتے۔ اخیر میں تدریس کے ساتھ جب میری تبلیغی مشغولیات بڑھ گئیں تو حضرت مفتی صاحب کے گھر پر جب بھی جانا ہوتا بہت جلد میری ضرورت پوری فرمادیتے، اور فرزند اکبر بھائی عبدالاول صاحب مدظلہم کو ہدایت فرماتے کہ دیکھو مولوی صاحب کو جلد فارغ کردو ان کے اوقات بے حد قیمتی ہیں، اپنے چھوٹوں کو بھی تم کہہ کر نہیں خطاب فرماتے ہمیشہ سب خدام کو "آپ" کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جماعت کی نماز کے اتنے پابند ہیں کہ بارہ سال کے عرصہ میں شاید ہی کبھی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو، نماز پڑھاتے وقت آپ کی آواز میں بارہا گھر گھراہٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ اس وقت آپ استاذ الکل ہیں۔ اگر کہہ دوں ؎

لیس علی اللہ بمستنکر اَنْ یَجْمَعَ العالَمَ فی واحد

تو قطعی بیجا نہ ہوگا۔ قصبہ مبارکپور اور قرب وجوار کا ہر چھوٹا بڑا آپ کا بے حد احترام کرتا ہے الا یہ کہ کوئی حسد کرے تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ ضلع میں عمامہ باندھنے کی سنت پر آپ مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور ہر جمعہ کو جبہ بھی زیب تن فرما کر خطبہ دیا کرتے ہیں۔ سنت پر عمل کرنے کے لئے آپ نے جامع مسجد کا ممبر لکڑی کے تین زینوں کا بنوایا۔ آپ کی ذات عالی مستغنی عن الصفات ہے۔ اللہ تعالیٰ دیر تک قائم باعافیت رکھیں۔ سن پیدائش مجھے معلوم نہیں۔ (ولادت ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء، وفات ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ھ) مرتب

(۱۴/فروری ۱۹۰۷ء بروز پنجشنبہ، وفات ۲۲/محرم الحرام ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۹/اکتوبر ۸۳ء بحوالہ اکابر احیاء العلوم مرتب کردہ مولوی محمد صادق مبارکپوری) (عبدالباسط)

(۲) حضرت قاری حافظ ظہیر الدین بن حافظ رحیم بخش مرحوم

آپ کی پیدائش ۱۴؍محرم الحرام ۱۳۳۱ھ ہجری مطابق ۲۴؍دسمبر ۱۹۱۲ء میں ہوئی۔ بچپن میں یتیم ہوگئے تھے۔آپ کے چچا جناب میاں جی کریم بخش مرحوم نے آپ کی پرورش کی، پہلے جناب حافظ عبدالقادر صاحب معروفی سے حفظ کیا، پھر مدرسہ معروفیہ میں فارسی کی تعلیم حضرت الاستاذ مولانا محمد شبلی صاحب مرحوم سے اور ابتدائی عربی استاذ الکل حضرت مولانا عبدالحی صاحب مئوی قدس سرہ سے حاصل کی۔ پھر دارالعلوم مئو میں جناب قاری ریاست علی صاحب مرحوم اور مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی وغیرہ سے مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف تک تعلیم حاصل کی، اور علم تجوید وقرأت میں آپ امام الوقت ہیں۔علم تجوید وقراءت بروایۃ حفص جناب قاری ریاست علی صاحب مرحوم سے، قراءت سبعہ وعشرہ جناب قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادی اور قاری محبّ الدین صاحب الہ آبادی سے حاصل کیا، جن کی روایت قاری عبداللہ صاحب مکی کے واسطے بطریق امام شاطبی وامام جزری قراء سبعہ تک پہنچتی ہے۔

قصبہ مبارکپور میں علم قراءت کی جڑ اور تناور درخت کا وجود پاک آپ کی محنت وکاوش کا ثمرہ ہے، نہایت ہی مخلص بزرگ ہیں، حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری کے مدرسہ روضۃ العلوم میں آپ شروع میں فارسی اور قراءت کے استاذ تھے۔مولوی عبدالرحمٰن جامی، حافظ امان اللہ، بھائی برکات احمد وغیرہ آپ کے وہاں کے شاگرد ہیں، آپ کے بڑے صاحبزادہ مولانا عبدالستار ثانی انتہائی جیدالاستعداد عالم ہیں ۔ جامعۃ الرشاد بنکی کے مدرس اور نائب ناظم ہیں ۔حضرت قاری صاحب زیدمجدہم سے میں نے نورالانوار اور علم قراءت میں شروع میں ضیاء القراءت، تحفۃ الاطفال پڑھیں، پھر دارالعلوم دیوبند میں قاری محمد عتیق صاحب سے روایت حفص کا بقیہ پورا کیا، پھر احیاء العلوم میں جب مدرس ہوا تو قراءت سبعہ حضرت قاری ظہیرالدین صاحب سے پوری کی۔آپ نے اردوخوانوں کے لئے قراءت

سبعہ میں انتہائی جامع کورس سب سے پہلے تالیف فرمایا، جب کہ اس کے پہلے ایک آدھ شرحیں تو اردو میں ملتی ہیں یا یہ کہ حضرت تھانوی کی تنشیط الطبع صرف ایک پاؤ پارے کی ہے مگر مکمل کورس پہلے آپ ہی کا شاہکار ہے اور وہ چار کتابیں ہیں؛ تین مطبوع اور ایک غیر مطبوع:

۱......احیاء المعانی من حرز الامانی (جلد اول قراءت سبعہ کے اصولی اختلافات)

۲......احیاء المعانی من حرز الامانی (جلد دوم قراءت سبعہ کے فرشی اور جزئی اختلافات)

۳......اجراء السبعۃ المتواترہ فی سورۃ الفاتحۃ والبقرۃ

۴......اصول ورش عن نافع (غیر مطبوع) (بعد میں یہ بھی طبع کرادی گئی، عبدالباسط)

(یہ چاروں کتابیں حضرت والدصاحب نے اپنے استاذ کے پاس بیٹھ کر نقل کرلی تھیں جو بعد کے زمانے میں والدصاحبؒ نے کتابی صورت میں چھپوادیا اس وقت ہمارے کتب خانہ کے علاوہ مئو اور گجرات کے بہت سارے کتب خانوں پر دستیاب ہیں) (عبدالباسط)

اس کے علاوہ عام حفاظ و ناظرہ خوانی کے لئے قواعد غنہ و مدود بھی تحریر فرمائی جس کی وجہ سے تلاوت کرنے میں قواعد کی رعایت انتہائی آسان ہوگئی۔

یہ تمام تصنیفات اس زمانہ کی ہیں جب آپ روضۃ العلوم سے مدرسہ احیاء العلوم میں منتقل ہوکر آئے تھے۔ مدرسہ احیاء العلوم میں آپ کا قیام ۱۳۶۲ھ سے لیکر ۱۳۸۱ھ تک رہا، اب مستقل مریض معدہ و جگر رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت و قوت عطا فرمائے۔ اپنے فن سے آپ کو ایسا خصوصی لگاؤ ہے کہ جس کو عشق کہنا بجا ہے۔ سخت کمزوری اور بیماری میں اگر کوئی علم قراءت سے متعلق سوال کر بیٹھے تو فوراً کھل جاتے ہیں اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک مختلف اسالیب سے سمجھا کر بس کرتے ہیں۔

(۳) مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی

آپ موضع بمہور ڈاکخانہ مبارکپور کے رہنے والے ہیں۔ لگ بھگ ۱۹۱۴ء میں پیدائش ہوئی۔ قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر انتہائی تحقیق کے ساتھ مولانا امین احسن اور مولانا اختر

احسن اصلاحی سے پڑھا۔ پہلے مدرسۃ الاصلاح میں مدرس تھے۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں اصلاح سے علیحدہ ہوئے اور ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء مطابق ۱۳۶۶ھ میں مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے اور ۱۳۷۲ھ کے شعبان میں وہاں سے علیحدہ ہوئے، پھر کچھ عرصہ کے بعد جامعۃ الرشاد شہر اعظم گڑھ میں پھر مدرسۃ الاصلاح میں دوبارہ۔ آج کل ۱۳۹۱ھ سے مولانا آزاد تعلیمی مرکز اسرہٹہ ضلع جونپور میں مدرس ہیں انتہائی سادہ، صادق القول، بے ضرر انسان ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک کتاب مشکلات القرآن شائع ہوچکی ہے۔

(۴) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا سے تھوڑے ہی دنوں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کی پیدائش تقریباً ۱۳۲۵ھ میں ہوئی۔ ۱۳۴۸ھ میں مظاہر علوم سے فارغ ہوئے۔ آپ ان خوش نصیب بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دینی و تبلیغی سرگرمی میں بزمانہ طالب علمی مظاہر علوم میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ حضرت مولانا الیاس صاحب نے آپ کو مدرسہ کی جماعت وگشت کا امیر بنایا۔ فارغ ہونے کے ساتھ ہی آپ مظاہر میں معین المدرس تجویز ہوئے جب کہ آپ سے مولانا ابرار الحق صاحب حقی مشہور شیخ طریقت نے ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ مجھے شک ہورہا ہے کہ مولانا عبدالجبار صاحب نے خود مولانا کے بارے میں فرمایا تھا کہ مولانا ضیاء الدین صاحب کے بارے میں، کس نے ابتدائی تعلیم آپ سے مظاہر علوم میں حاصل کی۔ وطن تشریف لانے کے بعد مدرسہ چشمہ فیض ادری میں مدرس ہوئے، اور آپ کے زمانے میں ہی ''ادری'' کا مشہور مناظرہ ہوا، پھر ہریا ضلع دیوریا میں مدرس ہوئے، وہاں سے ڈابھیل ضلع سورت تشریف لے گئے پھر کچھ دنوں کے بعد ڈابھیل سے واپسی ہوئی اور جامعہ عربیہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے۔ پھر صفر ۱۳۶۸ میں دوبارہ ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اس کے کئی سال بعد غالباً ۱۳۷۳ھ میں ڈابھیل سے مدرسہ تعلیم الدین آنند گجرات میں شیخ الحدیث ہوئے۔ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث شاہی مراد آباد جب دار العلوم

دیوبند تشریف لے گئے تو آپ کو جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد میں شیخ الحدیث مقرر کیا گیا اور آج تک (رجب ۱۳۹۴ھ) اسی عہدے پر ہیں۔ آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بیعت ومجاز ہیں۔ حضرت مدنی قدس سرہ کے وہاں ٹانڈہ میں ایک رمضان گذارنے گئے تھے، ادھر مستقل سہارن پور میں رمضان المبارک گذارتے ہیں۔ یا اپنے شاگردوں اور مریدوں کے اصرار پر کبھی کبھی افریقہ اور کبھی گجرات بھی قیام ہوجایا کرتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کے بارے میں برادرم مولانا عثمان صاحب (معروفی) مزید تحریر کرسکتے ہیں۔

انوارالعلوم شرح اردو سلم العلوم جو درحقیقت مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم کی درسی تقریر ہے اس کے مرتب مولانا مدظلہ کے ساتھ ڈابھیل میں شریک تدریس تھے اور چھاپنے سے پہلے مولانا عبدالجبار صاحب سے اس پر نظر کرائی مولانا اس میں کافی اختصار کرنا چاہتے تھے تو مرتب نے کہا کہ پھر تو یہ آپ کی مستقل تصنیف ہوجائے گی۔ اس کے بعد نظر ثانی کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ علم حدیث میں بہترین ملکہ رکھتے ہیں۔ اللہ پاک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر باقی رکھے۔

(۵) مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری

آپ خاص قصبہ مبارکپور محلّہ پورہ صوفی کے رہنے والے ہیں۔ حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری کے ہم عصر ہیں۔ مظاہر علوم سہارن پور سے غالباً ۱۳۵۰ھ میں فارغ ہوکر شروع میں مبارکپور مدرسہ احیاء العلوم میں مدرس ہوئے جب کہ استاذ العلماء مولانا شکراللہ صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ ناظم تھے۔ کسی بات پر آپ مدرسہ سے علیحدہ ہوکر تار ریشم کی دوکان میں مشغول ہوگئے۔ ۱۳۶۸ھ کے صفر میں دوبارہ مدرس ہوئے اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروفی رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ پر تقرری ہوئی۔ ۱۳۶۸ھ سے لیکر ۱۳۷۷ھ تک مدرس رہے۔ قصبہ کے بعض اختلافات کی وجہ سے آپ نے استعفیٰ دے دیا تو مدرسہ والوں نے مجھ احقر کو مولانا کی جگہ پر آسام سے بلایا۔ محرم ۱۳۷۸ھ سے میں احیاء

العلوم میں مدرس ہوا، اس وقت مولانا مالیگاؤں مدرسہ معہد ملت میں چلے گئے لیکن وہاں کی سیاست آپ کے راس نہ آئی تو مدرسہ حیات العلوم محلّہ پیرزادہ شہر مرادآباد میں زیر صدارت مولانا محمد حیات صاحب سنبھلی مدرس ہوئے، پھر جب مجھے مدرسہ احیاء العلوم سے نوٹس ملا تو مولانا پھر میری جگہ پر یعنی اپنی سابق جگہ پر مدرس ہوئے ۱۳۹۱ھ اب کی بار آپ شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات احیاء العلوم مقرر ہوئے۔

مولانا کا کوئی تصنیفی شاہ کار میرے علم میں نہیں ہے البتہ تدبر، فراست، سمجھانے کا ملکہ، ملی ومقامی سیاست میں آپ کی بصیرت مسلم ہے۔ بعض ظریفوں نے مولانا کو مبارکپور کی دیوبندی جماعت کا ''عقل کل'' قرار دیا ہے۔ اہل حدیث سے رواداری خوب کر لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات اس رواداری کی جھلک سبق کی تقریروں میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

(۶) حضرت مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری

آپ سے باقاعدہ سبق نہیں پڑھا ہے مگر مدرسی کے زمانے میں اشکالات حل کرنے کیلئے آپ کی خدمت بار ہا جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ آپ تقریر میں ملکہ تامہ رکھتے ہیں اور بغیر مطالعہ کے کبھی تقریر ووعظ بھی نہیں فرماتے۔ اس سلسلہ میں آپ منفرد ہیں۔ آپ کے اوصاف بہت ہیں؛ سخاوت، یتیم پروری، سہل تر پیمانہ میں مشکل مسائل کا حل آپ کی ذاتی خوبی ہے۔ آپ صرف احیاء العلوم مبارکپور میں ہی پندرہ بیس سال مدرس رہے اس کے بعد تار ریشم کی دوکان میں مشغول ہو گئے، لیکن مطالعہ برابر کرتے ہیں اور احیاء العلوم کو جب بھی ضرورت ہوتی ہے آپ اعزازی طور پر کچھ نہ کچھ کتابیں لیکر مدرسین و منتظمین کا بار ہلکا کر دیتے ہیں۔ آپ کے والد حکیم محمد سعید صاحب بھی زبردست عالم اور حکیم حاذق تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام

مہرپاکان درمیان جاں نشاں دل مدہ الا بجمعے سرخوشاں

ناز خنداں باغ راخنداں کند　　صحبت مردانت از مرداں کند
سنگ گرخارا وگر مرمر شود　　چوں بصاحب دل رسد گوہر بود

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

سب سے پہلے شیخ العرب والعجم، سیدی ومرشدی، بیہقی وقت، شبلی زمانہ، ابوحنیفہ دوراں، غزالی زماں، دودۂ فخر بنی آدم، مولانا سید حسین احمد الفیض آبادی موطناً المدنی مسکناً قدس سرہ العزیز کے نام مبارک اور حالات طیبات سے شروع کرتا ہوں۔

حضرت مولانا کے بے شمار اوصاف میں سے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر نہایت ہی مختصر لکھتا ہوں۔ جو حدیث، فقہ، علوم قرآن، ادب، بلاغت، طریقت، ارشاد کے امام اعظم تھے۔ تہذیب اخلاق، تدبیر منزل، سیاست مدینہ میں یکتائے زمانہ ہونے کے باوجود اپنے نام مبارک کے ساتھ ہمیشہ ننگ اسلاف لکھا کرتے تھے، حتیٰ کہ آپ کے استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک فتویٰ پر آپ سے دستخط لی تو بہت اصرار سے فرمایا کہ مدرس حرم نبوی لکھ دیں مگر آنجناب نے نہایت ہی لجاجت کے ساتھ عذر کر دیا تو حضرت شیخ الہند نے آپ کے ہاتھ میں قلم دے کر خود اپنے ہاتھ سے آپ کا ہاتھ پکڑ کر وہ جملہ لکھ دیا۔ اللہ اکبر اس کسر نفسی کی بھی کوئی انتہا ہے۔ برادرم مولانا محمد عثمان صاحب راوی ہیں کہ ایک دفعہ سبق میں کسی نے پرچہ لکھ دیا کہ حضرت ننگ اسلاف اپنے اسم گرامی کے ساتھ نہ لکھا کریں تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ بھائی یہ جملہ میں تواضع کے طور پر نہیں لکھتا بلکہ حقیقت میں اپنے اسلاف کرام کے لئے ننگ وعار ہی ہوں، اس لئے واقعۃً میں ایسا لکھتا ہوں۔

تواضع کند مرد صاحب گزیں　　نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں

حدیث نبوی ہے **ما تواضع عبد لله الا رفعه الله**، آپ حسینی سید تھے۔ آپ کا خاندان انیس پشت پیشتر ہندوستان میں آیا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۹؍شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء قصبہ بانگرمئو ضلع اناؤ میں ہوئی جہاں آپ کے والد محترم مڈل اسکول میں

ہیڈ ماسٹر تھے، وفات ۱۳؍جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۷ء، والد محترم مولانا حبیب اللہ صاحب حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ آپ کی عمر ۳؍سال کی تھی جب کہ والد محترم پنشن لیکر آبائی وطن محلّہ الہ داد پورہ قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد تشریف لے آئے۔ ۱۳۰۹ھ میں دارالعلوم دیوبند تعلیم حاصل کرنے تشریف لے گئے۔ شعبان ۱۳۱۶ھ میں تقریباً تمام کتب درسیہ اوران کے آخری امتحان سے فارغ ہوکر سرگروہ اولیا قطب عالم شیخ المشائخ مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکراسی ماہ کی آخری تاریخوں میں مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ تین ماہ کے متواتر سفر کے بعد ذوالقعدہ کے آخری ایام میں مکہ معظّمہ پہنچے۔ وہاں پر پیران پیر حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مراحل سلوک طے کرنا شروع فرمایا۔ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ میں مدینہ منورہ پہنچے وہاں پہنچ کر ذکروشغل، تعلیم وتدریس میں پوری طرح منہمک ہوگئے۔ ۱۳۱۷ھ میں حاجی صاحب راہی ملک بقا ہوئے اورحضرت والا کو معیشت کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہوا تو ذکروشغل، انہماک اور آستانہ رشیدی واردات قلبیہ کی اطلاع دیتے رہے۔

۱۳۱۸ھ میں حضرت گنگوہی نے ہندوستان بلایا مگر سواریوں کی دشواریوں کی وجہ سے محرم ۱۳۱۹ھ میں گنگوہ پہنچے تو حضرت گنگوہی نے بکمال شفقت آخری شغل سلوک تلقین فرمایا۔ پندرہ سولہ دن کے بعد آپ نے ایک خواب دیکھا اوراس کے چالیس دن بعد حضرت گنگوہی نے آنجناب کو اورآپ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب کو قولاً وعملاً اجازت وخلافت چاروں سلسلوں میں عنایت فرمائی۔ حضرت پر سخت گریہ طاری ہوگیا فرمایا کہ میں ہرگز اس کے لائق نہیں ہوں، لیکن حضرت گنگوہی نے سکوت فرمایا، مولانا صادق الیقین رحمۃ اللہ علیہ جوحضرت گنگوہی کے قدیم خلیفہ تھے انہوں نے فرمایا کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے اس لئے آپ ضرور اس کے لائق ہیں۔

آپ کے حالات طیبات کیلئے خودنوشت سوانح ''نقش حیات''، ''سلاسل طیبہ'' مکتوبات شیخ الاسلام، الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر، علمائے حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، علماء

ہند کا شاندار ماضی، حیات شیخ الاسلام مصنفہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیۃ علمائے ہند وحال شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی) ملاحظہ فرمائی جائے۔

ہم اس جگہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مضمون نقل کرتے ہیں جو حضرت نے تذکرۃ الرشید میں قلمبند فرمایا ہے، مولانا مرحوم بھی حضرت گنگوہی سے بیعت تھے لیکن اجازت بیعت حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری سے حاصل ہے، تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کے ذکر میں فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا الحاج مولوی حسین احمد صاحب مدنی مدت فیوضہم ۱۳۱۶ھ میں حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب سے بیعت ہوکر والد اور برادران کے ہمراہ جد امجد کے بلدۂ طیبہ میں اقامت اختیار کی۔ مکہ معظّمہ پہنچ کر حسب اجازت امام ربانی قدس سرہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے رجوع کیا اوراذکار تعلیم فرمودہ قطب العالم پر بھی بہ ہمت تمام کاربند رہے، اس زمانے میں جو کچھ واردات عجیبہ وکیفیات غریبہ ظاہر ہوئیں ان کی اطلاع گنگوہ میں آستانۂ عالیہ پر کرتے رہے، یہاں تک کہ ۱۳۱۸ھ میں حضرت والا کا نامہ پہنچا کہ چند روز کے واسطے گنگوہ آکر مجھ سے مل جاتے تو بہتر ہوتا۔ اس فرمان والا شان پر مطلوب بن کر باوجود تنگ دستی وبے سروسامانی کے مراجعت ہندوستان کا تہیہ کرلیا بڑے بھائی مولانا محمد صدیق صاحب در پردہ خفیہ انتظام کرکے چند روز پہلے روانہ بھی ہولئے جس کی اطلاع ۱۲ر گھنٹے بعد قریب مغرب ہوئی۔ مولانا حسین احمد صاحب تنہا روانہ ہوئے جدہ میں دونوں بھائی مل گئے اور حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر گنگوہ پہنچے چند روز گذرے تھے کہ امام ربانی نے ایک ایک جوڑا یعنی ملبوس کرتہ اور پائجامہ دونوں بھائیوں کو عطا فرمایا چونکہ اس میں ٹوپی یا عمامہ نہ تھا اس لئے دونوں میں سے کسی صاحب نے دبی زبان میں عرض کیا کہ ارشاد ہو تو ہم خدام اپنا اپنا عمامہ حاضر کریں اپنے دست مبارک سے عطا فرمادیا جائے، یہ سن کر حضرت نے سکوت فرمایا اور بمقتضائے ادب دونوں بھائی عطیۂ قطب العالم کو سرآنکھوں پر رکھ کر شکریہ ادا کرتے ہوئے اٹھ گئے، تھوڑے ہی دنوں بعد دونوں صاحب بلائے گئے اور حکم ہوا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ اور جب دونوں صاحبوں

نے اپنے عمامے حاضر کئے تو حضرت امام ربانی نے اپنے دست مبارک سے دونوں کے سروں پر باندھ کرارشاد فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیا ہے۔مولانا محمد صدیق صاحب نے دبی زبان سے عرض کیا کہ ''دستار فضیلت'' ارشاد ہوا ''دستار خلافت'' تم دونوں کو میری طرف سے اجازت ہے۔

امام ربانی قدس سرہ کی قولی وفعلی خلافت کے مجموعہ کی مثال میں آپ کے خلفاء کے اندر صرف یہی دو حضرات پیش کئے جاسکتے ہیں جن کے کمالات علمیہ وعملیہ اسی سے ظاہر ہیں کہ مدنی،مہاجر اور بطحائی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔مولانا حسین احمد مدنی صاحب کا درس بحمد اللہ حرم نبوی میں بہت عروج پر ہے اور عزت وجاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے کہ ہندی علماء کو کیا معنیٰ یمنی اور شامی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء.**

آپ سرتاپا خلق،مہمان نواز،غیور،باحیا اور بعض ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں جن پر دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔

(حیات شیخ الاسلام ص ۲۸ تا ۳۰ بحوالہ تذکرۃ الرشید ۱۵۱ تا ۱۵۹)

یہاں تک ۱۳۹۴ھ میں لکھا گیا جب میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ میں استاذ حدیث تھا۔

مزید حالات:

شوال ۱۳۷۱ھ تا شعبان ۱۳۷۲ھ ہم نے حضرتؒ سے بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول پڑھی ہمارے بعد حضرت نے پانچ سال دارالعلوم میں پڑھایا اور ۱۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۷ء میں آپ کی رحلت ہوئی،اس وقت میں اور میرے ماموں زاد بھائی مولانا محمد عثمان صاحب گوما پھول باڑی ضلع کامروپ آسام میں مدرس تھے، پہلے آسامی اخبار سے پھر روزنامہ الجمعیۃ سے ہمیں حادثہ کی اطلاع ہوئی نماز جنازہ دیوبند میں ساڑھے بارہ بجے شب میں بہ اقتداء حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب ہوئی اور ۳/بجے شب میں مزار قاسمی میں تدفین،ہم لوگ دور دراز رہنے کی وجہ سے شریک نہ ہوسکے،

یغفر اللہ لہ ونور ضریحہ۔

(۱) ابتدا ۱۳؍صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۳؍جنوری ۲۰۱۰ء بندہ ناچیز عبدالباسط قاسمی کے اصرار پر دوبارہ لکھنا شروع کیا، البتہ بہت اہتمام نہ تھا، پھر ایک بار ڈائری مئورہ گئی اور تقریباً ایک برس سے زائد عرصہ تک رہی، یہاں تک کہ نومبر ۲۰۱۲ء میں جب میرا مظاہر علوم میں تقرر ہوا تو میں اپنے ساتھ لایا اور باصرار لکھوانا شروع کیا۔

حضرت العلامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ: (۱)

آپ کا تاریخی نام غلام کبریا ہے اس لحاظ سے آپ کی پیدائش ۱۳۰۴ھ میں ہوئی ضلع بلیا موضع قاضی پورہ خورد میں آپ کی پیدائش ہوئی، نحو وصرف اور ابتدائی کتابیں مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی سے پڑھیں اور علماء خیر آباد سے معقولات، پھر دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی وغیرہ اکابر سے حدیث پڑھی۔ آپ کا لقب جامع المعقول والمنقول ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں آپ نے دورۂ حدیث پڑھا اور ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ میں دستار بندی میں آپ کو دستار فضیلت باندھی گئی۔

پہلے آپ کہاں کہاں استاد رہے معلوم نہیں، ویسے آپ نے مدرسہ عبدالرب دھلی، دارالعلوم ہاٹ ہزاری ضلع چاٹ گام اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ضلع سورت میں بھی درس دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہند ہی کے زمانہ سے استاد رہے اور معقولات کی اعلی کتابیں ہمیشہ زیر تدریس رہیں، حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند کی وفات کے بعد آپ صدر مدرس اور حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ہم لوگ جب دارالعلوم دیوبند پہنچے اس زمانہ میں مستقل مسلم شریف کا آپ درس دیا کرتے تھے۔ اور معقولات میں قاضی مبارک، صدرا بعدہ شمس بازغہ، حمد اللہ، شرح مواقف، امور عامہ آپ کے پاس مستقل ہوتی تھیں۔ جس سال ہم لوگ فنون میں داخل ہوئے اس سال آپ نے صدرا مولانا جلیل صاحب اور حمد اللہ مولانا فخر الحسن صاحب کو دیدی اور صدرا کے بعد شمس بازغہ اس سال نہیں ہوئی، ہماری معقول کی کتابوں

میں سے حضرت علامہ کے پاس قاضی مبارک، امور عامہ، شرح عقائد جلالی ہوئی، امور عامہ ختم ہونے کے بعد فرمایا کہ طوسی کی شرح اشارات لابن سینا کتب خانہ سے نکلوالو، تم لوگ مطالعہ کرکے پڑھتے ہو اس لئے تیس سال کے بعد تم لوگوں کو شرح اشارات پڑھاؤں گا تاکہ فلاسفہ کا جو رعب طالب علموں پر پڑا ہوا ہے اس کو تمہارے دلوں سے نکال دوں۔

اور واقعۃً تحقیقات ایسی فرماتے تھے کہ طوسی کی بھونسی چھوٹ جائے، ابن سینا اور ارسطو کا رعب بھی نکل گیا صرف امام رازی کی عظمت دل میں رہ گئی ورنہ معقولیوں کی عقلوں کو حضرت علامہ کی تحقیقات نے بالکل اندھا بنا دیا اور ہم لوگوں کے دل سے صدرا، شمس بازغہ علامہ کے پاس نہ پڑھنے کا قلق دور ہوگیا۔ ابن سینا اور فلاسفہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ان سب سے بڑھ کر صاحب ہدایہ معقولی ہیں انھیں نتیجہ نکالنے میں صغری اور کبریٰ کو مرتب کرنا نہیں پڑتا، وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہاں نتیجہ صغریٰ میں ہے یا کبریٰ میں اور اسی کو ہدایہ میں ذکر کرتے ہیں جس میں نتیجہ ہو۔

آپ کی ایک عظیم خصوصیت

احسان وسلوک کے سلسلہ میں ہم لوگ سنتے تھے کہ آپ حضرت شیخ الہند سے بیعت ہیں، اور شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے مجاز ہیں، لیکن حضرت علامہ کی زبان سے میں نے یہ بات نہیں سنی بلکہ بعض دفعہ صوفیہ پر سخت نقد کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی سیر کبیر وغیرہ پر عمل کرنا مکمل تصوف ہے، لیکن ہم لوگوں کے فارغ ہوجانے کے کئی سال بعد اپنے ہی ایک شاگرد رشید حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے اور تزکیہ وسلوک کو اپنے شاگرد سے حاصل کیا اور خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھا جو کہ رسالہ ''معرفت حق'' میں اسی زمانہ میں چھپا تھا، یہ آپ کی تواضع اور کسرنفسی کی ایک عظیم مثال ہے۔

طریقۂ تدریس:

سبق کی تقریر بہت مختصر کرتے مگر اس میں کچھ کچھ ایسی قید لگا دیتے جس کی وجہ سے

اصل متن پر جو اشکال ہوتا اس کو حل کرنا انھیں قیود سے آسان ہو جاتا، اگر کوئی شخص بعد میں اعتراض کرتا تو فرماتے کہ اسی لئے میں نے تقریر میں فلاں قید لگادی تھی تا کہ اشکال نہ پڑے، تم نے اس قید پر غور نہیں کیا، مسلم جلد اول کے سبق میں امام طحاوی پر تنقید کرتے اور کہتے کہ مولوی صاحب یہ بیرسٹر ہے جس کو ایک نکتہ مل جائے تو اسی پر سارے مقدمہ پر بحث کر کے جیت جاتا ہے دوسرے نکتوں کی طرف رخ نہیں کرتا مگر مسلم جلد ثانی میں امام طحاوی کے استدلال کے موافق فقہا کے مذاہب کی ترجیح فرماتے، اور معقولات میں بھی کلام مختصر کرتے، البتہ جب اساطین علم (ابن سینا، نصیرالدین طوسی وغیرہ) پر رد کرنا ہوتا اس وقت خوب کھل جاتے اور تفصیل سے ان کے دلائل کا کچا چٹھا کر دیتے۔

تصنیفات:

آپ کی تصنیفات میں سے صرف ایک کتاب چھپ کر اہل علم کیلئے عمومی نفع کا سبب بنی ہے وہ ہے ''ضیاء النجوم'' شرح سلم العلوم، علم منطق میں علامہ ملا محبّ اللہ بہاری نے ایک مختصر جامع کتاب لکھی ہے جو منطق کے تمام مسائل کو حاوی ہے، عام کتب منطق کی طرح اس کے دو اجزاء ہیں (۱) تصورات (۲) تصدیقات، اس رسالہ کی بہت سی شرحیں اور حواشی لکھے گئے، مثلاً قاضی مبارک، قاضی حمد اللہ سندیلی، ملا مبین کی مرآۃ الشروح، اور معاصرین کی شرحوں میں سے جواہر الحکم (فارسی میں)، متاخرین کی شرحوں میں سے انوار العلوم (اردو میں) تحریر کندیا وغیرہ، پھر ان شرحوں کے حواشی اور مہیات، حضرت علامہ نے عبارت سلم العلوم کی توضیح کیلئے ان شرحوں کا مختصر اقتباس لیکر ضیاء النجوم تالیف فرمائی اور اس حسن ترتیب کے ساتھ لکھا کہ سلم کے علاوہ ان شرحوں کی عبارتیں بھی حل ہو جاتی ہیں۔

۲:- شرح ترمذی، جو چھپی نہیں ہے، پاکستان بن جانے کے بعد مطبع اصح المطابع کے مالک مولانا نور محمد نقش بندی دہلی سے منتقل ہو کر کراچی تشریف لے گئے اور وہاں اصح المطابع قائم فرمایا اور حضرت مولانا اشتیاق احمد دیوبندی کے واسطہ سے مولانا ابراہیم بلیاوی

کوشرح ترمذی لکھنے کی فرمائش کی۔حضرت نے کام شروع کر دیا اور ایک کاتب کو رکھا جس کو کتابت مضامین پر دو آنہ فی صفحہ فل اسکیپ سائز پر دیتے تھے، ایک سادہ کاپی ہوتی اس پر اصل کتاب کی مختصر عبارت قولہ............ لال پنسل سے لکھتے پھر سلیٹی پنسل سے ایک دو جملہ لکھتے اس کے بعد کسی کتاب مثلاً عینی، فتح الباری ،دار قطنی ،مسلم وغیرہ بین القوسین لکھ دیتے ،اب جس رنگ کی پنسل سے کتاب کا نام لکھتے اسی رنگ سے لکھی ہوئی کتاب پر نشان لگا کر ''مــــن'' لکھ دیتے اور جہاں تک عبارت لینی ہوتی وہاں نشان لگا کر ''الی'' لکھ دیتے ،کاتب صاحب اصح المطابع کے مہر شدہ کاغذ پر پوری عبارت (کاپی والی اور نشان زدہ کتاب والی)نقل کرتے بس وہ جملہ قولہ سے لیکر یہاں تک اس کی شرح ہوجاتا۔پھر اگلا قولہ......اسی طرح ہوتا۔اس کی اجرت کاتب کو دو آنہ صفحہ کے حساب سے ایک رسید بنائی جاتی اس پر علامہ دستخط فرمادیتے اور مولانا اشتیاق احمد صاحب اس حساب کو رکھ لیتے اور اس کا پیسہ دیدیتے۔کاتب بدلتے رہتے کیونکہ طالب علم ہوتے تھے فارغ ہونے کے بعد گھر چلے جایا کرتے تھے، ایک سال میں بھی شرح ترمذی کا کاتب رہ چکا ہوں فالحمد للہ۔

وفات:

آپ کی وفات ۱۳۸۷ھ میں ہوئی اس وقت میں تبلیغی جماعت میں نکلا ہوا تھا اور دیوبند ہی کے آس پاس ہماری جماعت تھی مگر میں دفن کے بعد حضرت علامہ کے گھر پہونچا ،جنازہ میں شریک نہ ہوسکا۔

(۳) حضرت شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب امروہی

آپ کا نام نامی اعزاز علی ولد امتزاج علی یا مزاج علی ہے ماہ محرم ۱۳۰۰ھ،(تیرہ سو ہجری) میں قصبہ امروہہ ضلع مراد آباد میں آپ کی پیدائش ہوئی ،عربی کی ابتدائی کتابیں مدرسہ عین العلم شاہجہاں پور میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب شاہجہاں پوری ثم الدہلوی سے پڑھیں، پھر میرٹھ کے ایک مدرسہ میں داخل ہوکر مولانا عبدالمومن دیوبندی اور مولانا

عاشق الٰہی میرٹھی وغیرہ سے حدیث کی کتابیں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے صحیح بخاری، سنن ترمذی اور سنن ابوداؤد پڑھی، اور دسرے اساتذہ سے حدیث کی دوسری کتابیں پڑھیں۔

۲۱-۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگل پور میں سات سال اور مدرسہ عین العلم شاہ جہاں پور میں تین سال مدرس رہے۔ پھر ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۳۷۴ھ سال وفات تک دالعلوم دیوبند میں مستقل جمے رہے، جس قدر بھی حالات آتے گئے ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا لیکن دارلعلوم کو نہیں چھوڑا، ۱۳۴۶ھ میں آپ کے استاذ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری مدرسین کی ایک جماعت کے ساتھ ڈابھیل چلے گئے اس وقت بھی آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہیں ہوئی، ادب اور فقہ کی تدریس کے علاوہ دارلعلوم دیوبند کے مختلف شعبوں میں آپ کے نمایاں کارنامے رہے ہیں، ماہنامہ القاسم اور الرشید کی مجلس ادارت میں رہ کر مضامین بھی شائع کرتے رہے۔ ۷۰-۱۳۶۹ھ میں حضرت مہتمم صاحب پاکستان چلے گئے اور نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب حج کو چلے گئے تو آپ مدرسہ کے مہتمم بھی رہے اور ہر شعبے کی پوری پوری نگرانی فرمائی، اسی طرح ۱۳۶۲ھ کی دوسری اسٹرائک میں جب بہت سے اساتذہ ڈابھیل چلے گئے اور حضرت مدنی کو گورنمنٹ برطانیہ نے گرفتار کرلیا تو آپ نے دورہ حدیث کی اکثر کتابیں اپنے ذمہ لے لیا اور وہ سال نبھادیا اگلے سال حضرت مولانا فخرالدین احمد صاحب تشریف لائے اور بخاری شریف پڑھانے لگے تو آپ کا بوجھ ہلکا ہوا۔

آپ کی خصوصیات

آپ وقت کے نہایت پابند تھے مدرسہ کی مسجد میں نماز ادا کرتے تھے فجر سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے گھر سے تشریف لے آتے اور سیدھے اپنے کمرہ میں جاتے اور ایک نگاہ نودرہ پر ڈال لیتے جس طالب علم کو اس وقت مطالعہ میں مشغول پاتے اس سے بے حد خوش رہتے،

سلام کرنے میں آپ سبقت کرتے تھے، تعلیمی گھنٹہ جوں ہی شروع ہوتا درس گاہ میں آپ کا مبارک قدم پہنچ جاتا اور وقت ختم ہونے کا گھنٹہ جوں ہی بجتا فوراً سبق بند کردیتے نہ عبارت پوری ہونے کا انتظار کرتے نہ ترجمہ پورا ہونے کا خیال فرماتے، ابوداؤد شریف مستقل آپ کے پاس ہوتی تھی ہر ہر حدیث پر کچھ نہ کچھ کلام ضرور کرتے تھے۔

میں نے آپ سے کیا پڑھا

جس سال میں داخل ہوا اس سال ہدایہ آخرین پہلی اور دوسری گھنٹی میں حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی، میں گھنٹہ لگتے ہی درسگاہ میں پہونچتا کہ سبق کا کچھ حصہ چھوٹنے نہ پائے مگر جب وہاں پہنچتا تو دیکھتا کہ تقریباً آدھا صفحہ سبق ہو چکا ہے میں حیران رہتا تین چار دنوں کے بعد میں نے اپنے ایک دوست مولانا ابوالحسن صاحب دمکاوی سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے، انھوں نے بتایا کہ فجر کی نماز پڑھتے ہی پہلے کمرہ میں میرا ایک پارہ سنتے ہیں پھر درسگاہ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں اور میں آپ کی کتاب درس گاہ میں پہونچادیتا ہوں اس کے پندرہ بیس منٹ بعد گھنٹہ لگتا ہے، اب میں بھی فجر کے بعد فوراً درس گاہ پہنچنے لگا تو مکمل سبق ملنے لگا، اور ہدایہ آخرین کا سبق اسی طرح فجر کے بعد سے لیکر تعلیمی دو گھنٹوں میں ہوتا رہا جو سوا دو گھنٹے سے زائد ہی ہوجاتا تھا اور جمعہ کے دن بھی اسی طرح سبق ہوتا رہا جمعہ کی چھٹی ہم لوگوں کو نہیں ملی اور مسلسل پڑھتے رہنے کا یہ فائدہ ہوا کہ امتحان ششماہی تک ہم لوگوں کی ہدایہ آخرین دونوں جلدیں ختم ہوگئیں۔

طرز تدریس

ہدایہ کے سبق میں چند جزئیات کے بعد کوئی فقہی ضابطہ بیان فرمادیتے تھے جس کی وجہ سے جزئی مسائل اچھی طرح ذہن نشین ہوجاتے تھے شروع میں تو اس کی طرف دھیان نہیں گیا مگر میرے ایک سابق استاذ نے ان قواعد کی اہمیت بتادی تو میں ان قواعد کو کاپی میں

نوٹ کرنے لگا اس سے بہت فائدہ پہونچا سوا دو گھنٹوں میں ہدایہ آخرین پانچ صفحات سے کم نہیں ہوتی تھی بلکہ کبھی کبھی آٹھ، دس صفحات بھی سبق ہو جاتا تھا۔ جس دن ہم لوگ ہدایہ کے ختم ہونے کا اندازہ لگائے تھے اس دن ایک عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ یہ خنثی مشکل کی میراث کا مسئلہ ہے اسے آپ لوگوں کو سمجھ لینا ہے اور مجھ کو سمجھا دینا ہے کیونکہ آپ لوگوں میں سے کچھ لوگ فارغ ہو چکے ہیں خدا کرے کسی مدرسہ میں پڑھانے پر مامور ہو جائیں، وہاں اگر ہدایہ آخرین نہ ملے تو قدوری تو ضرور ہی پڑھانے کو مل جائے گی وہاں بھی یہ مسئلہ آئے گا اگر سمجھے نہیں ہوں گے تو طلبہ کو سمجھا بھی نہیں پائیں گے یا غلط سمجھا دیا تو الٹی تبلیغ چلنے لگے گی، بہت ہمت کریں گے تو مجھ کو ایک خط لکھ دیں گے کہ فلاں مقام سمجھ میں نہیں آیا سمجھا دیا جائے تو بتاؤ میرے سامنے بیٹھ کر جب نہیں سمجھ سکو گے تو میں خط میں کیسے سمجھا دونگا؟ اچھا صاحب! جی- اس کے بعد عبارت ہوئی پھر بہت دیر تک کئی کئی طریقہ سے سمجھایا اس دن پورے سوا دو گھنٹوں میں ہدایہ کا صرف ایک صفحہ سبق ہوا، پھر فرمایا ہدایہ کا کیا؟ آج ختم نہیں ہوا تو کل ختم ہو جائے گا مگر یہ مسئلہ تو آج سمجھنا ہے۔

دوسری کتابیں

ہدایہ آخرین کے علاوہ ضابطہ میں حضرت شیخ الادبؒ سے ہم نے سنن ابی داؤد مکمل، جامع ترمذی جلد ثانی مکمل پڑھی اور شروع سال میں شمائل ترمذی ۲۸ رشوال ۱۳۷۱ھ کو شروع ہوئی، ذی قعدہ ذی الحجہ دو مہینے پڑھنے کے بعد ہی ۱۴ رمحرم ۱۳۷۲ھ کو شمائل ختم ہوئی پھر ترمذی جلد ثانی شروع ہوئی، ایک سال آپ کے پاس سبعہ معلقہ آ گئی تو ہم نے مدرسہ کے ضابطہ سے الگ یہ کوشش کی کہ سبعہ معلقہ کے سبق میں بھی سماعت کر لیں لیکن گھنٹہ خالی نہ ہونے کی وجہ سے مکمل سبعہ معلقہ نہ پڑھ سکے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ عربی دوم وسوم میں پہلے نفحۃ الیمن پڑھائی جاتی تھی

جس کو ایک انگریز کے حکم سے شیخ احمد بن محمد یمنی شروانی نے لکھی تھی ادب میں بہت اچھی استعداد پیدا کرتی ہے مگر عشقیہ مضامین، اور اسلامی خلفاء کے کمزور اخلاق کو اس میں جمع کر دیا ہے، اس لیے اس کے بجائے آپ نے نفحۃ العرب مرتب فرمائی۔ اس کے علاوہ دیوان متنبّی اور دیوان حماسہ کی شرحیں لکھیں جس میں اشعار کی عربی تشریح کرنے کے بعد اردو ترجمہ بھی طلبہ کے لیے لکھ دیا ہے، ادب میں آپ کی مہارت مسلم تھی اس لیے آپ شیخ الادب کہلاتے تھے، مولانا عبدالحفیظ بلیاوی جنھوں نے مصباح اللغات اور اردو عربی ڈکشنری لکھی ہے انھوں نے علم ادب آپ ہی سے سیکھا ہے، فقہ میں نورالایضاح اور کنز الدقائق کا بہترین حاشیہ لکھا اور سب کتابیں مطبوع ہیں اور کنز الدقائق کے حاشیہ کا مسودہ مکمل اس زمانہ کے مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کی نظر سے گذار کر طبع کرایا ہے۔

وفات حسرت آیات

وفات سے ایک سال پہلے مجھ کو مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خانپور ضلع میرٹھ میں مدرسی کے لیے بھیجا میں نے ایک سال وہاں پڑھایا، پھر رجب ١٣٧٤ھ میں مجھ کو دیوبند بلایا کسی دوسری جگہ بھیجنے کا ارادہ تھا مگر ان تاریخوں میں مدرسہ میں سالانہ جلسہ ہونا تھا جس کی وجہ سے میں نہیں آسکا جلسہ ختم ہونے کے بعد ١٢/رجب کو میں میرٹھ سے روانہ ہوا اور تیرھویں کی رات میں ساڑھے ١١ بجے دیوبند پہنچا معلوم ہوا کہ حضرت کی طبیعت بہت خراب چل رہی ہے میں نے صبح کو ملاقات کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن صبح فجر کی اذان کے ساتھ ساتھ موذن نے آپ کی رحلت کی خبر بھی دیدی اس وقت مدرسہ میں کہرام مچ گیا، صبح نو بجے ہم لوگوں نے آپ کی زیارت کی جب کہ کئی گھنٹہ پہلے وفات ہو چکی تھی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سرائے میر اعظم گڈھ کے مدرسہ بیت العلوم کے سالانہ جلسہ میں گئے ہوئے تھے، ظہر کے بعد احاطہ مولسری میں نماز جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب علیہ الرحمہ کی اقتداء میں پڑھی گئی۔ یہ ١٣/رجب ١٣٧٤ھ کا واقعہ ہے، اس

سال دورہ میں مولانا محمد عمر صاحب نائب مہتمم مدرسہ قاسمیہ مرادآباد بھی تھے جنھوں نے حضرت شیخ الادب سے ابوداؤد شریف تو پڑھی مگران کی سند حضرت کے دستخط سے خالی ہے، جب سے ہم لوگ دارالعلوم دیوبند پہونچے اس وقت آپ قائم مقام ناظم تعلیمات تھے اور وفات کے وقت تک قائم مقام یا نائب ناظم تعلیمات رہ گئے، ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ مدنی نے مولانا محمد جلیل صاحب کو نائب ناظم تعلیمات مقرر فرمایا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ چوہتر سال چھ مہینہ آپ کی عمر مبارک ہوئی اور چوالیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں خدمات انجام دیں ''تذکرۃ الاعزاز'' میں مزید حالات مل سکتے ہیں۔

(۴) مولانا فخر الحسن مرادآبادی

آپ کی پیدائش معلوم نہ ہوسکی، وفات ۲۹ ستمبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۴۰۰ھ۔

آپ ۱۳۴۶ھ میں دورہ سے فارغ ہوئے جب مولانا انورشاہ ڈابھیل جا چکے تھے اور حضرت شیخ مدنی مسند صدارت دارالعلوم کی زینت بن چکے تھے، پہلے سال میں حضرت مدنی سے دورہ پڑھنے والوں میں مولانا فخر الحسن صاحب کے علاوہ مولانا عبدالسمیع صاحب دھلوی صدر مدرس مدرسہ امینیہ دھلی بھی تھے، اور مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد یوسف بنوری بھی اسی سال کے فضلا میں سے ہیں، لیکن ان لوگوں نے ڈابھیل جا کر مولانا انورشاہ صاحب وغیرہ سے دورہ پڑھا ہے، مولانا فخر الحسن صاحب دھلی کے ایک مدرسہ میں مدرس تھے وہاں سے دارالعلوم دیوبند میں آئے اور میں نے مولانا سے بہت سی کتابیں پڑھیں، مختصر المعانی مکمل مع تلخیص المفتاح، دیوان متنبّی مع عروض المفتاح، علم منطق میں حمد اللہ، حدیث میں سنن نسائی وغیرہ۔

اللہ پاک نے آپ کو سمجھانے کا خوب ملکہ دیا تھا مشکل مسائل کو چٹکیوں میں حل کر دیتے ہمارے دورہ حدیث کے سال میں آپ کچھ خانگی مسائل میں الجھے ہوئے تھے اس کے باوجود جب مکمل مطالعہ کر کے آتے تو حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ ہی کی

تقریر سب سے اچھی معلوم ہوتی تھی اور سنن نسائی کے تراجم وابواب پر ایسے نکتے بیان کرتے تھے کہ امام نسائی امام بخاری کے مثنی معلوم ہونے لگتے، پھر ہمارے بعد جب بھائی بہاء الحسن صاحب فرزند اکبر کا انتقال ہوگیا تو آپ کے دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ مختلطین محدثین کی صف میں آگئے ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں اس عالم فانی سے روانہ ہوگئے۔

(۵) مولانا ظہور احمد دیوبندی

مولانا ظہور احمد ولد منظور احمد صاحب، مولانا خورشید احمد صاحب حال استاذ دالعلوم دیوبند کے والد ماجد ۱۳۱۸ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر محلّہ شاہ بہلول شہر سہارنپور میں استاد ہوئے، پھر شاہ جہاں پور اور کراچی میں استاذ مقرر ہوئے ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ ہوئے اور آخر یہیں ۱۳۸۳ھ میں وفات فرما گئے، میں نے ان سے کئی کتابیں پڑھی ہیں؛تفسیر بیضاوی سورہ بقرہ، شرح عقائد خیالی، مسامرہ علم عقائد میں، توضیح تلویح اصول فقہ میں، پھر دورہ میں سنن ابن ماجہ، آپ مختصر کلام کرتے تھے اردو نہایت شاندار تھی جملہ پورا ہونے پر وقف کرتے تھے، مختصر لفظوں میں کتاب حل فرما دیتے تھے، مگر بغیر مطالعہ کے سبق پڑھنے والے طلبہ ان کے شاکی رہتے تھے ہاں جو مطالعہ کرکے سبق پڑھنے کے عادی تھے ان کو مولانا کے سبق میں بہت مزہ ملتا تھا کیونکہ ان کی تقریر حشو وزوائد سے پاک رہتی تھی، نحو وصرف میں اجتہادی شان رکھتے تھے علم نحو میں آپ کی ایک تصنیف بھی ہے۔

(۶) مولانا محمد جلیل کیرانوی

آپ بچپن میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خادم رہ چکے تھے، اس لیے حضرت شیخ مدنی قدس سرہ سے آپ کو غایت محبت تھی، ہم نے مولانا محمد جلیل صاحب کے پاس مشکوٰۃ شریف اور موطا امام مالک کے علاوہ فلسفہ کی ایک کتاب صدرا بھی پڑھی ہے اور

ہمارے زمانے میں مشکوٰۃ شریف اور میبذی دو استادوں کے پاس ہوتی تھی، طلبہ یہ کوشش کرتے تھے کہ دونوں کتابیں مولانا محمد جلیل صاحب کی ترتیب میں پڑ جائیں، اللہ کا شکر ہے کہ ہماری دونوں کتابیں آپ ہی کے پاس پڑ گئی تھیں۔

پیدائش و وفات؟

(۷) مولانا بشیر احمد خان صاحب گلاؤٹھی

پیدائش؟

وفات ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴/ ستمبر ۱۹۶۶ بروز شنبہ۔

آپ کو فن ہیئت اور علم الفلکیات میں مہارت تامہ حاصل تھی اور تدریس کے وقت کرہ جات وزائچے واسطرلاب ایک طرف اور دوسری طرف بلیک بورڈ رکھا کرتے تھے، اور ہیئت کی کتابوں کے نقشہ جات کو عملی طور سے دکھلا کر پڑھاتے تھے اور کبھی کبھی اپنا اسطرلاب دوران سبق کسی طالب علم کو دیتے کہ دھوپ میں جا کر ارتفاع شمس کا درجہ معلوم کر کے آؤ۔

ایک واقعہ

ہیئت کی کتابوں میں سمت قبلہ معلوم کرنے کا ایک ضابطہ ہے کہ دائرۂ ہندیہ میں جو خط مشرق ومغرب ہے اس سے مکہ معظّمہ اور مطلوب جگہ کے طول البلد کے تفاوت کے درجات پر دائرے کے مشرق ومغرب میں ایک نقطہ لگا دیا جائے اور خط نصف النہار جو شمال سے جنوب کی طرف جاتا ہے اس کے کنارے سے اتنے درجات مغرب کی طرف گن کر نشان لگائے جائیں جتنا تفاوت مکہ معظّمہ کے عرض البلد اور مطلوب جگہ کے عرض البلد میں

فاصلہ ہو پھر انؒ دونوں نہایتوں کے اوپر ایک خط مستقیم کھینچ دیا جائے اور اب اس خط مستقیم کا جو ملتقی ہو دائرہ کے مرکز سے ایک سیدھا خط اس طرح کھینچا جائے کہ ملتقی الخطین پر سے گذر کر دائرہ کے انتہاء تک پہونچ جائے۔

تو وہی سمت قبلہ ہوگا، ''تصریح'' کا مطالعہ کرتے وقت مجھ کو اس میں کچھ الجھن ہوگئی اب میں کمرے سے باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت الاستاذ اپنی درسگاہ سے نکل کر معراج گیٹ کے راستے اپنے گھر جارہے ہیں، میں جلدی سے بڑھ کر دورویہ پھلواریوں کے بیچ میں ملا اور کھڑے کھڑے اپنے اشکال کو ذکر کیا حضرت مولانا وہیں بیٹھ گئے اور ایک ٹھیکرا لے کر ایک دائرہ کھینچ دیا، پھر عملی طور سے یہ بتایا کہ اتنا درجہ جنوب اور شمال کیطرف سے مغرب کی طرف نشان لگاؤ اور اتنا درجہ عرض البلد میں سے مشرق ومغرب کے نقطے سے جنوب کی طرف لگا کر خط کھینچو، پھر بیٹھے ہی بیٹھے سمت قبلہ کی طرف اسی ٹھیکرے سے خط کھینچ کر سمجھا دیا۔

دوسرا واقعہ

ایک دفعہ حضرت نے کہا کہ آج کی رات میں جو مرکزی ستارہ ہے عشاء کے بعد طلوع ہوگا تم لوگ عشاء کے بعد گھر آؤ میں اس مرکزی ستارہ کی پہچان کرادوں اس کے اعتبار سے دوسرے سیاروں کو پہچان لینا، عشاء کی نماز پڑھ کر میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا کہ حضرت کے مکان پر چلنا ہے اور وہ ساتھی عشاء کی نماز سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر عشاء کی نماز میں شریک ہوگئے، میں اکیلا پڑ گیا اور مدرسہ سے لے کر حضرت کے مکان کے بیچ میں گوشت والوں کی کئی دوکانیں تھیں جہاں بڑے بڑے کئی کتے آنے جانے والوں کو تنگ کیا کرتے تھے اور میری عمر نسبتاً اور ساتھیوں سے کم تھی؛ اس لیے حضرت کے گھر جانے کی ہمت نہیں ہوئی، تب سے مجھے اب تک افسوس ہے کہ میں اس ستارہ کو نہ پہچان سکا، یہ دو واقعے میں نے علم الفلکیات میں حضرت والا کی مہارت کے ذکر کر دیئے، علم ہیئت کے علاوہ ہدایہ آخرین اور طحاوی شریف بھی ہمارے زمانے میں آپ کے زیر درس رہا کرتی تھی لیکن میں

نے یہ دونوں کتابیں مولانا بشیر احمد کے بجائے مولانا اعزاز علی صاحب اور مولانا ابراہیم بلیاوی سے پڑھیں۔

آپ کی وفات ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴/ ستمبر ۱۹۶۶ء میں ہوئی اس وقت مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں مدرس تھا۔

(۸) مولانا نصیر احمد خان صاحب

ولادت: (پیدائش ۲۱/ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۳/ دسمبر ۱۹۱۸ء)

آپ ہمارے زمانے میں ابتدائی عربی کے استاذ تھے اور جس سال ہماری جلالین تھی اس سال پہلی یا دوسری بار ان کے پاس جلالین کا سبق آیا تھا، اور طالب علمی کے زمانے میں بھی میرا دس بجے رات میں سوکر ۴/ بجے سویرے بیدار ہونے کا گرمی سردی ہر موسم میں معمول تھا، آپ کا جلالین کا درس ابتداء سے تقریباً ایک پاؤ روزانہ ہوتا تھا، میں نے جلالین کے سبق کے لیے اپنے ذمہ تین کام لازم کر لیے تھے؛ جلالین شریف کا مع حواشی کے مطالعہ اور صاوی اور بیان القرآن کا مطالعہ، اور الحمدللہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ سبق سے ہمارا مطالعہ کم رہ گیا ہو۔

(وفات ۱۹/ صفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۴/ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعرات)

(۹) مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی

آپ نہایت اللہ والے بزرگ تھے ۱۳۵۷ھ کے فضلاء میں سے تھے آپ کے والد مولانا عبدالسمیع صاحبؒ عموماً مشکوٰۃ پڑھاتے تھے مگر ہمارے دیوبند جانے سے پہلے انتقال ہوگیا، مولانا عبدالاحد صاحب کے پاس میں نے صرف ایک کتاب ملاحسن پڑھی۔

(۱۰-۱۱) مولانا ریاض احمد صاحب چمپارنی، مولانا محمد حسین بہاری

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی جو شیخ التفسیر تھے وہ پاکستان چلے گئے

تو دارالعلوم دیوبند نے مولانا ریاض احمد صاحب کو شیخ التفسیر کے منصب پر لا بٹھایا، مولانا ریاض احمد صاحب طلبہ پر انتہائی شفیق تھے علم التفسیر کے علاوہ معقولات کی انتہائی کتابیں جیسے قاضی مبارک، شمس بازغہ وغیرہ بھی وقفے وقفے سے پڑھا دیا کرتے تھے، مولانا کے پاس اس سال ہماری شرح عقائد نسفی ہوئی، اپنے کسی عزیز کی بیماری کی وجہ سے مولانا ایک ہفتہ کی رخصت لے کر گھر چلے گئے پھر گھر سے مزید ایک ہفتہ رخصت کی درخواست بھیجی، اس وقت ناظم تعلیمات مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے ہماری شرح عقائد کو وقتی طور سے مولانا محمد حسین بہاری کے حوالے کر دیا بہت محنت سے مولانا نے بھی ایک ہفتہ پڑھایا، ایک ہفتہ گذرنے کے بعد دیوبند اس وقت تشریف لائے جبکہ شرح عقائد کا گھنٹہ ہونے میں ۱۵/۲۰ منٹ باقی تھا طلبہ گھنٹہ ہوتے ہی مولانا ریاض احمد صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے مولانا نے فرمایا میں تو ابھی سفر سے آ رہا ہوں ابھی غسل بھی نہیں کیا ہے تم لوگ جاؤ آج بھی مولانا محمد حسین صاحب سے سبق پڑھ لو، لیکن طلبہ اس خیال میں تھے کہ مولانا ہماری ایک گھنٹہ کی چھٹی کر دیں گے اس لیے مولانا محمد حسین صاحب کے پاس جانے میں آنا کانی کرنے لگے مولانا ریاض احمد صاحب نے فرمایا کہ جب تم لوگ نہیں مانتے تو چلو میں یہ بحث چھوڑ کر گیا تھا اب کون سی بحث چل رہی ہے؟ ہم لوگوں نے بتایا، تو مولانا ریاض احمد صاحب نے زبانی ایک ہفتہ کا سبق دہرا دیا اور پھر ہم لوگوں سے کہا کہ کچھ اور پڑھ لو، پھر مزید ایک صفحہ پڑھایا، شرح عقائد کے اس استحضار پر ہماری آنکھیں کھل گئیں کہ یہ اکابر تمام علوم پر کس قدر عبور رکھتے تھے۔

لیکن مولانا ریاض احمد صاحب دارالعلوم دیوبند میں رہ نہیں سکے، مختلف عوارض کی وجہ سے ایک یا ڈیڑھ سال کے بعد گھر چلے گئے۔

اس زمانے میں مولانا کے پاس اصول الشاشی بھی تھی، ایک طالب علم گھنٹے میں تعارض کے سبب ان کے یہاں اصول الشاشی میں شریک نہ ہوئے اور مجھ سے درخواست کی

کہ تم مجھ کو اصول الشاشی پڑھا دو، میں ان کو لے کر حضرت مولانا ریاض احمد صاحب کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ یہ طالب علم گھنٹے میں تعارض کے سبب آپ کے پاس اصول الشاشی نہیں پڑھ پا رہے ہیں، اگر ان کا امتحان سالانہ آپ کے گھنٹہ کی ترتیب میں ہوسکتا ہو تو میں ان کو اصول الشاشی پڑھا دوں، مولانا ریاض احمد صاحب نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ پڑھا دو میں اپنی اصول الشاشی کی جماعت میں شریک کر کے امتحان دلا دوں گا۔

اور میں نے مولانا محمد حسین صاحب بہاری سے مختصر المعانی کا الفن الثانی کچھ حصہ پڑھا ہے۔ (ان کی وفات ۶؍رجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۳؍جنوری ۱۹۹۲ء میں ہوئی ہے)

(۱۲) حضرت مفتی مہدی حسن صاحبؒ

پیدائش ۱۳۰۰ھ وفات ۱۳۸۶ھ، آپ شاہ جہاں پور محلّہ جھنڈا کلاں کے رہنے والے تھے، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب وغیرہ سے علم حاصل کیا تھا اور مولانا محمد احمد صاحب کے اہتمام دارالعلوم دیوبند کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں آخری امتحانات میں شریک ہو کر سند حاصل کی تھی، انگریزوں کے زمانے میں دلی کے عربی کالج میں چند سال استاذ رہے، پھر راندیر ضلع سورت میں تقریباً ۴۵ سال مفتی رہے ۱۳۶۹ھ میں دارالعلوم دیوبند میں صدر مفتی کے عہدہ پر تقرر ہوا اور انھیں کے سامنے شعبۂ افتاء دارالعلوم دیوبند میں شروع ہوا، اس زمانے میں فارغ طلبہ کو دارالافتاء میں داخل کیا جاتا تھا اور شام کی دونوں گھنٹیاں دارالافتاء کے لیے مخصوص ہوتی تھیں، اور صبح کی چار گھنٹیوں میں طالب علم کو اختیار ہوتا تھا کہ ناظم تعلیمات کے حکم کے مطابق کوئی کتاب پڑھ سکتا تھا، اور با قاعدہ دارالافتاء کے لیے کوئی کتاب مقرر نہ تھی بلکہ ملک کے طول وعرض سے جو استفتاء آتے تھے ان میں سے مفتی مہدی حسن صاحب طلبہ کے لیے کچھ سوالات چھانٹ لیتے تھے، ان کے جوابات لکھ کر طالب علم اپنی اپنی کاپی مفتی صاحب کو دکھلاتے تھے، مفتی صاحب مشورہ دیتے اور ان جوابات میں کمی بیشی اور مختلف ترمیمات کر کے از سر نو کاپی پر صاف کراتے جب خوب

اطمینان ہوجاتا اور طلبہ کے نکالے ہوئے حوالے صحیح ہوتے تو وہی جوابات اصل استفتاء کے نیچے لکھوا کر اور مفتیان کرام سے تصدیق کرا کر اصل مستفتیوں کے پاس بھیج دیے جاتے تھے، میری شام کی گھنٹیاں خالی نہیں تھیں؛ اس لیے مفتی صاحب نے بعد عشاء مجھے وقت دیا تھا اور دن کے اوقات میں حوالہ جات تلاش کر کے ان کے جواب مرتب کر دیتا اور بعد عشاء مفتی صاحب کو دکھا دیتا تھا، جیسا کہ اپنی طالب علمی کے باب میں بھی کچھ ذکر کر چکا ہوں، ویسے حضرت مفتی صاحب طحاوی شریف نہایت محققانہ پڑھاتے تھے اور رجال پر سیر حاصل بحث فرماتے تھے۔

تصنیفات

آپ کی تصنیفات میں صرف ایک میری نظر سے گذری ہے ابن حزم ظاہری نے المحلی میں تقلید کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور خصوصاً احناف کے دلائل کو کمزور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اس سے جواب میں حضرت مفتی مہدی حسن صاحب نے ایک کتاب تصنیف فرمائی ''المجلی علی المحلی''، جو پہلے دیوبند کے کسی کتب خانہ سے چھپی تھی بعد میں حیدر آباد سے بھی چھپی ہے۔

چوتھا باب تدریسی زندگی

تدریسی زندگی میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند میں ہدایہ آخرین کے سال ایک طالب علم کو اصول الشاشی پڑھائی تھی، اور مولانا ریاض احمد چمپارنی نے اپنے درجہ کی جماعت میں ان کا نام شامل کرکے سالانہ امتحان میں بٹھایا تھا، وہ ہیں مولانا شفیع احمد صاحب مئویؒ جو دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مرتے دم تک مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں مدرس رہے، اور ہمیشہ میرے ساتھ اکرام کا معاملہ فرماتے رہے۔

پھر میں فارغ ہونے کے بعد ۱۳۷۲ھ یعنی ۱۹۵۳ء میں کلکتہ کے قریب امین پور شاشن کے جونیر مدرسہ مغربی بنگال میں مدرس ہوا، لیکن کلکتہ کی آب وہوا موافق نہ ہونے کی وجہ سے ذی الحجہ ۱۳۷۲ھ میں صرف دو مہینہ کے بعد گھر واپس آ گیا۔ گھر پر رہنے کے زمانے میں بڑے بھائی صاحب جو ضلع اعظم گڈھ کے خالص پور کے ایک مکتب میں مدرس تھے وہ بمبئی چلے گئے، تو میں ان کی جگہ پر سولہ روپیہ مشاہرہ پر مکتب میں پڑھانے بیٹھ گیا، قاعدہ بغدادی، پارہ عم، ناظرہ قرآن مجید کے علاوہ اردو کی پہلی دوسری اور دو ایک بچوں کو فارسی کی پہلی پڑھائی، پھر مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں مدرسی کی ضرورت دیکھ کر ایک درخواست دی، وہاں سے جواب آیا کہ تم دیوبند آؤ، کئی استاذ ہمیں مدرسہ کے لیے لینے ہیں وہاں پر انتخاب ہوگا میں کسی طرح دیوبند پہونچا تو معلوم ہوا کہ ڈابھیل کے مہتمم محمد تقی دیوبندی صاحب چند لوگوں کو منتخب کرکے ڈابھیل بھیج چکے ہیں۔

اس کے بعد رمضان ۷۳ھ کے دوسرے عشرہ میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ کو مدرسہ مدینۃ العلوم اکلہ خان پور ضلع میرٹھ میں بھیج دیا، وہاں انجمن حمایت اسلام لاہور کی اردو کی دوسری تیسری کے ساتھ حمد باری، آمدنامہ، گلزار

دبستاں درجہ فارسی میں، اور درجہ عربی میں نحو میر اور صرف میر پڑھائی، پھر چھٹی کے بعد گھر آیا، اور شوال ۱۳۷۳ھ سے لے کر رجب ۱۳۷۴ھ تک وہاں مدرس رہا۔

پھر دار العلوم دیوبند کے محرر تعلیمات جناب منشی محمد عزیز صاحب نے آسام سینیر مدرسہ گوما پھول باڑی ضلع کامروپ میں درخواست بھیجنے کا حکم دیا۔ تو میں شوال ۱۳۷۴ھ میں آسام چلا گیا، وہاں پر میرے ذمہ عالمیت کی کتابوں میں سے ہدایہ جلد ثانی اور مشکوٰۃ کتاب الفتن رکھی گئی، اور اس وقت میں آسام اسٹیٹ مدرسہ بورڈ کا سرکاری ممتحن قرار دیا گیا، پھر مدرسہ میں فاضلیت کا درجہ کھل گیا تو میرے ذمے ہدایہ آخرین، وقائع نعمت خان عالی، جو فارسی کی بہت مشکل کتاب تھی آ گئی، اور عالمیت کے درجہ کی منطق اور ادب کی کتابیں پہلے ہی سے میرے ذمے تھیں اور فاضلیت کے درجے میں قصائد عمرو بن الفارض بہت مشکل کتاب تھی اس کو لینے کے لیے کوئی بھی استاذ تیار نہ تھا تو یہ طے ہوا کہ میں اس کا اردو ترجمہ لکھ کر اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جناب مولانا محمد ایوب ضمیر(۱) بارہ بنکوی کو دیدوں اور اس کی مدد سے اسسٹنٹ صاحب پڑھائیں گے یا کسی سے پڑھوائیں گے، چنانچہ دو ہفتہ کی محنت شاقہ کے بعد اس کے تین قصائد کا ترجمہ میں نے لکھ دیا اس طرح ۱۳۷۷ھ تک میں آسام میں مقیم رہا، اور ۱۳۷۷ھ جمادی الاولیٰ میں حضرت شیخ مدنیؒ کا وصال ہوگیا اس وقت میں وہیں آسام میں تھا پھر ذی الحجہ ۱۳۷۷ھ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کے نائب ناظم جناب مولانا شمس الدین صاحب نے مجھ کو احیاء العلوم مبارکپور آنے کی دعوت دی تو میں محرم ۱۳۷۸ھ میں احیاء العلوم پہنچ کر کام میں مشغول ہوگیا۔

احیاء العلوم میں چونکہ اس زمانے میں میرے اساتذہ کرام موجود تھے اس لیے کسی کتاب کے پڑھانے میں مجھ کو تردد نہیں ہوا بلکہ صدر مدرس کی طرف سے جو کتابیں بھی میرے ذمے آئیں ان کو پوری محنت سے پڑھاتا رہا، احیاء العلوم میں میرے ذمے منطق کی سلم العلوم بعدہ ملاحسن تھی اور فلسفے میں میبذی اور ادب میں دیوان متنبّی یا مقامات حریری باری باری آتی تھی، اور فقہ میں ہدایہ اولین، تفسیر میں جلالین نصف ثانی، اور جس سال دورہ

ہوتا اس سال ابن ماجہ اور مسلم جلد ثانی بھی آجاتی تھی، اس کے علاوہ شرح عقائد نسفی کا سبق بڑا معرکۃ الآراء ہوتا تھا اس لیے کہ مجھے ناکام ثابت کرنے کے لیے کچھ مدرسین بعض طلبہ کو اپنے گھر رات میں پڑھا دیا کرتے تھے، لیکن میں بھی خوب ڈٹ کر مطالعہ کرتا اس لیے اعتراض سکھانے والوں کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑتی۔

شرح عقائد نسفی کا ایک عجیب واقعہ

ایک دفعہ طلبہ نے شرح عقائد کے خلاف درخواست دی تو صدر مدرس صاحب میرے سبق میں بیٹھے، سبق ختم ہونے کے بعد مجھ کو کچھ نصیحتیں فرمائیں اور چلے گئے، طلبہ نے تقاضے میں دوسری درخواست دی تو صدر مدرس صاحب نے وہ درخواست ناظم اعلیٰ صاحب کے پاس بھیج دی ناظم اعلیٰ صاحب نے طلبہ کو فہمائش کرنے کے بجائے مجلس شوریٰ طلب کر لی مجلس شوریٰ نے طے کیا کہ شرح عقائد کے سبق میں حسب ذیل علماء بیٹھ کر سبق کی رپورٹ دیں (۱) مولانا عنایت اللہ صاحب پرانی بستی (۲) حکیم عبدالباری صاحب پورہ دلہن (۳) مولانا محمد عمر صاحب پورہ صوفی (۴) قاضی اطہر صاحب محلّہ حیدر آباد، پھر مجھ کو اطلاع دی گئی کہ فلاں دن یہ حضرات آکر آپ کے سبق میں بیٹھیں گے میں نے جواب میں یہ لکھ دیا کہ ان تین صاحبوں کا بیٹھنا مجھے منظور ہے لیکن قاضی اطہر صاحب کا فن ادب اور تاریخ ہے فلسفہ اور عقائد سے ان کو کچھ مس نہیں اس لیے ان کی جگہ مئو سے حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو بلایا جائے، تو شوریٰ نے کیا طے کیا مجھے معلوم نہیں مگر وقت مقررہ پر یہ تین اکابر میرے سبق میں بیٹھے اور قاضی اطہر صاحب تشریف نہیں لائے، "**ولا یوصف بماھو من صفات المخلوق**" سے سبق پڑھانا تھا، اساتذہ کرام نے طلبہ کو خوب تیار کر کے بھیجا تھا تو ایک طالب علم نے "**اللّٰہ نور السمٰوات والأرض**" کو معارضہ میں پیش کیا میں نے کہا کہ یہ جلالین کا سوال ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں اس لیے اس کا جواب میرے ذمہ نہیں پھر بھی تبرعاً بتاتا ہوں کہ ذات کا

حمل ذات پر نہیں ہوتا بلکہ صفات کا حمل ذات پر ہوتا ہے اس لیے یہاں نور منور کے معنی میں ہے لہٰذا آسمان وزمین کو نور دینے والا اللہ ہے اور خود اللہ تعالیٰ کا نور اس سے ماوراء الوراء ہے یہ سن کر معترضین کا چہرہ فق ہوگیا اور مولانا عنایت اللہ صاحب نے پھر پوچھا کہ آپ نے کیا کہا میں نے کہا کہ نور منور یا منیر کے معنی میں ہے مولانا اس پر اچھل پڑے اور میری پیٹھ ٹھونک کر کہا کہ ہمیں آپکا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں ہے یہ طلبہ نہیں سمجھتے تو یہ ان کی کمی ہے۔

ایک اور آزمائش

اس کے بعد میرے خلاف ایک اور سازش کی گئی کہ میرے کسی سبق کا ریکارڈ ٹیپ ریکارڈ میں لے کر مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا جائے، پس ایک دن کچھ طلبہ رات میں میرے پاس آئے اور یوں بات بنائی کہ ہم نے اپنے کئی استاذوں کا سبق ریکارڈ کیا ہے آپ کا بھی ایک سبق ریکارڈ کرنا چاہتے ہیں، اللہ نے معاملے کی تہ تک مجھے پہونچا دیا کہ شوریٰ میں ریکارڈ والی مشین کو پیش کرنے کی سازش ہے پھر بھی میں نے اجازت دیدی، اور میں مسجد میں رات کو بنیت اعتکاف کے جا ٹھہرا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا خوب خوب دعائیں کیں، صبح کو جب ہدایہ کی گھنٹی ہوئی تو وہ طلبہ ریکارڈ مشین لے کر میرے درس میں بیٹھے، میں نے ایک طالب علم سے ہدایہ کی عبارت پڑھنے کو کہا اس نے پڑھنا شروع کیا تو عبارت کی غلطی پر ہر جگہ میں ٹوکتا رہا ٹیپ ریکارڈ میں وہ سب چیزیں آگئیں پھر جب میں نے اس کا ترجمہ مطلب بتانا شروع کیا تو ٹیپ ریکارڈ بند ہو گیا تو ایک طالب علم نے دوسرے سے کہا کہ اس کو صحیح کرو اس سے ٹھیک نہ ہوا تو اس نے تیسرے سے کہا، ان سے ٹھیک نہ ہوا تو درس گاہ کے باہر ایک منشی سے ٹھیک کرانے لے چلے، درس گاہ سے باہر نکلتے ہی چل پڑا، پھر واپس آئے میری تقریر جاری تھی ایک دو جملہ ریکارڈ ہوا پھر بند ہوگیا پھر باہر لے گئے کسی مستری نے بنا کر دیا تو جلدی جلدی لے کر آئے، اب گھنٹی میں صرف دس منٹ باقی رہ گیا تھا اس لیے میں نے کہا کہ پورا سبق تو ریکارڈ ہوا نہیں اس لیے ناقص سبق ریکارڈ کرنے سے کیا فائدہ اس لیے

ریکارڈ بند کر کے سبق مکمل کیا، اس کے بعد تمام طلبہ دہل گئے پھر کسی نے مخالفت کرنے کی ہمت نہیں کی سوائے چند فتین طلبہ کے جن کی معاندانہ روش سالانہ امتحان تک باقی رہی اور سالانہ امتحان کے موقع پر جو کمیٹی ہوئی اس میں میرے خلاف چھوٹے بڑے بہت سے لوگوں کو میری مخالفت کرنے پر سرزنش فرمائی، اس طرح یہ فتنہ دور ہوا اور مدرسہ احیاء العلوم اپنی صاف ستھری نہج پر چلنے لگا اللہ تعالیٰ مجلس شوریٰ والوں کو بہت ہی جزائے خیر دیں۔

شعبان ۱۳۸۹ھ یا ۱۳۹۰ھ میں حسب عادت تبلیغ میں ایک چلہ لگانے کے لیے میں گیا تھا، ہمارا نظام ضلع بستی میں رکھا گیا تھا، مدرسہ احیاء العلوم میں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں تین اساتذہ کو علیحدگی کا نوٹس دے دیا گیا (۱) زین العابدین (۲) مولانا محمد مسلم (۳) منشی اقبال، مجھ کو وہ نوٹس ضلع بستی کے ''دھن گھٹا'' تھانہ کے قریب ''چھتہی'' میں ملا، میں نے فوراً دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ تبلیغی جماعت کا پورا نصاب (نو مہینہ) مکمل کرنے میں یہی مدرسہ رکاوٹ تھا اب رکاوٹ ختم ہوگئی تو اب مجھے پورے نو مہینے کی توفیق عنایت فرمایئے اور کسی دوسری رکاوٹ میں مبتلا نہ فرمایئے، چنانچہ وہیں سات چلے کی نیت کر کے ساتھیوں کے مشورے سے مبارکپور آیا مدرسہ کا حساب کتاب لے دے کر کتابوں کو جمع کر کے لکھنؤ کے لیے روانہ ہوا جہاں مشرقی اضلاع کا اجتماع تھا، پھر وہاں سے سات چلہ لگایا، پھر مولانا عبید اللہ صاحب بلیاویؒ نے مزید ایک چلہ لگانے کے لیے کہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمالیا، اس طرح پورا ایک سال تبلیغ کا نصاب اس زمانے میں یعنی ۱۳۹۰-۱۳۹۱ھ میں پورا کیا۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

اور اسی سفر میں نظام الدین کے اکابر کے سامنے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ کے اندر ایک استاذ حدیث کی ضرورت پیش کی گئی تو مولانا محمد مستقیم صاحب نے اس عہدہ کے لیے میرا نام پیش کیا، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور مولانا عبید اللہ

بلیاوی ان دونوں نے اس کو منظور کرلیا، تو ۱۳۹۱ھ سے لے کر ۱۳۹۸ھ تک میں نے وہاں بخاری، ترمذی، حجۃ اللہ البالغہ، شرح عقائد نسفی پڑھائی اور کبھی کبھی بدایۃ المجتہد اور صحیح مسلم بھی مجھ سے متعلق کردی جاتی تھی، وہاں کے شاگردوں میں سے مولوی اجمل ایوب اصلاحی، مولوی سلطان احمد اصلاحی کے علاوہ مولوی نعیم الدین اصلاحی اور مولوی طاہر مدنی، مفتی اشفاق احمد بانی و مہتمم مدرسہ فیض العلوم شیروان سرائے میر مشہور و معروف ہوئے، پھر کسی وجہ سے مجھ کو وہاں سے بھی نوٹس مل گیا تو ایک سال صبر حد جامعہ فاروقیہ میں اور کچھ مہینے مرکزی مدرسہ محمدیہ گھوسی میں کام کیا، پھر ۱۴۰۱ھ میں مدرسہ دارالعلوم چھاپی ضلع بناس کانٹھا گجرات میں گیا، وہاں صحیح مسلم اور طحاوی شریف مستقل میرے زیر درس رہا کرتی تھی، ۱۴۰۵ھ کے شعبان میں گھر آیا اس وقت میری اہلیہ دماغ کے عدم توازن میں بہت زیادہ بیمار ہوگئیں جس کی وجہ سے شوال ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم چھاپی نہ جاسکا اور جامعہ مظہر العلوم بنارس کے صدر مدرس صاحب مجھ کو بخاری و ترمذی پڑھانے کے لیے مظہر العلوم میں لے گئے وہاں نو سال رہا، پھر میری عمر ۶۰ سال ہوگئی تو ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۳ء مارچ کے مہینے میں میں ریٹائرڈ کردیا گیا تو مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں مجھ کو مع اہل و عیال کے بلوالیا۔

مولانا محمد رضوان القاسمی

مولانا محمد رضوان القاسمی (ولادت ۱۱/جولائی ۱۹۴۴ء) اصلاً دربھنگہ کے رہنے والے دارالعلوم کے فاضل، اور وہاں پر علوم قرآنیہ کے شعبہ سے تخصص کئے ہوئے ایک جید الاستعداد عالم تھے، مسجد عامرہ حیدرآباد میں خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے اور حیدرآباد کے کسی مدرسہ میں مدرس تھے، ساتھ ہی مسجد عامرہ سے ایک اخبار و قرطاس و قلم نکالتے تھے پھر کچھ دنوں بعد جناب حاجی ضیاء الرحمٰن صاحب حیدرآبادی کے توسط سے سلالہ بارکس میں پہاڑ کے دامن میں ایک لمبی چوڑی زمین خریدی اور اس کا کچھ حصہ بیچ کر (۱۹۷۲ء

میں) دارالعلوم سبیل السلام قائم کیا، اعلی درجہ کا علمی ذوق رکھتے تھے اور نہایت علم دوست تھے، اچھے سے اچھے استاذ کی جستجو میں رہا کرتے تھے، ان کی علم دوستی کی وجہ سے عموماً علمائے کرام آپ کا بہت اکرام کرتے تھے، اور باوجود عمدہ استعداد کے دوسرے علماء کو اپنے سے آگے رکھا کرتے تھے، ساٹھ سال سے کم ہی عمر میں انتقال فرماگئے۔ تاریخ وفات میں نے لمبی تدریسی زندگی کے دوران مدرسہ مظاہر علوم آنے سے پہلے صرف دو ہی مہتممین کو دیکھا جو نہایت علم دوست تھے ایک تو یہی مولانا محمد رضوان القاسمی اور دوسرے میرے زمانے کے دارالعلوم چھاپی کے مہتمم حضرت مولانا حبیب اللہ فیروز پوری گجراتی۔

مولانا حبیب اللہ گجراتی

مولانا حبیب اللہ ۱۳۷۶ھ یا ۷۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے اندر دورہ کے طالب علم تھے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس حدیث دیا، اور ایک دو سال پالن پور مرکز، اور نظام الدین دہلی مرکز میں مدرسی کی پھر آنند میں حدیث وتفسیر پڑھانے لگے تھے، پھر ان کے علاقہ کے لوگ دارالعلوم چھاپی کو سنبھالنے کے واسطے آپ کو چھاپی ضلع بناس کانٹھا لے آئے یہ وہ وقت تھا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب شیر گجرات مہتمم دارالعلوم چھاپی وہاں سے استعفادے کر چلے گئے تھے اور ان کی عدم موجودگی کا احساس کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالحسن دمکاوی اور حضرت مولانا کفایت اللہ شاہجہاں پوری جو دونوں دارالعلوم کے بہت کامیاب استاذ تھے چھاپی چھوڑ کر ماٹلی والا ضلع بھروچ میں چلے گئے تو چھاپی کی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا حبیب اللہ پالن پوری کو اہتمام سنبھالنے کے لیے بلایا۔

جب میں وہاں مع اہل وعیال گیا تو مولانا حبیب اللہ صاحب ہی مہتمم تھے اہتمام کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری آپ مکمل پڑھاتے تھے مجھ سے اصرار کرتے کہ ایک جلد بخاری آپ پڑھائیں مگر میں بخاری کی تقسیم کے لیے کسی طرح راضی نہ ہوا، تو جب تک میں چھاپی

میں رہا مولانا ہی بخاری پڑھاتے رہے، البتہ کبھی ختم کرانے پر اصرار کرتے تو آخری حدیث کا درس میں بھی دیدیتا تھا۔

مولانا کی علم دوستی

ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کہ مطالعہ آپ حجرہ میں کرتے ہیں یا درس گاہ میں، میں نے عرض کیا کہ بچے چھوٹے چھوٹے ہیں اس لیے گھر میں مطالعہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے، میں درس گاہ ہی میں مطالعہ کیا کرتا ہوں تو فرمایا کہ درجہ پنجم عربی کے طلبہ کو آپ کی درسگاہ میں مطالعہ وتکرار کے لیے بھیج دوں تو آپ کو انتشار تو نہیں ہوگا؟ میں نے کہا کہ بالکل نہیں وہ اپنا کام کریں گے اور میں اپنا مطالعہ کروں گا، چنانچہ وہ لڑکے میری درس گا میں تکرار ومطالعہ کرنے لگے، حضرت مولانا نے پچاس روپے ماہانہ کے حساب سے مجھے اس کی اجرت دی میں نے پوچھا کہ یہ کیسا پیسہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آپ نے ایک درجہ کی نگرانی کی ہے میں نے کہا کہ میں نے تو نگرانی نہیں کی ہے میں تو اپنا مطالعہ کرتا رہا، اورلڑکے اپنا پڑھتے رہے، فرمایا کہ اگر یہ لڑکے آپ کی درس گاہ میں نہ ہوتے تو ادھرادھر کھیلتے اس لیے میرے نزدیک ان کی پوری پوری نگرانی ہوگئی ہے۔

دوسری بات:

تعلیمی گھنٹے کے وقت ایک طالب علم مدرسہ سے باہر جارہا تھا مولانا نے اس سے پوچھا کہاں جارہے ہو اس نے اپنے استاذ کا نام بتایا کہ فلاں استاذ نے پان لانے کے لیے بھیجا ہے مولانا نے کہا کہ پیسہ مجھے دو اور تم سبق میں جاؤ اور چپراسی سے پان منگوا کر اس استاذ کے پاس بھیج دیا اس طرح گھنٹے کی پڑھائی میں کمی کرنا مولانا حبیب اللہ صاحب کو نہایت ناگوار گذرتا تھا یہ علم دوستی اور نظامت کی مضبوطی کی دلیل ہے۔

ابھی دارالعلوم سبیل السلام میں دوہی وہاں دوہی سال گذرے تھے کہ حضرت

مولانا نعمت اللہ صاحب کی معرفت حضرت مولانا محمد سلمان صاحب حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب اور حضرت مولانا ارشد مدنی تینوں صاحبان نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور دارِ جدید کے لیے بلایا کہ مجلس شوری نے تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم کرنے کی سفارش کی ہے، آپ آ کر اس شعبہ کو سنبھال لیں۔ پس میں سہارنپور چلا آیا اور اس وقت کے ناظم اعلی مولانا محمد اللہ صاحب نے اخبارات میں یہ اشتہار دیا کہ مدرسہ مظاہر علوم میں حدیث شریف کے تخصص کا شعبہ قائم ہوا ہے، اس میں محدود داخلہ ہوگا، اور اس خدمت کے لیے ایک عظیم محدث مولانا زین العابدین صاحب اعظمی کا تقرر کرلیا گیا ہے، پس دورۂ حدیث سے فارغ طلبہ اس شعبہ کے لیے درخواست دیں۔

شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۹۹۵ء سے اس شعبہ کا اجراء ہوا پہلے سال صرف دو طالب علم مولوی حفظ الرحمٰن کرناٹکی مولوی محمد حسین بردوانی اس شعبہ کے اولین طالب علم تھے آج ۱۴۳۴ھ تک اسی مدرسہ میں خدمت کررہا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

پانچواں باب احسان وسلوک

ربیع الاول ۱۳۷۳ھ میں شیخ العرب والعجم استاذ محترم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر میں بیعت ہو، احضرت نے کچھ تسبیحات بتلائیں، ان پر عمل کرتا رہا، پھر اسم ذات اللہ اللہ کا ورد بتلایا کہ چھ ہزار مرتبہ روزانہ پڑھ لیا کرو؛ میں نے شروع تو کردیا، لیکن مدرسی کا زمانہ ابھی نیا نیا تھا اس لیے مطالعہ وغیرہ کی وجہ سے پورا نہیں کرپاتا تھا، تو میں نے ٹانڈہ میں اپنے چچا کے ہاتھ حضرت مدنی کو ایک پرچہ بھیجا کہ چھ ہزار اسم ذات کا ذکر نہیں ہو پارہا ہے، کچھ کم کردیا جائے تو حضرت نے فرمایا کہ چھ ہزار ذکر تو بہت کم ہے تم بارہ ہزار ذکر کرو، میں نے شروع تو کردیا لیکن نبھاؤ نہیں ہوسکا اور آسام میں مشکل کتابیں میرے ذمے پڑ گئیں تھیں اس لیے مطالعہ میں وقت صرف کرنے کے بعد ذکر کا موقعہ نہیں مل پارہا تھا پھر بھی لسٹم پسٹم کچھ ذکر کرتا رہا اور ناغہ بھی ہوجاتا تھا۔

یہاں تک کہ ۱۳۷۷ھ میں حضرت مدنی کا انتقال ہوگیا، تو سب سے پہلے میں حضرت مولانا عبدالباطن جونپوریؒ کی خدمت میں گیا اور ان سے بیعت کی درخواست کی، حضرت جونپوری نے فرمایا کہ بیعت میں کرلوں گا لیکن تم کو اس سے زیادہ نفع نہیں پہونچے گا، نفع اسی وقت ہوگا جب حضرت شیخ مدنیؒ کے متوسلین سے تم تعلق قائم کروگے۔ میں نے حضرتؒ کے سب سے پرانے خلیفہ قاری اصغر علی صاحبؒ (کرت پور ضلع بجنور) کو بذریعہ خط لکھا کہ آپ بیعت کرلیں۔ قاری صاحب نے جواب دیا کہ آپ مولانا اسعد صاحب سے بیعت ہوجائیں، لیکن مولانا اسعد صاحبؒ کی طرف میرے دل کا رجحان نہیں ہوا تو مولانا اسماعیل سنبھلیؒ کے ساتھ دوتین دن گذارے کہ اگر دل کا میلان ہوگا تو ان سے بیعت ہوجاؤں گا مگر ادھر بھی رجحان نہ ہوا؛ اور میرا رجحان حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کی طرف تھا، میں نے حضرت کے پاس رمضان گذارنے کی درخواست کی اور اپنی

بیعت کا بھی ذکر کیا، حضرت نے لکھا کہ اگر قرض نہ لینا پڑے تو یہاں آ جاؤ اور رمضان گذارلو۔

میں شعبان ۱۳۷۹ھ ۱۶ تاریخ کو سہارنپور حاضر ہوا، حضرت شیخ نے پوچھا: کتنا وقت لے کر آئے ہو؟ میں نے کہا کہ رمضان اور شعبان تو مکمل اور شوال کی ۸ تاریخ کو میرا مدرسہ کھلے گا اس میں آپ جتنے دن فرمائیں گے میں رہوں گا، اسی میں ایک دن مجھ کو دیوبند بھی جانا ہوگا، حضرت نے فرمایا کہ عید کی نماز پڑھ کر یہاں سے جانا، پھر میں نے بیعت کا ذکر کیا، فرمایا کہ حضرت مدنیؒ سے جو بیعت ہو چکے ہو وہی کافی ہے دوبارہ بیعت کی ضرورت نہیں اور اس راستے میں جو کچھ پیش آئے اس کو بتانے کیلئے میں تیار ہوں، اور دیوبند جانے کے لیے میں بتاؤں گا کہ کس دن تم وہاں جاؤ۔ اس کے بعد مستقل میں رمضان کا کچھ حصہ تبلیغی جماعت میں اور کچھ حصہ حضرت شیخ کی خانقاہ میں گذارنے لگا اور جو کچھ ذکر اذکار حضرت بتلاتے پابندی سے اس پر عمل کرتا رہا، لیکن ۱۳۹۹ھ، ۱۴۰۰ھ، ۱۴۰۱ھ میں کچھ ایسے عوارض پیش آئے کہ میں سہارنپور نہیں پہونچ سکا اور ۱۴۰۲ھ میں حضرت شیخ زکریاؒ کا انتقال ہوگیا۔

۱۴۰۶ھ میں میرے حالات سازگار ہوئے، میں نے اس خیال سے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ جو حضرت شیخ کے خلیفہ ہیں اور متوسطات کی کچھ کتابیں میں حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ سے پڑھ چکا تھا اس لیے ان کی خدمت میں مرادآباد گیا۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کے پاس ابھی کچھ ہی دن گذرے تھے کہ ایک دن نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان اور امداد السلوک کی تعلیم کے بعد مجمع سے فرمایا کہ تھوڑی دیر اور بیٹھے رہو۔ پھر آپ نے ٹوپی منگوائی اور میرے سر پر رکھ کر فرمایا میں نے تم کو بیعت کرنے کی اجازت دی، پھر ایک دو رمضان حضرت شیخ عبدالجبار صاحبؒ کے ساتھ گذارا اور شیخ کا انتقال ہوگیا تو ایک سال مزید ایک عشرے کے لیے مرادآباد اعتکاف کے لیے پہنچا، اور کنتھاریہ گجرات میں حضرت کے ساتھ آخری اعتکاف میں میں شریک رہا، اس لیے

کنتھاریہ کے ذمہ دار مولانا علی صاحبؒ نے مجھ کو کنتھاریہ میں اعتکاف کرنے کے لیے بلایا لیکن بعض اعذار کی وجہ سے میں نہیں جاسکا۔

تو ہمارے ہی ضلع اعظم گڈھ کے ایک شیخ طریقت مولانا قمرالزماں صاحب کو خانقاہ قائم رکھنے کیلئے بلایا گیا، جب سے مولانا قمرالزماں صاحب برابر وہاں رمضان المبارک میں وقت گذارنے لگے اور اللہ تعالی نے ان کے فیض کو بہت عام کردیا، اور بہت سے لوگوں نے احسان کا درجہ حاصل کرلیا۔

ربانی مسجد پورہ معروف میں ذکر کا حلقہ

قصبہ پورہ معروف ضلع مئو (سابق ضلع اعظم گڈھ) کے محلے بہت گنجان ہوگئے تو وہاں کے باشندے موضع پارہ کی آبادی کے باہر کھیتوں میں مکانات بنانے لگے، میرے والد صاحب مرحوم نے بھی وہاں زمین خرید کر ہم بھائیوں سے کہا کہ اس میں مکان بنوا کر تم لوگ وہیں چلے جاؤ، چنانچہ ہم چار بھائی؛ راقم الحروف، محمد ایوب نیتا مرحوم، عبد القیوم اور خیرالبشر نے وہاں مکانات تعمیر کرائے، اور وہاں منتقل ہوگئے، اس زمانہ میں مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کا میں مدرس تھا اور مع اہل وعیال وہاں قیام تھا، اس لئے میرا ذاتی مکان دوسرے بھائیوں کی ضرورت میں استعمال ہوتا تھا، ہمارے مکان سے مسجد بہت دور تھی اس لیے پنج گانہ نمازیں میرے گھر میں پڑھی جاتی تھیں، پھر استاذ العلماء حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب کوپا گنجی نے بھی نئی بستی میں مکان بنوایا تو اپنی زمین میں سے کچھ حصہ مسجد کیلئے دیا اور وہاں مسجد بن گئی، اس مسجد کے بننے سے پہلے ایک صاحب خیر نے اپنی زمین کے ایک گڈھے کو ہم لوگوں کے حوالہ کردیا تھا کہ اس کو پاٹ کر آپ لوگ مسجد بنالیں، ابھی مکمل زمین پٹی نہیں تھی کہ انھوں نے زمین واپس لے لی، پھر میرے مکان میں نماز پڑھی جاتی رہی، مولانا عبدالرؤف صاحبؒ نے جب اپنی زمین میں مسجد بنوالی تو اتری حصہ کے تمام باشندے وہاں نماز پڑھنے لگے اور صاحب خیر کی زمین کی طرف سے سب کی نظر پھر گئی۔

اس کے قریب قریب تیس سال کے بعد وہ صاحب خیر پچھتائے اور اپنے لڑکوں سے کہا کہ مسجد کی زمین دیکر واپس لے لینا بہت برا ہے اس کو اب تم لوگ واپس کر دو، پھر ان صاحب کا انتقال ہوا تو ان کے لڑکوں نے میرے بھائی عبد القیوم سے کہا کہ والد صاحب نے ہم لوگوں کو زمین واپس کرنے کا حکم دیا ہے لہذا ہم لوگ اس کو مسجد کیلئے دیتے ہیں؛ عبد القیوم نے جواب دیا کہ آپ لوگ پنچان کے سامنے اس کا اعلان کر دیں، تنہا میرے پاس اس کا ذ کر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، دوسرے دن صبح کو میرے پاس وہ لڑکے آئے اور کہا کہ ہم اس زمین پر تھوڑی سی مٹی گروا دیتے ہیں، آپ لوگ اس کو برابر کر کے عصر کی نماز وہیں پڑھیں، اور ہم لوگ وقف نامہ لکھ کر اور محلّہ کے سربراہ لوگوں کو لیکر آئیں گے اور آپ لوگوں کے حوالہ کر دیں گے، میں نے کہا کہ آپ لوگ وقف نامہ لکھ کر دیدیں، لیکن ابھی نماز نہ پڑھوائیں، کیونکہ نماز پڑھنے کے بعد وہ شرعاً مسجد ہو جائے گی اور تمام مسجدوں کی طرح اس کی حفاظت کرنا، گندگی وغیرہ سے بچانا لازم ہو جائے گا اور صرف دو تین دن کے بعد مجھ کو حیدر آباد جانا ہے (اس وقت میں دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد میں مدرس تھا) اتنے قلیل عرصہ میں اس کی حفاظت کا انتظام نہ ہو پائے گا۔ میرے ایک سرپرست حاجی محمد یاسین بھائی نے کہا کہ تم کو نماز پڑھوانی ہوگی تا کہ مسجد ہو جانے بعد کوئی شخص دوبارہ واپس نہ لے سکے۔ تو یہ بات مجھے سمجھ میں آ گئی اور میں نے محلّہ بھر میں اعلان کرا دیا کہ لوگ عصر کی نماز اسی زمین پر پڑھیں، چنانچہ عصر کی نماز وہیں پڑھی گئی اور ان بھائیوں نے وقف نامہ لکھ کر دے دیا، اور زبان سے بھی کہہ دیا کہ ہم اس زمین کو مسجد کیلئے دیتے ہیں، اور مولانا زین العابدین صاحب کو اس کا متولی بناتے ہیں، جیسے سہولت ہو وہ مسجد بنوالیں۔

میں نے مجمع میں ترغیب دی کہ اب یہ زمین مسجد ہوگئی، اب اس کی حفاظت ہم لوگوں کے ذمہ ہے، لہذا کچھ لوگ اینٹوں کی ذمہ داری لیں اور کچھ لوگ مٹی پاٹنے کی اور کوئی صاحب خیر ہینڈ پائپ لگوا دیں؛ الحمد للہ اس ترغیب کا فوری اثر ہوا پھر دوسرے دن آس پاس کے گاؤں میں جا کر میں نے چندہ کی ترغیب دی تو چہار دیواری تیار ہوگئی اور کھلے آسمان کے

نیچے پنج وقتہ نماز ہونے لگی، پھر میں حیدر آباد چلا گیا، یہ شوال ۱۴۱۳ھ کا واقعہ ہے، وہاں سے ٹین کی شیڈوں کا انتظام کر کے ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ میں آیا تو چھپر نما مسجد بن گئی اور رمضان ۱۴۱۴ھ سے مسجد میں اعتکاف کا سلسلہ شروع ہوا، اور تین پارہ کی تراویح کا انتظام ہو گیا اور میں نے کہا کہ جو لوگ روزانہ تین پارہ نہ سہار سکیں وہ پرانی مسجد میں سوا پارے والی تراویح پڑھ لیں۔

اس مسجد میں اعتکاف تو صرف آخری عشرہ کا ہوتا ہے مگر خانقاہی نظام پورے ماہ مبارک چلتا رہتا ہے، پہلے سال تیرہ آدمیوں نے اعتکاف کیا اور اتنے ہی آدمیوں کے سونے کی گنجائش تھی، اس کے بعد سے کبھی کم کبھی زیادہ بیس پچیس آدمی برابر اعتکاف کرتے ہیں اور ذکر کا حلقہ لگتا رہتا ہے، اور اس کی ترتیب یہ ہے کہ فجر کے بعد ڈھائی تین گھنٹہ معتکفین کو آرام کے لیے دیا جاتا ہے، پھر ساڑھے آٹھ نو بجے سے انفرادی اعمال، نوافل، تلاوت قرآن کریم وغیرہ، پھر گیارہ بجے سے ایک گھنٹہ مسائل کی تعلیم، پھر آدھا گھنٹہ ملاقات کے لیے، پھر ظہر کی نماز کے بعد پہلے ختم خواجگان، پھر دعا، جس میں محلے کے اکثر لوگ اور دوسرے محلے کے بھی کچھ لوگ شریک ہو جاتے ہیں، اس کے بعد احسان وسلوک کی کتاب امداد السلوک، اکمال الشیم وغیرہ پڑھی جاتی ہے، اور اذان عصر سے پون گھنٹہ پہلے چھٹی دیدی جاتی ہے جس میں غیر معتکفین بازار وغیرہ کر لیتے ہیں، پھر عصر کی نماز کے بعد ذکر جہری، پھر دعا، نماز مغرب سے دس منٹ پہلے تک ہوتی ہے، اس دعا میں ہر محلے کے لوگ کثرت سے شریک ہوتے ہیں، اور کوشش یہ کی جاتی ہے کہ جتنے لوگ دعا میں شریک تھے سب لوگ افطار میں بھی شریک رہیں، پھر مغرب کی نماز پڑھ کر کھانا، پھر عشاء کے بعد تراویح تین پارہ، تین حافظ ایک ایک پارہ، اور ایک عشرہ میں ایک ختم، اس طرح تین عشرے میں تین ختم ہوتا ہے اور ہر حافظ کا ایک ختم ہوتا ہے، اس سلسلے میں مئو سے شہاب الدین بھائی اور گھوسی سے حاجی محمد نعیم بھائی مرحوم کا بیش بہا تعاون رہتا ہے، اور تینوں وقت کھانے پکانے میں میری اہلیہ کے زیر انتظام میری تمام بچیاں پوری تندہی سے لگی رہتی ہیں، اللہ ان سب کو خوش رکھے۔ (آمین)

ادھر دو سال سے کوپا گنج کے عزیزی مولوی اسعد سلمہ کا بھی تعاون حاصل رہتا ہے۔

اور رمضان شریف میں ہی میں صرف بیعت کرتا ہوں، اس لیے کہ اس وقت میں ذکر کے لیے فارغ رہتا ہوں، عام طور سے بیعت اس وقت مسائل سلوک کی تعلیم کے بعد کرتا ہوں، سلوک مکمل کرنے کے بعد تین شخصوں کو میں نے بیعت کرنے کی اجازت دی ہے (۱) جناب حافظ عبداللطیف صاحب (پورہ معروف) متوفی محرم ۱۴۳۳ھ (۲) جناب ممتاز احمد صاحب پہلوان کوئریاپار (۳) جناب مولوی قاری عبدالستار صاحب مدرسہ امدادالعلوم وڈالی ضلع بناس کانٹھا، گجرات۔

(۶) باب نامور تلامذہ

الحمدللہ دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانے سے دوسرے طلبہ کو پڑھانے کی توفیق بھی مرحمت ہوئی، اور ساٹھ اکسٹھ سال میں کتنے طلبہ نے میرے پاس پڑھا ان کا شمار تو میں نہیں بتا سکتا لیکن اس میں بہت سے علمائے کرام کسی نہ کسی حیثیت سے نمایاں ہیں ان میں سے چند نام نیچے لکھوں گا۔

اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ کن کن اکابر کی محنت کی وجہ سے یہ لوگ نمایاں ہوئے ہیں، میں یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ وہ میری محنت کا ثمرہ ہیں، ہاں ان کے بنانے میں کچھ نہ کچھ میری محنت کا دخل ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور سب کو اخلاص کی دولت سے نوازے۔

۱:- مولانا شفیع احمد صاحب مئوی استاذ جامعہ مفتاح العلوم مئو مرحوم؛ آپ نے مجھ سے اصول الشاشی پڑھی، اخیر عمر تک جہاں کہیں اشکالات ہوتے مجھ سے رجوع فرماتے رہے۔

۲:- مولوی محمد صادق خان پوری ضلع میرٹھ انھوں نے اکلہ خان پور میں مجھ سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، دارالعلوم رحمانیہ حیدرآباد میں حدیث وفقہ کی تعلیم میں مشغول رہتے ہیں، اور کبھی کبھی سہارنپور آ کر علمی استفادہ کرتے رہتے ہیں۔

۳:- مولوی جمال الدین آسامی؛ عربک کالج رنگیا آسام کے نائب پرنسپل بھی رہے، انھوں نے سینئر مدرسہ گوما پھول باڑی میں مجھ سے کئی سال پڑھا۔

۴:- مولوی ربیع الحسین آسامی انھوں نے بھی گوما پھول باڑی میں مجھ سے پڑھا۔

۵:- مولوی ابوبکر غازی پوری؛ انھوں نے احیاء العلوم مبارک پور میں میرے پاس پڑھا، پھر مفتاح العلوم مئو میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے، یہ نہایت کامیاب مدرس تھے،

لیکن غیر مقلدین کی ریشہ دانیوں سے تنگ آکر دفاع عن الفقہ والسنۃ کی خاطر تصنیفی میدان میں اتر پڑے اور غیر مقلدین کی ٹولی میں ہل چل مچادی۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۶:- مولوی نیاز احمد صاحب عمری سریانوی مرحوم؛ سابق صدر مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور انھوں نے بھی احیاء العلوم میں میرے پاس کئی سال پڑھا۔

۷:- مولوی اعجاز احمد صاحب بھیروی، صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور، مفید کتابوں کے مصنف، ناحق کو دلائل سے ختم کرنے والے، فقہ، حدیث، تفسیر، معقولات، سب میں قابل قدر؛ اس وقت گردہ فیل ہونے کی وجہ سے خون کی صفائی (ڈیالیسس) بمبئ میں مقیم ہیں، ان کے علاوہ احیاء العلوم کے کچھ نمایاں طلبہ کا محض نام لکھتا ہوں۔

۸:- مولانا محمد مصطفیٰ چمپارنی مرحوم؛ استاذ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد یہ آخر زمانے تک سنن نسائی شریف کے اشکالات حل کرنے کے لیے خطوط بھی لکھتے رہے اور سفر بھی کرتے رہے، اصول حدیث میں ان کا ایک رسالہ اردو میں یادگار ہے۔

۹:- مولانا رفیق احمد، ساکن پورہ معروف، حال شیخ الحدیث دارالعلوم چھاپی گجرات۔

۱۰:- مولانا اصغر صاحب جہانا گنجی مرحوم، استاذ مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج۔

۱۱:- مولانا اظہار الحق صاحب جہانا گنجی، استاذ مدرسہ انوار العلوم جہانا گنج، انھوں نے میری درسی تقریر قطبی کو محفوظ کرلیا تھا، اور چھپوانا چاہتے تھے۔

۱۲:- ڈاکٹر امیر الدین ولید پوری۔

۱۳:- مولوی شمس الحق بھیروی مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری جوگیشوری، بمبئ۔

۱۴:- مولوی ابوالعاص مرحوم انجان شہید، بغرض ملازمت متحدہ عرب امارات میں مقیم تھے۔

۱۵:- مولوی عبدالستار ثانی معروفی استاذ مدرسہ حسینیہ جونپور۔

۱۶:-مفتی محمد امین مبارکپوری، استاذ فقہ وحدیث مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور۔

۱۷:-مولانا محمد عثمان معروفی میرے حقیقی بھائی، جو آنند میں شیخ الحدیث تھے اس وقت بانس کنڈی آسام میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز ہیں۔

۱۸:-مولانا عبدالودود صاحب معروفی مرحوم، شیخ الحدیث عربک کالج رنگینا آسام، کٹر یاپاری استاد مدرسہ امدادیہ بمبئی۔

۱۹:- مولوی بدرالدین، کاتب عبدالرحمٰن ساجد،انھوں نے مدرسہ معروفیہ میں ابتدائی کتابیں اورآسام پڑھانے کے زمانے میں بیضاوی شریف میرے پاس پڑھی۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں میرے پاس پڑھے چند علماء جو کسی حیثیت سے نمایاں ہیں

۱:مولوی اجمل ایوب اصلاحی سابق استاذ مدینہ یونیورسٹی؛انھوں نے ابن قیمؒ کی کتاب الروح پر کام کر کے میرے پاس سہارنپور بھیجا۔

۲:مولوی سلطان احمد اصلاحی، یہ علی گڑھ میں جماعت اسلامی کے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں، اور حدیث پاک کی تحقیق میں کبھی کبھی مراسلت بھی ہو جاتی ہے۔

۳:مولوی ابوالفیض اصلاحی استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر۔

۴:مفتی اشفاق احمد صاحب، مہتمم مدرسہ فیض العلوم شیرواں قصبہ سرائے میر۔

۵:مولوی نعیم الدین اصلاحی، آپ تحصیل چندولی کے رہنے والے ہیں، جامعہ الفلاح بلریا گنج، صدر علماء کونسل۔

۶:مولانا محمد طاہر مدنی استاذ وناظم جامعۃ الفلاح بلریا گنج میں کامیاب استاذ ہیں۔

پھر دارالعلوم چھاپی گجرات میں پڑھے چند نمایاں علماء

مولوی یعقوب حبیب اللہ مونا؛ یہ پڑھنے کے بعد سے آج تک مستقل تعاون دیتے رہتے ہیں، اللہ تعالی ان کو کامیاب اور خوش وخرم رکھے، سردست دارالعلوم چھاپی کے نائب مہتمم ہیں۔

مولوی حافظ محمد اکبر نیدرہ ضلع مہسانہ گجرات، یہ رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے امریکہ جایا کرتے تھے، اب وہاں مستقل قیام کرلیا ہے اور وہاں کے مخیرّ لوگوں میں شمار ہے۔

جناب مولانا قاری عبدالستار صاحب اسلام پوری، استاذ حدیث وقراءت مدرسہ امدادالعلوم وڈالی گجرات، نہایت سادہ، جیدالاستعداد کم گو عالم ہیں، علم قراءت میں فنی معلومات اعلیٰ درجہ کی ہے، میں جس سال دارالعلوم چھاپی میں استاذ مقرر ہوا اسی سال جناب قاری عبدالستار صاحب بھی ابتدائی درجہ کے استاذ مقرر کئے گئے تھے، درمیان سال میں سورت کے ایک قاری صاحب، جن کا نام غالبًا قاری قاسم تھا دارالعلوم چھاپی چھوڑ کر ساؤتھ افریقہ چلے گئے، تو مہتمم حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوری نے مجھ سے کہا کہ اپنے علاقہ سے کسی اچھے قاری کو بلا لیجئے، اس وقت میرے سامنے علاقہ میں چار قاری عمدہ تھے، میں نے چاروں کو خط لکھا مگر سب نے معذرت کردی۔

۱: مولانا قاری انوار احمد صاحب مبارکپوری اس وقت جامعہ اسلامیہ بنارس میں استاذ تھے۔

۲: جناب قاری ابوالحسن صاحب جگدیش پوری اعظم گڈھی؛ جو بعد میں دارالعلوم دیوبند آ گئے۔

۳: جناب مولوی قاری عزیز اللہ صاحب مئوی، بعد میں فیض عام مئو میں قراءت کی خدمت کی۔

۴: جناب حافظ قاری محمد اشراق صاحب، جنھوں نے بعد میں مہراج گنج میں مدرسہ قائم کرلیا، جب ان چاروں نے انکار کردیا تو میں نے قاری عبدالستار صاحب سے کہا کہ آپ ہی مجھ سے قراءت سبعہ پڑھ لیجئے اور پڑھ کر علاقہ میں اس کو پھیلایئے اور پڑھایئے، چنانچہ وہ تیار ہوگئے اور بعد عصر سبعہ شروع کردیا اور ڈھائی سال میں قراءت سبعہ کا اجراء کرڈالا، اس طرح انھوں نے شاگردی اختیار کی اور آج تک مکمل نباہتے ہیں، جب سبعہ مکمل ہوگیا تو انھوں نے قراءت عشرہ کی تکمیل کی خواہش کی، تو میں نے گورینی مولانا عبدالحلیم صاحب کو لکھا کہ ایک جیدالاستعداد طالب علم مدرسی کے ساتھ ساتھ قراءت سبعہ مکمل کرچکے ہیں اور قراءت عشرہ پڑھنا چاہتے ہیں کوئی تدبیر ہو تو مطلع فرمائیں، مولانا نے سبعہ عشرہ کے استاذ قاری محمد اسماعیل صاحب کو وہ خط دے دیا، انھوں نے جواب لکھا کہ شعبان کے اخیر میں میرے پاس آجائیں اور میں جہاں قرآن سناتا ہوں وہاں رمضان میں میرے ساتھ رہیں اور شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ میں ساتھ رہیں تو میں عشرہ صغیر مکمل کرادوں گا، چنانچہ قاری صاحب اسلام پورہ سے نکل پڑے اور لکھنؤ پہونچے تو رات ہوگئی، اور رات کی تاریکی میں انکا سارا سامان چوری ہوگیا، اسی بے سروسامانی کے عالم میں اللہ اعلم کس طرح گورینی پہونچے اور حضرت قاری صاحب کے مقرر کردہ ایام میں عشرہ صغیر مکمل کیا، پھر جب چھاپی پہونچے تو حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نے ان کی تنخواہ دوسو روپے بڑھادی۔

۳: مولانا رشید احمد ابن مفتی کفایت اللہ صاحب خانقاہ خلیلیہ ماہی؛ جس وقت میں دارالعلوم چھاپی گیا، اس وقت آپ عربی سوم کے طالب علم تھے، اور حسن اتفاق کہ ہر سال ان کی کوئی نہ کوئی کتاب میرے پاس پڑ گئی، پہلے سال سفینۃ البلغاء تھی۔

جب مشکوٰۃ شریف مکمل کرچکے تو مولانا کفایت اللہ صاحب میرے پاس آئے اور مجھ سے تاکید کے ساتھ پوچھا کہ اگلے سال تم کو آنا ہے یا نہیں؟

میں نے کہا کہ نہ آنے کا کوئی معاملہ تو میں نہیں جانتا بظاہر تو میں یہاں پر مستقل ہوں، اس پر فرمایا کہ اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ اگر تمہیں نہ آنا ہو تو رشید احمد کو دیوبند یا سہارنپور دورے کے لیے بھیج دونگا، اور اگر آنا ہوگا تو چھاپی ہی رکھوں گا، میں نے اطمینان دلایا تو مولانا رشید احمد کو میری موجودگی میں دورہ پڑھوایا، جس میں سے مسلم اور طحاوی تو میں نے پڑھائی، اور بخاری مولانا حبیب اللہ صاحب فیروز پوری نے، اور ترمذی وابوداؤد مولانا علی احمد صاحب بلیاوی نے پڑھائی، اور غالبًا ابن ماجہ بھی میرے ہی پاس پڑھی، پھر دارالعلوم چھاپی کے استاذ ہو گئے، اور اہم کتابوں کی تدریس ان سے متعلق رہی، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ میری ہی طرح جس عبارت میں یا مسئلہ میں شک ہو جاتا تو اس کو نشان زد کر دیتے، اور موقع ملنے پر بڑے علماء سے اشکال رفع کر لیتے، چنانچہ ایک دفعہ رمضان المبارک کا اکثر حصہ اسی کام میں میرے پاس گزارا (یہ ۱۴۱۱ھ کی بات ہے) اور سفینۃ البلغاء، شرح شذور الذہب، ہدیہ سعیدیہ میں بہت سے نشانات لگا کر آئے تھے، اور نہایت لگن کے ساتھ رمضان المبارک میں حل کیا۔

ایک تجرباتی واقعہ

اس سال ہم لوگوں کی تراویح ۳/ پارہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مکان کی چھت پر ہو رہی تھی، پچیسواں پارہ لخت جگر مولوی عبدالباسط کے ذمہ تھا، دن بھر محنت کرنے کے باوجود پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو مجھ سے کہا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے آج پچیسواں پارہ پڑھوا دیجئے، میں نے مولانا رشید احمد صاحب سے ذکر کیا، انھوں نے جواب دیا کہ حضرت مولوی عبدالباسط پڑھیں گے، اگر میں پڑھ دونگا تو زندگی بھر جب پچیسواں پارہ ان کو پڑھنا ہوگا ہمت نہیں پڑے گی، وہ حافظ تھے، اس لیے اس مصلحت کو سمجھ گئے، اور میں حافظ نہیں تھا، اس لیے یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی تھی۔

پھر اس کے بعد پٹن میں بھی کچھ دنوں تعلیم دی، پھر اپنے والد صاحب کی قائم کردہ

خانقاہ خلیلیہ میں مستقل اعتکاف کرنے لگے، اورآج خانقاہ کو پوری طرح سے سنبھال رکھا ہے۔

ان کے علاوہ۔

(۴) مولانا یعقوب حبیب اللہ مونا نے (جو ماسٹر یعقوب کہے جاتے ہیں) ان کا تذکرہ مولانا رشید احمد سے پہلے ہونا چاہئے تھا لیکن ان کی علمی خوبیاں پوشیدہ ہیں اور انتظامی صلاحیت نمایاں ہے اس لیے ان کا ذکر ان کے بعد کرتا ہوں۔

میں جس وقت چھاپی گیا ہوں اس وقت یہ وہاں عربی پنجم کے طالب علم تھے، بہت محنتی اور بہت لگن والے، غیر حاضری بالکل نہیں کرتے تھے اور گھر کا تعلیمی کام ہمیشہ پورا کر کے لایا کرتے تھے، مشکوٰۃ شریف ہی پڑھنے کے زمانے میں اسماء الرجال کی مختصر مختصر باتیں لکھ لیا کرتے تھے مثلاً مکثرین صحابہ میں سے کس کی کتنی روایتیں امت میں پھیلیں؟

ازحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۳۷۴ حدیثیں (۱)

ازحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ۲۶۳۰ حدیثیں (۲)

ازحضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ۱۵۴۰ حدیثیں (۶)

ازحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۲۲۱۰ حدیثیں (۴)

ازحضرت انس رضی اللہ عنہ ۲۲۸۶ حدیثیں (۳)

ازحضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ ۱۱۷۰ حدیثیں (۷)

ازحضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ۱۶۶۰ حدیثیں (۵)

یہ میں نے سبق میں لکھوایا تو مولوی یعقوب نے اسی وقت کاپی میں نوٹ کرلیا۔

پھر دورۂ حدیث میں مکنین کے اسماء گرامی اور مسمین کی کنیتیں اور مشتبہ الاسماء والکنی کی تعیین وغیرہ بھی خوب لکھ لیتے تھے، مگر ان کو زیادہ مہارت انگریزی ادب سے تھی چنانچہ دورہ حدیث چھاپی سے پڑھ لینے کے بعد حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب فیروز

پوری نے ان کو مدرسہ میں انگریزی استاد کی حیثیت سے مدرس رکھ لیا، اور مولانا کے پٹن جانے کے بعد بھی مولوی یعقوب چھاپی میں انگریزی پڑھاتے رہے، پھر دفتر کا کام مولانا کے زمانے میں بھی اور بعد کے زمانوں میں بھی کرتے رہے، اور میں ان کو اس وقت نائب ناظم ہی سمجھتا ہوں، اور اہل گجرات کو ان کی امانت دیانت میں کوئی شک نہیں، اور مجھ کو ان کے حسن انتظام اور لیاقت نظام میں کوئی تردد نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سینوں کے حالات کو جاننے والا ہمارے حسن ظن کو قبول فرما کر اس کی تصدیق فرمادے۔

اس وقت میں نے اپنی یادداشت سے یہ تعداد لکھوادی ہے اگر غلطی ہو تو تلقیح فہوم اہل الأثر سے اس کو صحیح کرلیا جائے خطبات مدراس کی عبارت غلط ہے۔

دارالعلوم چھاپی کے بعد مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں ۹ سال تعلیم دی، یہاں کے نمایاں فرزندوں میں مولوی محمد احمد ولد قاری نورالحق صاحب محلّہ ہینس تلے ہیں، انھوں نے امدادالباری کی کتابت میں بھی نمایاں حصہ لیا، ان کے علاوہ مولوی واعظ الرحمٰن بنارسی، مولوی محمودالحسن بنارسی بھی ہیں، جو ایک درجہ اوپر نیچے تھے، ثانی الذکر نے متن نخبۃ الفکر کو زبانی یاد کرکے سنایا، اور بعد کے لوگوں میں مولوی عبدالباطن ولد مفتی عبدالسلام نامور ہوئے، خصوصاً عوام وخواص نے ان کو مفتی بنارس مقرر کیا، اور بھی احباب ہیں، اور بنارس کے باہر والوں میں مولوی انصار احمد گھوسی، میرے بڑے فرزند مولوی ابوعبیدہ ناظم ومہتمم جامعہ ام حبیبہ پورہ معروف، مولوی محمد عمر، مولوی عبیدالرحمٰن صاحبان وغیرہ ہیں، یہ سب پورہ معروف کے ہیں یہ مدرسہ سرکار سے ایڈ لیتا تھا اس وجہ سے نو سال کے بعد میری عمر ساٹھ سال ہوجانے پر ریٹائرڈ کردیا گیا، اور فوراً ہی مولانا رضوان القاسمی نے دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں میرے ایک عزیز مولانا نورالعین کی معرفت حیدرآباد میں بلوالیا، اس لیے بقیہ نامور تلامذہ یہاں یاد نہ آئے، البتہ وہاں حیدرآباد میں میرے پرانے شاگرد مولانا مصطفیٰ مفتاحی اور وہاں کے صدر مدرس مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے مجھ سے علم حدیث میں بہت نفع اٹھایا؛ وہاں کے شاگردوں میں میرے علاقہ فتح پور کے دو طالب علم بھی تھے، انھوں نے

نفع تو اٹھایا مگر علاقہ میں آنے کے بعد اپنی عزمی برتری اور خان برادری میں سے ہونے کی وجہ سے کوئی تعلق نہیں رکھا حتی کہ کبھی پورہ معروف بازار کرنے آئے تو بھی ملاقات کے روادار نہ ہوئے، اس لیے ان کے اسماء گرامی کو لکھوانا مناسب نہیں، البتہ ایک طالب علم نودر ضلع بنارس کے مولوی ہارون ولد مولوی عطاء اللہ تھے انھوں نے اور ان کے والد نے تعلقات کو نبھایا۔

شعبہ تخصص فی الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

شوال ۱۴۱۵ھ میں یہ متبرک شعبہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب کی سعی بلیغ اور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کی دلی دعاؤں کے نتیجہ میں میرے ذریعہ سے صرف دو طالب علموں سے شروع ہوا، ایک مولوی حفظ الرحمٰن ولد حاجی عبدالرحمٰن گلبرگہ، دوسرے مولوی محمد حسین بردوانی، جن میں سے اول الذکر نے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی تربیت میں رہ کر ہردوئی میں تعلیم حاصل کی تھی، پھر دورہ حدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے امتیازی نمبرات سے پاس کیا تھا، اور ثانی الذکر نے مشرقی پاکستان کے کسی مدرسہ میں تعلیم مکمل کی تھی پھر تخصص فی الحدیث کے لیے مغربی پاکستان جانا چاہتے تھے مگر چونکہ اس زمانہ میں مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا تھا اس لیے وہاں جانے میں قانونی روکاوٹیں تھیں، اور انھیں ایام میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے ناظم اعلی مولانا محمد اللہ صاحب علیہ الرحمہ نے شعبہ تخصص فی الحدیث کے قائم ہوجانے کا اشتہار اخبارات میں شائع کردیا تھا، مولوی محمد حسین اسی بنیاد پر مظاہر علوم آگئے اور یہاں شعبہ تخصص فی الحدیث میں داخلہ کی درخواست دی، اور اس شعبہ میں داخل ہوگئے، ان دو کے علاوہ سری لنکا کے متعدد طلبہ جو دورۂ حدیث سے فارغ ہوکر افتاء میں داخلہ لینا چاہتے تھے ان کے متعلق حضرت مولانا محمد شاہد صاحب دام ظلہم نے چاہا کہ وہ بھی تخصص فی الحدیث میں داخلہ لے لیں، ان میں سے کچھ لڑکے میرے فرزند مولوی عبدالباسط سلمہ کے ساتھ میرے کمرے میں پہونچے اور میں نے انکا سرسری جائزہ بھی لے لیا کہ وہ بھی شعبۂ تخصص میں چل سکتے تھے مگر ان کے پاس دو سال کا وقت نہ تھا، اس لیے شعبہ تخصص میں داخل نہ ہوسکے اور افتاء پورا کرکے وطن چلے گئے، ان

میں سے ایک نام مفتی اقبال صاحب اس وقت یاد ہے جو جاپان میں افتاء کے فرائض انجام دے رہے ہیں، الغرض ان دو طالب علموں (حفظ الرحمٰن اور محمد حسین) نے اس شعبہ میں پوری محنت کر کے فنون متعلقہ کو حاصل کیا؛ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اپنے دین کا کام لے۔ پھر ۱۴۱۵ھ سے ۱۴۳۴ھ تک اٹھارہ انیس سالوں میں کتنے طلبہ تیار ہوئے وہ مدرسہ کے ریکارڈ میں موجود ہیں انھیں دیکھا جا سکتا ہے۔

چند مخصوص لوگوں کے نام نیچے کیف ما اتفق درج کر دیتا ہوں:

(۱) حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی، علوم حدیث میں پہلے سے معلومات رکھتے تھے، یہ شعبہ جب قائم ہوا تو اس وقت جامعہ اسلامیہ بنارس میں استاذ حدیث تھے، ایک سال تو شعبہ کو میں نے چلایا اور جب سال پورا ہو گیا اور دو سالہ نصاب پورا نہیں ہوا تو میں نے مشورہ میں کہا کہ اس سال نیا داخلہ اس شعبہ میں نہ لیا جائے بلکہ انھیں پرانوں کا نصاب پورا کر لیا جائے، تا کہ اس شعبہ میں ایک ہی جماعت رہے جس کو ایک استاد نباہ لے جائے، کیونکہ دوسرا استاد لانا اس وقت سخت دشوار ہے اور ایک استاد دو جماعتوں کو پڑھا نہیں سکے گا۔

مگر حضرت مولانا محمد سلمان صاحب اس وقت کے ناظم اعلی اور حضرت مولانا محمد شاہد صاحب سرکاری ناظم امین عام کی رائے اس کے خلاف تھی وہ کہتے تھے کہ جب ایک سال طلبہ کو نہیں لیا جائے گا تو وہ کہیں مشغول ہو جائیں گے پھر تیسرے سال ہم کو جید الاستعداد طلبہ نہ مل سکیں گے، اس پر حضرت ناظم صاحب نے مولوی عبداللہ معروفی کا نام لیا کہ آپ انھیں کو بلا لیں تا کہ شعبہ میں استاد بھی دو ہو جائیں اور دونوں جماعتوں کو سنبھال لیں، میں نے عرض کیا کہ وہ سرکاری مدرسہ میں ہیں، ان کی تنخواہ کم سے کم آٹھ ہزار ہوگی اور یہاں کتنی تنخواہ پر ابتداءً رکھے جا سکتے ہیں؟ تو فرمایا کہ ابتداء ستائیس سو سے ہوگی مگر ان کو اضافی کام دیکر تین ہزار تک ہم دے سکیں گے، میں نے کہا کہ میرے کہنے سے مولوی عبداللہ معروفی مظاہر علوم میں آ سکتے ہیں، مگر مشاہرہ کے اندر سخت تفاوت کی وجہ سے میری ہمت نہیں

پڑتی، اس طرح اس مجلس میں صرف مولوی عبداللہ کا نام آیا مگر ان سے رابطہ نہیں کیا جاسکا، پھر اس مجلس کی باتیں اللہ اعلم کس طرح بنارس مولوی عبداللہ تک پہونچ گئیں کہ انھوں نے مجھے ایک ایسا خط لکھا کہ میں اپنی رائے پر شرمندہ ہو گیا اور اب بھی جب یاد آتا ہے تو مجھ کو ندامت محسوس ہوتی ہے، خط کا مضمون یہ تھا:

> بڑے ابا جان کو معلوم ہو کہ ہم نے علم دین پیسہ حاصل کرنے کے لیے نہیں سیکھا ہے بلکہ صرف دین کی خدمت کے لیے یہ علم حاصل کیا ہے اس لیے مولانا سلمان صاحب کی رائے کو تسلیم کر لینا چاہئے تھا، روپیہ پیسہ کا مالک اللہ ہے جس کو چاہے دیدے اور جس سے چاہے لے لے۔

چنانچہ اس خط کے بعد ان کو مظاہر علوم میں ابتدائی استاذ کی حیثیت سے بلا کر ان سے تخصص فی الحدیث کی خدمت لی گئی، اور فن کی عظمت رفتہ کا ان کو میں برابر احساس دلاتا رہتا اور ضروری مشورے اور مفید کتابوں کے مطالعہ کی رہنمائی کرتا رہا، اور وہ سعادت مندی سے میرے احکام بجالاتے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مراتب عالیہ تک پہونچا دیا، اور میرے ساتھ پانچ سال رہ کر اسی شعبہ میں کام کرنے کے لیے وہ دارالعلوم دیوبند پہونچ گئے اللہ تعالیٰ ان کو دینی اور دنیوی ترقیات سے نوازے اور اکابر کے علوم دینی کو عوام میں اشاعت کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔ اس طرح اس شعبہ سے میرے پاس نفع اٹھانے والے مولوی عبداللہ معروفی ہیں۔

۲: مولوی محمد امان اللہ، سرلنکاوی نہایت جید الاستعداد، متواضع غم گسار، اس وقت شری لنکا کے ایک مستند عالم دین ہیں دارالعلوم دیوبند سے دورہ پڑھ کر میرے پاس تخصص فی الحدیث مکمل کیا۔

۳: ان سے پہلے ایک اور طالب علم مولوی اکرام گجراتی مقیم لندن ہیں، جو صرف فنون پڑھنے کے لیے دارالعلوم کنتھاریہ گجرات سے یہاں آئے تھے اور ان کے ایک ساتھی محمد اسحاق بھی تھے، ان دونوں نے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے یہاں مجلس ذکر ختم ہونے کے بعد اس شعبہ کے متعلق تعارف چاہا تو میں نے ان کو تفصیل سے بتایا کہ دورۂ حدیث

میں جو فقہی ابحاث ہو چکی ہوتی ہیں وہ اس شعبہ میں نہیں ہوتیں بلکہ جن علوم کی طرف دورۂ حدیث میں رہنمائی نہیں ہوتی انھیں کی طرف اس شعبہ میں خصوصی محنت مبذول کرائی جاتی ہے: مثلاً اصول حدیث، اصول جرح وتعدیل، اور کسی حدیث کو نکالنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے، وہ دونوں بہت متأثر ہوئے اور کہا کہ ہمارے پاس دو سال کا موقع نہیں ہے اور ہم ایک سال کے لیے درجہ فنون میں داخل ہونے کے لیے آئے ہیں لیکن چاہتے ہیں کہ اس فن کی بھی کچھ معلومات حاصل ہو جائیں، میں نے کہا کہ ابھی داخلہ کی کارروائی لمبی چلے گی اتنے میں آپ لوگ اصول حدیث کی ایک کتاب قفو الاثر پڑھ لیں؛ چنانچہ انھوں نے قفوالاثر پڑھ لیا، مولوی اسحاق صرف ذی الحجہ تک مدرسہ مظاہر علوم میں مقیم رہے اور بیماری کی وجہ سے یہاں سے چلے گئے، لیکن مولوی اکرام صاحب اخیر سال تک رہے، جب ان کے درجہ کے اسباق چالو ہو گئے تو ان کو مغرب سے عشاء تک کا وقت اس کام میں لگانے کے لیے کہا، اور اس پر انھوں نے پابندی کی اور تخریج الحدیث میں خوب محنت کر کے حدیثوں کو نکالنے لگے، اور اسی کے ساتھ ساتھ ترمذی نے رجال حدیث پر جو تعارف جامع ترمذی میں کیا ہے اس کا اشارہ میں نے کاپی میں لکھا تھا وہ کاپی بھی انھیں کو دیدی کہ اصل کتاب سے ترمذی کا کلام نقل کریں، چنانچہ پورے سال مغرب سے عشاء تک مولوی اکرام صاحب نے کامیابی سے یہ اعمال کئے اور سال پورا ہونے کے بعد لندن چلے گئے؛ اللہ تعالیٰ ان کو لندن میں عافیت سے رکھے اور ظاہری وباطنی فتنوں سے حفاظت فرما کر اخلاص کے ساتھ دین اور علم دین پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۶: مولوی محمد حمزہ گجرات؛ جو یہاں سے فارغ ہو کر سنجیلی دوحد گئے، اور مودی کی نسل کشی کے بعد مسلمانوں کی آبادکاری میں پوری ہمت سے جڑے رہے، اب اس وقت کھروڈ کے جامعہ میں استاذ فقہ وحدیث ہیں اور اپنے طلبہ سے تخریج الحدیث کا کام کرا رہے ہیں۔

۷: مولانا یوسف گجراتی، آپ نے تخصص فی الحدیث ڈھائی سال میں مکمل کیا اور مولانا عبداللہ معروفی کے دیوبند جانے کے بعد مظاہر علوم کے شعبہ تخصص میں استاذ مقرر کئے

گئے اور ۱۴۳۳-۱۴۳۴ھ میں مشکوٰۃ المصابیح کا درس بھی آپ سے متعلق کر دیا گیا ہے۔

۸: مولوی معاویہ ولد عبدالعزیز سعدی گورکھپوری، آپ کو میں نے ان کے گارجین سے مانگا، انھوں نے ایک سال کے لیے دیدیا اور بغیر داخلہ ان پر خوب محنت کی جس کی وجہ سے مزید ایک سال کے لیے تیار ہوگئے، تو میں نے اس شعبہ میں ان کا داخلہ کرلیا، پھر تو وہ اسی شعبہ کے ہو رہے، جمع الفوائد کی تحقیق تخریج جو مختلف سالوں میں مختلف لوگوں نے کی تھی آپ نے ان سب کی تعدیل کر کے اپنے ایک ساتھی مولوی طارق کے ساتھ قابل اشاعت بنایا اور جمع الفوائد آٹھ جلدوں میں مکمل طبع سے آراستہ ہوگئی، پھر شعبہ تخصص فی الحدیث میں استاذ مقرر ہوگئے جس کی وجہ سے میری ضعف و پیری میں بہت مدد ملی۔

۸: مولوی عبدالعظیم ولد مولانا عبیداللہ بلیاوی؛ آپ مظاہر علوم میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوگئے تو پھر یہیں ابتدائی استاذ مقرر ہوگئے، مگر ان سے یہ شرط لگائی گئی کہ آپ کو دو سال شعبہ تخصص فی الحدیث کا نصاب بھی پورا کرنا ہے، چنانچہ آپ نے بھی ابتدائی کتابوں کی مدرسہ میں تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ اس شعبہ سے تکمیل کی اور شعبہ تخصص کی بھی بعض کتابیں آپ سے متعلق رہا کرتی ہیں، انتہائی جید الاستعداد محقق ہیں صحیح بخاری اور الیواقیت الغالیہ آپ کی تحقیق و تصحیح سے شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔

۹: مولانا خالد سعید مبارکپوری اعظمی، یہ شعبہ تخصص کھلنے کے ایک دو سال بعد ہی اس درجہ میں داخل ہوگئے تھے مگر کسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند جا کر تکمیل ادب میں داخل ہوگئے پھر اپنے علاقہ میں پڑھانے لگے، اسی دوران فقہ اکیڈمی کے کسی پروگرام میں دیوبند آئے ارو اسی سال دارالعلوم دیوبند میں تخصص فی الحدیث کا شعبہ قائم ہوا تھا تو حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب مدظلہم نے انھیں ترغیب دی کہ اب تو دارالعلوم ہی میں آپ تخصص فی الحدیث کرلیں جیسا کہ دورہ، تکمیل علوم (ادب) یہیں کر چکے ہیں، مگر بعد میں مولانا خالد سعید کے والد محترم مولانا سعید احمد صاحب جو میرے شاگرد بھی ہیں نے بہ اصرار دوبارہ تخص ص کرنے کے لیے میرے پاس مظاہر علوم میں بھیجا، اس طرح میرے پاس سہارنپور

آ گئے، پھر یہاں داخل ہوکر اس قدر اس فن میں مہارت حاصل کر لی کہ تخصص فی الحدیث پورا ہونے کے ساتھ ہی انتظامیہ نے آپ کو مدرس رکھ لیا، اور آپ نے یہاں کا ایک مضمون ''البحث والدراسۃ'' مکمل طلبہ کرام سے کرانا شروع کر دیا، اور ان کے نزدیک ایام رخصت وغیر رخصت برابر ہو گئے، اور طلبہ کے مقالات جو حضرت مولانا محمد شاہد صاحب چھپوار ہے ہیں اور ان مقالات پر تقدیم لکھوار ہے ہیں ان سب کی تعدیل اور تحقیق جناب مولانا خالد سعید صاحب ہی کی مرہون منت ہیں، اور پوری طرح میرا تعاون کر رہے ہیں، اگر شعبہ کی ضرورت کے لیے میں ناوقت بھی بلواتا ہوں تو نہایت بشاشت کے ساتھ آ کر وہ کام انجام دیدیتے ہیں یہاں تک کہ بعض دفعہ خود یا ان کے متعلقین بیمار ہو جاتے ہیں تو مجھ کو بیماری کی اطلاع بھی نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ رکھ کر علوم نبوی کی خدمت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۱۰-۱۱: مولوی عابد الرحمٰن بنگلہ دیشی، مولوی عبد القادر الجزائری، اول الذکر شعبہ قائم ہونے سے پہلے حیدر آباد ہی میں مجھ سے مانوس ہو چکے تھے اور حکمت وفلسفہ کی بعض اونچی کتابیں مجھ سے پڑھنا چاہتے تھے مگر مقدر میں یہ تھا کہ سہارنپور میں آ کر میرے سامنے تخصص فی الحدیث کا کورس مکمل کریں، ایک دفعہ مولوی عبد الوحید مکی کے سوال پر انھوں نے قسم کھا کر فرمایا کہ جتنا نفع مجھ کو اس شعبہ تخصص فی الحدیث سے ہوا ہے اور شعبوں سے بالکل بھی حاصل نہیں ہوا ہے جبکہ میں نے دورۂ تفسیر اور افتاء وغیرہ بھی کیا ہے، ینچے کی استعداد نہایت ٹھوس تھی، چنانچہ ان کے ایک ساتھی جنھوں نے صرف ایک ہی سال تخصص فی الحدیث کیا جب کبھی نحو وصرف منطق وفلسفہ میں الجھے تو ہمیشہ جھکی کھائی، انھوں نے اس شعبہ کی تکمیل کی پھر کہاں خدمت کر رہے ہیں مجھے معلوم نہیں۔

اور مولوی عبد القادر الجزائری نے بھی صرف ایک ہی سال اس شعبہ میں پڑھا اور جدید آلات کے ساتھ اسباق میں شریک ہوتے رہے۔

۱۲: مولوی شمس الرحمٰن کو پا گنجی؛ فارغ ہوتے ہی مولوی تقی الدین ندوی کے ہتھے چڑھ گئے اور خوب خوب اپنی ذاتی تحقیق سے مولانا کی تحقیق کردہ کتابوں کو چار چاند لگا دیا،

اور کبھی مظفر پور اور کبھی دبئی مولانا تقی الدین ندوی صاحب کے ساتھ ہیثمی اور عراقی جیسے ہم راز وہم قلم بنے رہتے ہیں۔

اوران کے علاوہ چند نام اور ہیں جو طوالت کی وجہ سے نہ لکھوا سکا، ان میں سے مولوی ازہر مدنی مولوی عامل نانوتوی، مولوی ادریس گودھراوی، مولوی انصار حیدرآبادی وغیرہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے دین کا کام لے اور اخلاص کی دولت سے مالا مال فرمائے اوران کے ذریعہ سے میرے اور میرے اکابر کے علوم کو شائع ذائع فرمائے۔

انھیں میں سے ایک مولوی صغیر احمد پرتا پگڈھی ہیں، جو یہاں سے فارغ ہو کر معہد انور میں مدرس ہوئے اور حیات ابن مریم کی تحقیق کی، اوراس کے علاوہ مولانا بدر عالم کی ترجمان السنۃ جس کی تلخیص ان کے مرشد مولانا قمر الزماں صاحب نے کی ہے اس کی مکمل تصحیح فرمائی ہے۔

اور مولوی عبدالرحمٰن مونگیرا، لندن پھر امریکہ چلے گئے انھوں نے خارج میں کچھ تخصص کی کتابیں پڑھیں اور نئے آلات کے ذریعہ تخریج الحدیث کرتے رہے باقاعدہ شعبہ میں داخل نہیں تھے، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے ملک میں پڑھنے کے علاوہ پاکستان کے جید علماء سے یہ علم حاصل کر چکے تھے، سہارنپور دارالافتاء کے درس میں شریک ہونے کے لیے اور بقیہ اوقات اپنے اختیاری مضامین کو حاصل کرنے کی نیت سے مع اہل وعیال تشریف لائے علم ادب میں بھی ان کی اچھی نگاہ تھی، چنانچہ اصمعی کا مشہور قصیدہ:

صوت صفير البلبل هيج قلب الثمل

زبانی یاد تھا۔

مولوی بشیر احمد ولد حافظ نصیر احمد سہارنپوری تخصص فی الحدیث مکمل کرنے کے بعد ’’تحقیق اہلِ بیت‘‘ نامی قابل اشاعت مقالہ قلمبند کیا جس سے اہلِ تشیع کا ہوائی قلعہ پادر ہوا ہو گیا، وغیرہ دوسرے اسماء ہیں وہ سب مدرسہ مظاہر علوم کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں، مولوی بشیر احمد فارغ ہوتے ہیں مدرسہ میں استاذ مقرر ہو گئے۔

ساتواں باب (تبلیغ میں حصہ)

یوں تو طالب علمی کے زمانہ میں ۱۹۵۰ء مطابق ۱۳۷۰ہجری میں کچھ نہ کچھ تبلیغ میں شرکت کا موقع ملتا رہا، اپنے ایک ساتھی جناب قاری ظہیر مرحوم صاحب کے ساتھ دیوبند کے محلوں میں گشت کرنے کی توفیق ملی، اور دیوبند کے قریب ایک گاؤں لکری میں ایک رات کے لیے جماعت کے ساتھ جانا ہوا تھا، مگر اس جماعت سے پوری واقفیت مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں مدرسی کے زمانے ۱۳۷۹ھ اور ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء ۱۹۶۱ء میں ہوئی، اور کبھی کبھی تین دن، دس دن کے لیے نکلنا بھی یہیں سے شروع ہوا اور تعطیل رمضان میں چالیس دن کے لیے نکلنا بھی مبارکپور سے ہی شروع ہوا، ایک دفعہ کوپا گنج جامع مسجد میں ضلع اعظم گڑھ اور جون پور کا اجتماع تھا مبارکپور کے امیر جماعت بھائی بشیر احمد نے مجھ سے کہا کہ آپ بھی اگر چلیں تو ہم لوگوں کو بہت خوشی ہوگی جاڑے کا زمانہ تھا میں تیار تو ہو گیا مگر سردی کی وجہ سے ہمت نہیں ہوتی تھی بشیر احمد نے میرا لحاف اور گدا میرے ہی بستر بند میں باندھا اور اس کو لے چلے، سٹھیاؤں اسٹیشن پہونچے تو سب سے پہلے تمام ساتھیوں سے کچھ کچھ پیسہ خرچ کرنے کے لیے لے کر بیت المال میں جمع کیا پھر کہا کہ ابھی ٹرین آنے والی ہے سواری کی سنتوں کا مذاکرہ کرلیں تا کہ سنت کے موافق ہم لوگ سوار ہوں پھر دہرانا شروع کیا اور پھر ۱۳۸۹ھ کے شعبان میں چالیس دن کی جماعت میں ضلع بستی چلا گیا اور جماعت خاصی بڑی تھی پہلے اُسرا شہید کے علاقہ میں، پھر نصف رمضان کے بعد دھن گھٹا کے علاقہ میں جماعت چل رہی تھی اور موضع چھتھی میں عیدالفطر کی نماز پڑھ کر بھائی امین کے ساتھ موضع ناؤن کرما (مولانا عبدالستار صاحب کے گاؤں) میں آیا اور کئی دن کئی مسجدوں میں پروگرام ہوا کہ ایک دن مولانا محمد مستقیم صاحب بستوی آئے اور بھائی امین سے کچھ باتیں ہوئیں، اس کے بعد بھائی امین نے رجسٹری خط دیا جو دفتر مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور کی طرف سے چلا تھا، اس میں یہ تھا کہ آپ کا رویہ مدرسہ کی مصلحتوں کے خلاف ہے اس لیے آپ کو مدرسہ

سے الگ کیا جاتا ہے اور آپ کا کچھ حساب مدرسہ کے ذمہ ہے اس کو آپ آ کر لے جایئے۔

اس زمانے میں علماء سے ۹رمہینہ یعنی سات چلہ وقت لگانے کو کہا جاتا تھا، تو میں نے خط پڑھ کر فوراً دو رکعت صلوۃ الحاجۃ پڑھی اور یہ دعا کی کہ الٰہی سات چلہ جماعت میں لگانے کے لیے یہی مدرسہ رکاوٹ تھا، اب یہ رکاوٹ دور ہوگئی تو کسی نئی رکاوٹ میں مت ڈال اور سات چلہ کی توفیق عنایت فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا، یہ غالبًا ۱۹۷۰ء کی بات ہے، پھر مولانا مستقیم کے ساتھ بکھرا ضلع اعظم گڈھ کے اجتماع میں شریک ہوا اور وہاں سے سات چلہ لکھوادیا، پھر مشورہ سے احیاء العلوم مبارکپور پہونچا اور وہاں کا حساب صاف کرنے کے بعد ۹۰ر روپیہ ملے، اس میں ۴۵ر روپیہ بیوی کو دیا اور ۴۵ روپیہ لے کر لکھنو کے لیے روانہ ہوا، وہاں یوپی مشرقی اضلاع کا اجتماع ہونا تھا، لکھنو سے کان پور محنت کے لیے بھیج دیا گیا، پھر چار مہینہ کی جماعت اجتماع لکھنو سے لیکر دلی کو پیدل براستہ سیتاپور لکھیم پور روانہ ہوا؛ تیرہ آدمیوں کی جماعت چلی تھی مگر راستہ میں بڑھتی چلی گئی، جب دو جماعت بھر نفر ہوجاتے تو اگلی منزل تک دو راستوں سے کام کرتے ہوئے چلتے اور منزل مقصود پر ایک چھوٹا سا اجتماع کر کے تین تین دن کی جماعتیں بنا کر علاقہ میں کام کرنے کے لیے بھیج دیا کرتا، "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

اس طرح خیرآباد، بریلی، شاہ جہاں پور، گولہ گوکھرن ناتھ، رام پور، مرادآباد وغیرہ ہوکر جویا اطراسی کے راستہ سے ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ میں دہلی مرکز نظام الدین پہونچے، اس وقت امیر مولانا انعام الحسن صاحب ہوچکے تھے، پھر مولانا نے مجھ کو دلی کے مدارس میں جماعت کے ساتھ کام کرنے کو بھیج دیا، اس لمبے سفر میں موضع اسوڈر خیرآباد کے قریب امین بھائی کی ہم کو خوب خوب نصرت ملی، اسی طرح دہلی کے مدرسوں میں سے مدرسہ رحمانیہ کے اساتذہ اور طلبہ کرام نے میرا پورا ساتھ دیا، بلکہ جمعرات کو مرکز میں بھی آئے، برخلاف اپنی جماعت کے مدرسوں کے کہ ان سے کچھ تعاون نہیں ملا اور نہ کام میں ہی شرکت کی، مرکز میں جب اس کی کارگذاری سنائی تو منشی بشیر صاحب نے بہت تسلی دی، پھر حضرت جی کے مشورہ

سے تاجروں کی ایک جماعت مدارس دھلی میں بھیجی تو ان مدرسوں میں بھی خوب کام ہوا، والحمدللہ علی ذالک۔

پھرامروہہ کے اجتماع کی محنت کرنے کو بھیجا گیا وہاں مفتی نسیم احمد فریدیؒ نے بہت پذیرائی فرمائی، بعدہ عربوں اور ہندوستانیوں کی مشترک جماعت کے ساتھ بھوپال جانا ہوا، ہماری جماعت وہیں تھی کہ وہاں کے حضرت جی (مولانا یعقوب صاحب غالبًا) کا انتقال ہو گیا اور ہم لوگ جنازہ میں شریک ہوئے، اس وقت وہاں کے ذمہ دار مولانا عمران خان صاحب تھے، پھر دہلی واپسی ہوئی تو گجرات کا سفر ہوا، پہلے مرکز سے سیدھے بمبئی گئے، جامع مسجد میں تین دن کا اجتماع تھا اس سے فارغ ہوکر سورت واپس ہوئے، وہاں سے رات ہی میں نوساری بھیج دیئے گئے، وہاں ایک بڑی جماعت تھی جس کے ذمہ دار مولانا عیسیٰ محمد پالن پوری تھے، وہاں سے گودھرا واپس ہوئے اور اکابر دہلی واپس دہلی چلے گئے، پھر دو مہینہ کے بعد اکابر کو دوبارہ گجرات آنا تھا اس وقت تک مجھ کو گودھرا میں چھوڑ دیا گیا، وہاں کے ذمہ دار مولوی اسماعیل بھاگلیہ صاحب تھے اور نصرت میں مولانا یوسف قاسمی اور مولانا احمد ادا باری باری رہا کرتے تھے، مولانا احمد ادا صاحب کا سہارنپور حضرت شیخ زکریا علیہ الرحمہ کی مسجد اعتکاف میں پہلے بھی ساتھ رہا کرتا تھا۔

اوران لوگوں کے مشورے سے دوحد، جالود، لوناواڑہ وغیرہ علاقوں میں کام کرنے کی توفیق ملی پھر دو مہینے کے بعد اکابر دہلی کے ساتھ دوبارہ گجرات کا سفر ہوا، ہماری جماعت احمد آباد میں تھی وہاں پر مولانا مستقیم صاحب نے حضرت مولانا انعام الحسن، مولانا عبیداللہ اور مولانا محمد عمر پالنپوری کے سامنے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ کا تقاضا رکھا کہ وہاں پر حدیث پڑھانے کے لیے ایک اچھے استاذ کی ضرورت ہے اور میں نے مولانا زین العابدین صاحب کا نام رکھ دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ مرکز کے لوگوں کے مشورے سے بات طے ہوگئی، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا کہ میرا تو خیال یہ تھا کہ اس کو مرکز ہی میں تعلیم کے لیے رکھ دیا جائے لیکن آخر میں فیصلہ سرائے میر جانے ہی کا ہوا، احیاء

العلوم کی تعلیمی زندگی میں میرے پاس پہلے دوسرے گھنٹے میں ہدایہ آخرین رہتی تھی، جمعرات کو دن میں ۹ ر بجے جماعت نکلا کرتی تھی اور سنیچر کی صبح کو تین دن والی جماعت واپس ہوا کرتی تھی، اصولی گشت میں لوگوں کو جامع مسجد لایا جاتا تھا ان کی نگرانی کے لیے میں ہدایہ آخرین کے دو گھنٹے کا سبق جامع مسجد میں بیٹھ کر پڑھا دیا کرتا تھا، پھر تیسرا گھنٹہ خالی تھا اس میں جماعت کی روانگی بیان کر کے جماعت بھیج دیا کرتا تھا، پھر عصر کی نماز کے بعد جہاں جماعت ہوتی وہاں میں خود بھی چلا جاتا اور جمعہ کا دن جماعت کیساتھ گذار کر سنیچر کو سب سے پہلے واپس مدرسہ آجاتا اور ضروری مطالعہ جماعت ہی میں کرلیا کرتا تھا اس کے لیے ارشاد الساری جس میں مسلم مع شرح نووی بھی تھی لے کر جایا کرتا تھا؛ اسی طرح مدرسۃ الاصلاح میں بھی جماعت نکالتا تھا اور اس میں مدرسۃ الاصلاح کے ساتھ مدرسہ بیت العلوم کے طلبہ کو بھی جوڑ لیا کرتا تھا جس کی وجہ سے دونوں مدرسوں کی دوری میں بہت فرق پڑ چکا تھا اور یہ بات مدرسۃ الاصلاح کے خاص خاص لوگوں کو پسند نہ تھی کیونکہ دونوں مدرسے نظریاتی طور سے الگ الگ تھے، آخر میں یہی سبب مدرسۃ الاصلاح چھوڑنے کا بھی بن گیا۔

اس زمانے کی کاپیاں تو محفوظ نہیں رہیں مگر چند ایک پروگرام اس کاپی میں محفوظ ہے اور وہ ۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء سے متعلق ہے۔

وہ ہے حضرت مولانا مستقیم صاحب بستوی امیر کارواں کا نظام الاوقات جو ۲۹ر اکتوبر ۱۹۷۶ء سے لے کر ۳۰ر نومبر ۱۹۷۶ء تک کا دورہ ہے، ۳۳ دن مسلسل ہے ۲۹ر اکتوبر جمعہ کو رسڑا سے شروع ہوا آٹھ دن کے بعد ۶ر نومبر ۷۶ء سنیچر کو بلتھرا روڈ پہونچے پھر ۱۳ر نومبر کو اعظم گڈھ پہونچے ان دونوں جگہوں پر بندہ بھی آپ کے ساتھ رہا، پھر ۲۲ر نومبر سے ضلع جونپور پھر ۲۵/۲۶ نومبر کو مئو، ان تمام جگہوں میں میں بھی مولانا مستقیم کے ساتھ رہا۔

پھر یکم دسمبر ۷۶ء کو (پرانے ساتھیوں) کے ساتھ مئو جڑا، مشورہ کے بعد سرائے میر چلا گیا وہاں سے دس دن کی جماعت بنا کر الہ آباد پہونچا، الہ آباد میں مشرقی یوپی کے اضلاع کا اجتماع ۲۵/۲۶/۲۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء کو طے ہوا تھا تو وہاں جماعت لے کر گیا، وذلک

فضل الله يؤتيه من يشاء.

بعض دوسرے مواقع میں بھی مولانا مستقیم کے ساتھ وقت لگا، مثلاً

٨/ مارچ ١٩٧٧ء بلتھرا روڈ، ٩/ مارچ ١٩٧٧ء پورہ معروف، ١٠/ مارچ ١٩٧٧ء، ١١/ مارچ ١٩٧٧ء بہور، ١٢/ مارچ ١٩٧٧ء اعظم گڈھ، ١٣/ مارچ ١٩٧٧ء بلریا گنج، ١٥/ مارچ ١٩٧٧ء سجنی، ٢٠/ مارچ ١٩٧٧ء تبلیغی اجماع منڈھیاہوں ضلع جونپور، سرائے میر قیام کے زمانہ میں ایک تبلیغی مرکز ضلع اعظم گڈھ میں اور بڑھ گیا، وہ تھا ماہل، ہر جمعرات کو وہاں کا پنج کو سہ قیام اور شب گذاری ہوتی، اس مرکز کی نگرانی بھی میرے ذمہ تھی، یہاں پر منشی عبدالقدوس صاحب ساکن کسہا اور بھائی سجاد صاحب ساکن سکٹ پور مکمل تعاون دیتے رہتے تھے، پھر کسی وجہ سے مرکز ماہل سے ہٹ کر امباری بازار (دیدار گنج روڈ) آ گیا اس زمانہ میں منشی عبدالقدوس کے بھائی اعجاز احمد صاحب اس کے مکمل نگراں رہے اور کبھی کبھی میں بھی حاضر ہوتا رہا، اس طرح تبلیغ میں بھی اللہ تعالیٰ نے حصہ مقرر فرمایا تھا کاش یہ سب عنداللہ تعالیٰ مقبول ہو جائیں۔

تحدیث نعمت

(١) فضل خداوندی سے دینی تعلیم میں لگا، مرحلہ وار دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، تمام فنون کو پڑھنے کے بعد دورہ حدیث کیا۔

(٢) پڑھانا بھی پڑھنے کی ترتیب سے ہوا آخر میں دورہ کی کتابیں آئیں اس طرح ابتدائی استعداد مکمل ہوگئی۔

(٣) احیاء العلوم میں مدرسی کے زمانہ میں قراءت سبعہ پڑھی۔

(٤) جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسوں میں شروع ہی سے شرکت کا موقعہ ملا، اس زمانہ کے بزرگوں: حضرت مدنی، حضرت مولانا فخر الدین کے علاوہ مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا

محمد میاں دیوبندی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا ابوالوفا شاہجہاں پوری، مولانا ابوالقاسم شاہ جہانپوری، مولانا عبدالحمید نظام آبادی رحمہم اللہ کی رفاقت میسر ہوئی، اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی اوران کے لڑکے محمود اسعد سلمہ کو احقر پر مکمل اعتماد رہا۔

(۵) ذکر کے حلقوں میں حضرت مدنی، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا، حضرت مولانا عبدالجبار وغیرہم سے استفادہ ہوا۔

(۶) تبلیغی جماعتوں میں وقت لگانے کی توفیق ملی۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے خانقاہ ربانی قائم کرنے کی توفیق بخشی ۔کاش ایک قبرستان بھی مئو میں وقف کرنے کی توفیق مل جاتی !!

(۸) حج کی دولت بھی عنایت فرمائی۔

یہ تمام نعمتیں قوت بازو سے حاصل نہیں ہوئیں، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتوں سے حاصل ہوئیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آٹھواں باب

حوادث اور شادی

میری عمر جب تین سال کی تھی اس وقت چیچک نکلی اور چہرہ کا رنگ بگڑ جانے کے ساتھ بائیں آنکھ پھوٹ گئی اور داہنا کان کٹ گیا۔ اب صورت بگڑ جانے اور گھر پر تنگی کے سبب میرے والدین جہاں جہاں شادی کا پیغام میرے لئے دیتے وہاں سے ہاں اور نہیں ہوتے ہوتے مکمل انکار ہوجایا کرتا، تھا اس لئے والدہ مرحومہ کو میری شادی کی بہت فکر رہتی تھی۔

آخر والدہ مرحومہ نے اپنی ایک خالہ زاد بہن کی لڑکی سے نسبت ٹھہرائی جو ہماری طرح معیشت کی تنگی میں رہتی تھیں، وہاں پر رشتہ طے ہوگیا اور شوال ۱۳۶۹ھ میں زبیدہ خاتون بنت نظام الدین گھوسی کے ساتھ نکاح ہوگیا اور میں اس وقت مشکوۃ شریف کا طالب علم تھا، ان سے ایک لڑکا (ابوعبیدہ) ۱۳/رجب ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوا، پھر ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی مگر آٹھ دن میں وفات کرگئی۔ ابوعبیدہ اور ان کی والدہ کو لیکر آسام گیا تھا، پھر مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں بلالیا گیا، تو مع اہل وعیال گھر آگیا۔ پھر تقریباً ۱۶ سال رفاقت کے بعد والدہ ابوعبیدہ سلمہ ۲محرم ۱۳۸۵ھ مطابق ۵مئی ۱۹۶۵ء کو پورہ معروف میں انتقال کرگئیں اور مٹھیا پر مدفون ہیں۔

پہلی اہلیہ مرحومہ کی خصوصیات

یہ اہلیہ محترمہ اپنے بھائیوں بہنوں میں سب سے بڑی تھیں اس لئے اپنی والدہ کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہیں، جس کی وجہ سے میکہ میں کچھ پڑھ نہ سکیں، اگرچہ موقعہ بموقعہ اپنے پھوپھا جناب مولوی حافظ عبداللطیف صاحب کے گھر پڑھنے جایا کرتی تھیں مگر

قرآن شریف ناظرہ بھی پورا نہ کرسکیں جب تک شادی کرکے سسرال آگئیں۔ میں ۱۳۷۲ھ میں فارغ ہوکر کلکتہ پڑھانے چلا گیا اور اہلیہ گھر پر رہتی تھیں تو والد صاحب مرحوم نے میری اہلیہ کو پورا قرآن شریف ناظرہ پڑھادیا اور اردو زبان کا قاعدہ ''دس دن میں اردو'' نامی مصنفہ جناب حیات اللہ انصاری سے کچھ کچھ اردو سیکھ لی، اور نماز کی مکمل پابندی کرتی رہیں اور گھر کا سب کام محنت سے کرتی رہتی تھیں، اسی دوران ایک دفعہ ان کولیکر مبارکپور بھی گیا، وہا ں انھوں نے کارخانہ بھی چالو کردیا تھا پھر وہ بیمار ہوئیں اور تندہی سے ان کا علاج ہوتا رہتا تھا مگر تپ دق اور کنٹھ مالا کی بیماری سے جاں بر نہ ہوسکیں، ایک دن ان کی حالت بہت خراب ہوگئی، تو مبارک پور ایک آدمی رات میں خبر لے کر گیا دوسرے دن میں واپس آیا وہ بدھ کا دن تھا، عشاء سے پہلے مجھ سے کہا کہ آج کسی بھی نماز کے پڑھنے کی طاقت نہیں رہی، اب جتنے دن میں زندہ رہوں اتنے دن کی نمازوں کا کچھ انتظام کرلینا، میں نے کہا کہ ضرور اس کا فدیہ ادا کردوں گا، اس کے بعد میں عشاء کی نماز پڑھنے چلا گیا نماز کیلئے جانے آنے میں سخت بوجھ محسوس ہوا، کسی متکلم نے بیان میں تمثیل کے طور پر کہا تھا'' کہ ساری عمر نمازی رہے آخری وقت بے نمازی ہوگئے'' یہی تمثیل حقیقت بن کر سامنے آگئی۔ عشاء کی نماز کے بعد دیر تک مسجد میں بیٹھا فکر مند ہوکر دعا کرتا رہا، پھر مریضہ کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ نہایت غفلت میں ہونے کے باوجود پاس انفاس کا ذکر جاری تھا اور محض سانس کے ذریعہ اللہ ، ھو - اللہ ھــو ، کی آواز آرہی ہے اور خوب محسوس ہورہی ہے، تو میں نے اپنی والدہ سے پھر مریضہ کی والدہ سے کہا کہ دھیان سے سنو سانس سے کیسی آواز آرہی ہے دونوں نے کہا کہ اللہ ، ھو - اللہ ھو کی آواز آرہی ہے۔

(۲) پھر ۱۷ صفر ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸/ جون ۱۹۶۵ء کو دوسرا نکاح جناب مولانا حافظ عبداللطیف صاحب محلّہ قاضی پورہ قصبہ گھوسی کی صاحبزادی صفیہ خاتون سے ہوا جو زبیدہ مرحومہ کی پھوپھی کی لڑکی تھیں، نہایت پابند صلوۃ وصوم، غریب پرور، مہمان نواز اس کے باوجود دو جگہ سے مطلقہ ہوچکی تھیں مگر ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی، وہ میرے ساتھ

مبارک پور، گھوسی، پورہ معروف، گجرات، صبر حد ضلع جونپور میں رہ چکی تھیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے تین اولاد عنایت فرمائی۔ جو سب زندہ ہیں۔

(۱) مولوی حافظ عبد الباسط سلمہ اللہ تعالیٰ، شادی کے ۹ سال ۷ مہینہ بعد گھوسی میں ۶ رمضان ۱۳۹۴ھ میں پیدا ہوئے، اپنی والدہ کے ساتھ صبر حد، سرائے میر اور گجرات ساتھ ساتھ رہے، گجرات ہی میں قرآن شریف شروع کیا پھر مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں حفظ کیا اور درجہ پنجم پرائمری پاس کیا، پھر منشی سال اول پڑھا، پھر ان کی والدہ انتقال کر گئیں۔

(۲) عزیزی بشریٰ سلمہا اللہ تعالیٰ ؛ ۲۴ صفر ۱۳۹۷ھ ۱۳ فروری ۱۹۷۷ء یکشنبہ گھوسی میں پیدا ہوئی، اس وقت میں مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں مدرس تھا ماشاء اللہ کوپریا ر حافظ وقار احمد ولد عبد العلی سے ان کا نکاح ہوا اور زیادہ دنوں کے بعد ایک لڑکی مبشرہ پیدا ہوئی پھر دوسرا لڑکا عبد القوی پیدا ہوا تو وہ بھی اپنی والدہ مرحومہ کی طرح دماغی توازن کھو بیٹھنے کے عارضہ میں مبتلا ہوگئی، اس وقت تین اولاد کی ماں ہے۔

(۳) عزیزی یسریٰ سلمہا اللہ تعالیٰ ۲۱ ر صفر ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۷۹ء صبر حد ضلع جونپور میں پیدائش ہوئی، جب چھاپی جانا ہوا تو اس وقت یہ گود میں تھی، مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں تعلیم شروع کی، قرآن کریم ناظرہ اور پرائمری درجہ پنجم پاس کر کے درجہ چھ اور سات بھی وہیں پڑھا۔ بڑی ہونے پر مظہر العلوم بنارس کے ایک فارغ مولوی محمد عارف سلمہ سے اسکا نکاح کیا جو تحصیل گھوسی میں موضع بھنولی کے رہنے والے ہیں، اور اس وقت الہ آباد کے ایک مدرسہ میں مدرس ہیں، یہ لڑکی بھی کئی اولاد کی ماں ہے۔

جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا اس وقت تقریباً پانچ سال کی تھی، اور اس کی بڑی بہن بشریٰ نے اس کی بچپن کی خدمت کی، اور تینوں بچوں کو میں نے پالا پوسا، ان کے کھانے اور کپڑے دھونے اور دیگر ضروریات کے ساتھ وقت پر مدرسہ بھیجنے کی ضرورت سب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوری کرائی، میں ان بچوں کا باپ بھی تھا اور ماں کی خدمات بھی ان کو مجھی سے ملیں، کیونکہ ان کی والدہ دماغی توازن کھونے کی وجہ سے بیمار رہیں اور ان کی خدمتوں کے

لائق نہ رہ گئی تھیں۔ذلک فضل اللہ یو تیه من یشاء بالآخر ۲۲ شوال ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۸۵ء کو پانچ بجے شام انتقال فرماگئیں اور ۲۳ شوال ۱۴۰۵ھ ۸ بجے صبح جمعہ کے دن قاضی پورہ (گھوسی) کے آبائی قبرستان میں دفن ہوئیں۔ اللھم احتسب عندک مصیبتی ،اناللہ وانا الیه راجعون. میرے ساتھ ان کی رفاقت بیس سال آٹھ مہینہ رہی اس میں ان کے چار اولاد ہوئیں سب سے بڑی ایک لڑکی تھی جو چار مہینہ کی ہوکر گذر گئی۔اس کے بعد عبدالباسط پھر بشری پھر یسری جن تینوں کا بیان اوپر گذر چکا۔

ابتلاء اور نکاح ثالث

صفیہ خاتون بار بار دماغی توازن کھودینے کی مریض ہوچکی تھیں،اس لئے بچوں کی مکمل پرورش میرے ہی ذمہ رہی جس کی وجہ سے اگر چہ سبق اور مطالعہ میں خلل نہ پڑا مگر تصنیف وتالیف میں فرق پڑ گیا،اسی طرح جسمانی صحت پر بھی کافی اثر ہوا،لیکن جب ان کا انتقال ہوگیا تو دوست واحباب کا نکاح ثالث کی سلسلہ جنبانی کرنے لگے مگر میں اس کیلئے تیار نہیں تھا،سلسلہ جنبانی کرنے والوں سے یہ کہہ کر معذرت کردیتا کہ دو نکاح کر چکا ہوں دونوں اولاد چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں، اب انھیں بچوں کی خدمت کرکے زندگی گذاردوں گا۔شہر بنارس کے مفتی جناب مولانا عبدالحمید صاحب امیاں منڈی نے بھی نکاح کی ترغیب دی تو میں نے یہی جواب دیا،مولانا نے مادری زبان میں کہا کہ تیسری بیوی ٹکتی ہے، یہ بات ہنسی میں چلی گئی ، پھر میرے خسر مولانا عبداللطیف صاحبؒ نے ایک دن بہت اہتمام سے فرمایا کہ تم شادی ایک اور کرلو کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمھاری پڑھائی لکھائی میں نقصان ہورہا ہے، میں نے کہا کہ آپ لوگوں کی بھی رائے ہے تو کسی عمر رسیدہ خاتون کی نشاندہی کریں ،میری اہلیہ مرحومہ کی چچی نے یہ مشورہ دیا کہ شادی نہ کرنا بہتر ہے کیونکہ نئی بیوی اور پہلے کے بچوں میں نبھاؤ اگر اچھی طرح ہوگیا تب تو ٹھیک ہے اور اگر اچھی طرح نبھاؤ نہ ہوا تو تم یا تو بیوی کی طرف سے ضیق میں مبتلا رہوگے یا بچوں کی طرف سے،اور یہی بات میں بھی پہلے سوچتا تھا مگر مولانا عبدالحمید بنارسی اور مولانا عبداللطیف صاحب مرحومین

کے مشورہ کے بعد میری رائے بدل گئی اور میں خود بھی نکاح ثالث کی کوشش کرنے لگا اس سلسلہ میں ایک دفعہ قصبہ ہاٹا ضلع دیوریا بھی گیا مگر کامیابی نہ ہوئی، آخر مدرسہ مظہر العلوم بنارس کے طباخ بھائی شکر اللہ نے دو جگہ نشان دہی کی اور شادی آباد ضلع غازی پور کے ایک باشندہ جناب محمد یاسین صاحب کے واسطے سے ایک کام جو گولہ دھڑی سے چھوٹا تھا اور لڑکی مانو پور کی تھی مگر ابھی تک پنچان کے فیصلہ کا انتظار تھا وہاں بات چیت ہونے لگی، شکر اللہ بھائی بھی شادی آباد کے تھے اور محمد یاسین بھائی بھی شادی آباد کے تھے، ایک دفعہ ہم تینوں اور قصبہ کے دو ایک اور نفر بیٹھے اس پر غور کر رہے تھے کہ مانو پور والے کام کی طرف سب کا رجحان ہو گیا اور محمد یاسین بھائی کے ذمہ ڈالا گیا کہ آپ مانو پور جا کر لڑکی کے والد سے بات چیت کریں، انھوں نے بات چیت کی پھر گولہ دھڑی اور مان پور کے لوگ موضع سر گٹھا میں جمع ہوئے اور پنچان کے سامنے لڑکی کے شوہر محمد خلیل نے طلاقنامہ لکھ کر دیدیا پھر اس کے بعد عدت گذار کر ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء مطابق ۱۶ شعبان ۱۴۰۶ھ رات میں نکاح ثالث ہوا بعبارت قاضی صاحب علاقہ و بخطبہ مولانا نیاز احمد مئوی استاذ مدرسہ مظہر العلوم بنارس، زین العابدین ولد محمد بشیر اعظمی (ساکن پورہ معروف مقیم مدرسہ مظہر العلوم) بمقام مانو پور با قمر النساء دختر عبد الرشید انصاری ۱۶ شعبان ۱۴۰۶ھ بوقت صبح رخصت ہو کر ۱۲ بجے مدرسہ مظہر العلوم میں ہمراہ اہلیہ و بچی ذکری پہونچے، اور اسی آنے والی رات میں طعام ولیمہ ہوا باہتمام مولانا عبد المغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ مظہر العلوم و بہ انصرام مفتی نیاز احمد صاحب محلّہ چھورہ بنارس۔

میکہ کا پتہ: موضع مانو پور، ڈاک خانہ سمن پور وایہ دیوکلی، تھانہ نند گنج ضلع غازی پور (یوپی)

بڑے بڑے حوادث

دو ہیں اور معمولی حوادث کئی ایک ہیں سب کا لکھوانا مناسب نہیں۔

(۱) ۱۳۵۶ھ میں جب کہ ہم لوگ بچے تھے گاؤں میں ایک مار ہو گئی تھی، جس

میں دادا مرحوم محمد نذیر کو خاصی چوٹ آئی تھی اور اس میں والد صاحب مرحوم کو اتنی زبردست چوٹ آئی تھی کہ برابر غفلت میں رہتے، سرکاری بیان حاکم نے بیان نزعی لیا، پھر اس کا مقدمہ چلا اور مقدمہ میں مارنے والوں کو سزا ہوئی، اور والد صاحب چھ مہینہ اسپتال میں زیر علاج رہے، اسکے بعد صحت تو ہوگئی مگر پیشاب کا عارضہ مستقل ہوگیا کہ تھوڑی تھوڑی دیر میں پیشاب کا تقاضا ہوجاتا تھا۔

(۲) ایک دفعہ والد صاحب رات کو گھر آئے، اندر کا کواڑ کھلوانے کیلئے آواز لگائی پھر بولے باسم اللہ سانپ نے کاٹ لیا، والدہ محترمہ جلدی سے چراغ لے کر آئیں تو والد صاحب نے ایک معمولی چھڑی سے سانپ کو مار کر ایک گھریا میں محفوظ کرلیا، وہ سانپ کیسا تھا کہ جہاں کاٹا تھا وہاں سوج کر پھوڑا ہوگیا اور پانوں چلنے پھرنے اور وزن برداشت کرنے سے معذور ہوگیا، اس میں بھی صحت ہوتے ہوتے کافی عرصہ گذر گیا اور سانپ کے کاٹنے کے باوجود والد صاحب کا انتقال نہیں ہوا بلکہ صحت مند ہوگئے اگرچہ اس میں کافی وقت لگا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

(۳) ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو یکم اور دو ربیع الاول کی درمیانی شب میں ڈاکوؤں نے موضع نئی بستی پارہ پر حملہ کیا، اس زمانہ میں والد صاحب وہیں میرے مکان پر رات گذارا کرتے تھے، شور سن کر والد صاحب گھر سے باہر نکلے تو ڈاکوؤں نے ان پر بھی حملہ کردیا اور آپ زخمی ہوگئے، عرصہ تک داہنا ہاتھ بےکار رہا پھر صحیح ہوا۔

(۴) والد صاحب کا انتقال: میں سرائے میر سے ایک دفعہ گھر آیا تو دیکھا کہ والد صاحب مسجد میں نماز کے وقت نہیں ہیں تو مجھ کو سخت تعجب ہوا، نماز سے فارغ ہوکر گھر آیا اور والدہ مرحومہ سے ذکر کیا تو انھوں نے بتایا کہ والد صاحب بیمار ہیں، گھر میں ہی رہتے ہیں باہر نہیں نکلتے، پھر میں نے مزاج پرسی کی تو بشاشت سے بتایا، اسکے بعد دوسرے دن میں سرائے میر چلا گیا، اس زمانہ میں میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد عثمان سلمہ کو ہنڈہ ضلع اعظم گڈھ میں پڑھاتے تھے، میں کسی جماعت کی نصرت کرنے انجان شہید جانے والا تھا کہ

ایک متعارف ڈاکیہ نے آواز لگائی، میں باہر آیا تو اس نے کہا کہ میرے نام مئو سے ٹیلی گرام آیا ہے کہ مولانا زین العابدین صاحب کے والد کا انتقال ہوگیا ہے جمعہ کے بعد دفن ہونگے۔میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بیوی صفیہ اور بیٹا ابوعبیدہ کو لیکر سرائے میر اسٹیشن کی طرف بڑھا، اور ایک شخص محمد ارشد مئوی متعلم مدرسۃ الاصلاح کو فوراً کوہنڈا خبر پہونچانے کو روانہ کیا، ارشد تو ٹیکسی سے گئے اور میں ٹرین سے کھورہٹ اتر کر بیوی بچہ کے ساتھ پیدل پورہ معروف پہونچا، گھر پہونچا تو دیکھا کہ والد صاحب مرحوم کو غسل دیا جارہا ہے، میں بھی شریک ہوگیا، پھر بعد نماز جمعہ میں نے نماز جنازہ پڑھائی اور مولوی محمد عثمان نے دو بجے کی گاڑی شاہ گنج سے پکڑی اور ۶ بجے گھر پہونچے یہ جمعہ کا دن ہے اور ۱۳۹۴ھ ہے مگر اس وقت مہینہ یاد نہیں۔

صفائی معاملات

(۱) والد صاحب نے فرمایا کہ مولانا تھانویؒ کی ایک کتاب ''صفائی معاملات'' پڑھی تھی، جب سے ہر ہر معاملہ کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرتا ہوں، اگر کسی سے قرضہ لیا تو وقت مقررہ پر اس کی ادائیگی کی پوری کوشش کرتا ہوں، اگر کسی وجہ سے وقت پر قرضہ نہ ادا کرسکا تو اس وقت قرض دینے والے کے گھر جاکر معذرت کرآتا ہوں، چنانچہ ہم لوگوں نے والد صاحب کے ایک ساتھی مولوی سلامت اللہ صاحب کو دیکھا جب ان کے وہاں بٹوارہ ہوا اور اس میں کچھ کچھ چیزیں ان کے ناموافق ہوئیں تو وہ علی الاعلان کہا کرتے تھے قرضہ لینے والا اور وقت پر ادا کرنے والا میں نے صرف ایک آدمی کو بالکل صاف ستھرا پایا وہ ہیں نذیر بابا کے لڑکے محمد بشیر۔

وفات کے چند دن پہلے میرے بھائیوں سے فرمایا کہ دیکھو میرے اوپر کسی کا قرضہ نہیں ہے، اس کے باوجود ایک بنیا بلدیوشاہ نے میرے ایک بھائی سے کہا کہ میرے وہاں سے چوٹا گیا ہے اس کا پیسہ مجھ کو نہیں ملا والد صاحب نے فوراً اس آدمی کو بلوا کر محمد ایوب کے ساتھ

بلدیوساو کے پاس بھیجا جس کے ہاتھ چوٹا کا پیسہ وہاں بھیج چکے تھے اس نے جا کر بتایا تو بلدیو نے اپنی کاپی پر سے کاٹا اور کہا کہ مجھے یاد آ گیا پیسہ مجھ کومل چکا تھا۔

(۴) ۱۹۷۰ء سے چک بندی کا سلسلہ چلا تو مٹھیا کی ایک زمین کے بارے میں آفیسر نے کہا کہ یہ نمبر تو محمد بشیر اور عبدالصمد کے نام ہے، والد صاحب کو حاکم نے بلایا، اور عبدالصمد دادا لاولد فوت ہو چکے تھے، والد صاحب سے اس زمین کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بتایا کہ وہ زمین میری ملکیت نہیں تھی بلکہ فلاں زمین دار کی تھی میں نے کچھ دنوں عبدالصمد دادا کے ساتھ مل کر اس زمین کو جوتا بویا تھا مگر وہ ملکیت ہماری نہیں تھی، حاکم نے کہا کہ ۴۷ء میں جس نے جس زمین کو بویا موجودہ گورنمنٹ اسی کو مالک مانتی ہے، لہذا اگر آپ کہیں تو اس چک کو آپ کے نام الاٹ کردوں، والد صاحب نے انکار کردیا کہ دوسرے کی زمین کا میں مالک نہیں بنوں گا۔

جوتنے بونے کے قصہ مجھ کو بھی یاد ہے حالانکہ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا، میری ایک پھوپھی صالحہ مرحومہ مجھ کو گود میں لے کر اس کھیت پر گئی تھیں وہاں سورن بویا ہوا تھا، اس وقت اس کی جوتائی کر کے دوسری کوئی چیز بوئی جانے والی تھی، والد صاحب نے سورن کھود کر پھوپھی کے حوالہ کر دیا کہ اس کو گھر لے جانا وہاں اس کی سبزی پکے گی، پھوپھی کچھ غافل ہو گئی تو میں نے اس میں سے کچا ہی کچھ کھا لیا اس کی وجہ سے تمام گلے میں کھجلاہٹ ہونے لگی، اس واقعہ کی وجہ سے اس کھیت کی جوتائی بوائی مجھ کو یاد ہے اور کبھی اس کھیت میں سے مٹر کی پھلی بھی گھر آنی یاد ہے، یہ والد صاحب کے صفائی معاملات کے واقعے ہیں۔

(۵) جنگ آزادی - ہنگامہ ۱۹۴۷ء

میری عمر ۱۲-۱۳ سال کی تھی اس وقت ۱۹۴۵ء میں ایک الیکشن ہوا، مسلمانوں کا الگ اور غیر مسلموں کا الگ، اس وقت میری سمجھ میں صرف اتنی بات آتی تھی مسلمانوں کا ووٹ لینے کے لئے مسٹر محمد علی جینا کھڑے ہیں اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی کھڑے

ہیں، اور مسٹر جینا یہ چاہتے ہیں کہ انگریز یا تو ہندوستان میں رہیں اور اگر نہ رہیں تو ہندوستان کو ہندوؤں مسلمانوں کے درمیان بانٹ دیں بغیر بانٹے ہندوستان سے نہ جائیں۔

اور مولانا حسین احمد مدنی یہ چاہتے ہیں کہ انگریز ہندوستان سے چلے جائیں اور ہندوستان نہ بانٹیں، اس لیے مولانا مدنی اکثر بیشتر جیل میں بند ہو جاتے تھے، اور مسٹر جینا خود انگریزوں کے ساتھ ساتھ مزے سے رہتے تھے، بچپن کی سمجھ کا کیا اعتبار ہے۔ بہر حال الیکشن ہوا، ایک طرف مسلم لیگ والے ہوتے تھے دوسری طرف جمعیۃ علماء والے؛ مسلم لیگ کی طرف سے اعظم گڑھ کے پوربی حصہ سے مولوی عبدالباقی وکیل کھڑے ہوئے تھے اور جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے مولوی عبدالمجید حریری کھڑے ہوئے تھے، عموماً علاقوں کے علاقے مسلم لیگ کے حامی تھے ہمارے علاقہ میں کوپا گنج، فتح پور، مبارکپور کے کچھوچھوی اور خیرآباد کے بدعتی یہ سب مسلم لیگ کی طرف تھے، اور علماء کرام، مولانا عبداللطیف مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور ان کے ہمنوا سب جمعیۃ علماء کی طرف تھے، ہمارا گاؤں پورہ معروف تنہا صرف جمعیۃ علمائی تھا یہاں تک کہ مولوی عبدالباقی وکیل پورہ معروف میں مسلم لیگ کا جلسہ کرنے آئے تو ان کو اجلاس کے لیے کوپا گنج سے آدمی لے کر آنا پڑا اور عیدگاہ میں جلسہ کیا، کوئی علی حیدر شیعہ وکیل نے بلا حمد ونعت کے تقریر شروع کر دی، پھر وکیل صاحب اٹھے اور ملک تقسیم کرنے کے فضائل اور پاکستان بنوانے کی حمایت میں تقریر شروع کی پورہ معروف کے استاذ العلماء مولوی شبلی صاحب مرحوم نے سوال کیا کہ ہمارا گاؤں اور ہمارا ضلع بھی پاکستان ہو جائے گا یا نہیں؟ عبدالباقی نے کہا کہ صوبہ متحدہ میں ہندوؤں کی اکثریت ہے اس لیے یہ پاکستان نہیں بن سکتا، تو مولوی شبلی صاحب نے کہا کہ پھر ہم پاکستان بننے کے لیے کیوں ووٹ دیں جبکہ اس سے ہمارا کوئی فائدہ نہیں، بس اتنی ہی بات آپس میں ہوئی کہ ہر طرف سے مارو مارو کی آواز آنے لگی اور جلسہ درہم برہم ہو گیا، پھر جب الیکشن کا نتیجہ نکلا، تو مولوی عبدالباقی وکیل جیت چکے تھے اور مولوی عبدالمجید حریری ہار گئے تھے، اس طرح پورے ملک میں جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اتحادی ہار گئے اور مسلم لیگ جیت گئی، آخر وہی صورت

حال پیدا ہوگئی جس کو مولانا مدنی بار بار کہتے تھے کہ ملک کے تقسیم ہونے سے سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوگا، انگریز یہ چاہتا ہے کہ ہندوستان بہت بڑا ملک ہے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اس کی قوت گھٹا دی جائے، اور اسلامی حکومت کا نعرہ تو صرف دھوکہ دینے کے لیے لگایا جارہا ہے، کہیں بھی اسلامی حکومت انگریز برداشت نہیں کر سکتے اسی لیے اسلامی حکومت (پاکستان) کا علم بردار ایسے مسلمانوں کو بنایا ہے جو صرف نام کے مسلمان ہیں ورنہ ان کا سارا کام انگریزی ہے اور انگریزی ہی طرز معاشرت ہے، بھارت اور پاکستان تو نام ہے اور پاکستان کے نام پر پچھمی ہندوستان کو درمیان کے بڑے حصہ ہندوستان سے الگ کر دیا اور پوربی حصہ کو بھی ایک بڑے ہندوستان سے الگ کر دیا، اگرچہ دونوں کا نام مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان ہے مگر دس سے بیس سال کے اندر اندر یہ تین ملک ہو جائیں گے۔

چنانچہ ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک بنگلہ دیش ہوگیا پھر بھارت اس سے آگے پاکستان، شرقی اور غربی کا کہیں نام بھی نہیں رہ گیا، اور انگریزوں سے ہارنے اور ملک کو تین حصہ بکھر جانے پر افسوس کرنے کے بجائے اس کی رکیک تاویل کر کے دل کو یوں بہلایا جاتا ہے کہ بنگلہ دیش کی اقتصادی کمزوری کو پاکستان برداشت کرنے سے آزاد ہوگیا ورنہ بنگلہ دیش کی اقتصادیات برداشت کرنے سے پاکستان کمزور ہو جاتا، آج یہ تاویلات صحیح معلوم ہوتی ہیں، اور جس زمانہ میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی اس کا سجھاوا دیتے تھے کہ پاکستان بننے سے مسلمانوں کی مذہبی، معاشی اور اقتصادی تینوں حالتوں میں ہر قوم سے زیادہ مسلمانوں ہی کا نقصان ہے، تو اس وقت مزعومہ اسلامی حکومت والوں کو یہ تاویل بار دنظر آتی تھی، بلکہ اس وقت مسلم لیگ کے ذمہ دار یہ بے تکا نعرہ لگایا کرتے تھے: مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ، یعنی جو مسلمان پکا نمازی ہے مگر مسلم لیگ میں نہیں ہے تو وہ مسلمان ہی نہیں ہے، آگے اور بھی ایک بندسن لیجئے:

آزاد ہے کافر کا نوکر اور مدنی ہندو کا ورکر
ہے جینا مسجد کا ملا مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ

اور آج دیکھ لیا جائے کہ موجودہ پاکستان مغربی میں اور مرحوم پاکستان مشرقی (بنگلہ دیش) میں کس قدر کامیاب اسلامی حکومت ہے، اور خود اسلام پر عمل کرنے والے وہاں کس تناسب سے ہیں اور بھارت کفر کے دیس میں کس تناسب سے اس پر عمل ہے۔

صوبہ متحدہ لکھنؤ اور اس سے پورب کے ۴۷ء کے حالات

صوبہ متحدہ کا انگریزی ترجمہ یونائیٹیڈ پربھنس ہے اس کی مختصر یو، یونائی ٹیڈ سے لیا گیا، اور پی، پربھنس سے لیا گیا دونوں ملا کر یو، پی ہو گیا، انگریزی دور تک یہی مراد ہوتا تھا، انگریز کے جانے کے بعد صوبوں میں اور ان کے ناموں میں خاصی تبدیلی ہوئی اور اس صوبہ کا نام ''اتر پردیش'' رکھا گیا اس میں اتر سے یو، لے لیا گیا اور پردیس سے پی لے لیا گیا پس مختصر نام میں بھی اس صوبہ کا پرانا نام، یو، پی رہ گیا۔

بہرحال اس کا دارالحکومت لکھنؤ تھا، وہاں کے مسلم لیگ کے نمائندہ چودھری خلیق الزماں صاحب مرحوم جیت کر مسلم لیگ کی طرف سے وزیر بنا لیے گئے مگر مسٹر جینا کے قریبی سیاسی ساتھی سر ظفر اللہ خاں کو ان کی کامیابی کافی کھٹکتی رہی آخر مسٹر جینا ہی کے دور میں ان کو حاشیہ پر کر دیا گیا، اور پاکستان کے وجود خارجی اور وجود ذہنی میں جو تعارض ان کو نظر آیا اس کا انھوں نے برملا اعتراف بھی کیا اور عملی سیاست سے تقریباً کنارہ کش ہو گئے۔

اس سب کے باوجود ملک تقسیم ہو جانے اور انگریزوں کے ملک بدر ہوتے وقت جو پوربی پنجاب اور پچھمی بنگال اور صوبہ بہار میں خون کی ندیاں بہیں، اور ٹرینوں میں جو دو قومی برتاو شباب پر رہا اس سے لکھنوا اور اس کی راجدھانی کی پوری عمل داری خاص کر پوربی اتر پردیش مکمل محفوظ رہا، کہیں ایک نکسیر بھی نہیں پھوٹی، جب کہ پچھم اور پورب سے ہر دن خونی داستانوں سے اخبار بھرے رہتے تھے، یہاں پر ولبھ بھائی پنتھ وزیر اعلی ہوئے، اتر پردیش کے پچھمی حصہ سے لوگ بھاگ بھاگ کر پاکستان جانے لگے اور صوبہ پنجاب سے آگے نہ بڑھ سکے اکثر اس میں سے مار ڈالے جاتے تھے اور جو بچتے تھے وہ پاکستان پہنچ کر

روزی روٹی کے محتاج بن کر مہاجر کہلاتے تھے، مغربی پاکستان والوں نے ان کے بسانے کی پوری کوشش کی مگر صرف محدود کامیابی ہوسکی، اور سب سے بڑھ کر ہندو مسلمانوں میں ایسی نفرت پیدا ہوگئی جس کے دور ہونے میں کافی وقت لگ گیا اور اس فرقہ وارانہ نفرت کو ہوا دینے کے لیے نئے نئے مدعا کھوجے جانے لگے، گایوں کی حفاظت، بابری مسجد نہیں رام جنم بھومی، معمولی معمولی باتوں کو فرقہ وارانہ رنگ دیدینا وغیرہ، جب بھی اس میں کمی ہوئی کوئی نہ کوئی دھما کہ ڈھونڈ لیا جانے لگا، وہ تو خیریت ہوئی کہ ملک کا سیکولر جمہوری قانون بنالیا گیا ورنہ فرقہ پرست کھل کر ہندو اسٹیٹ اور ہندی و ہندووانہ قانون نافذ کرنے کا پرچار کررہے تھے، اور اس وقت ہر دل عزیز رہنما، جمہوریت کے حامی مہاتما گاندھی کو ہندو فرقہ پرستوں نے وعظ کی مجلس میں قتل کردیا اور قاتل کا نام اگرچہ ''ناتھورام گوڈسے'' تھا مگر اس نے اپنے بازو پر عبدالحق نام گودرکھا تھا تا کہ لوگوں کو گمراہ کردے کہ مسلمان نے گاندھی جی کو قتل کردیا اور اس طرح پورے ملک میں ہندو مسلم فساد ہوجائے، اور اس وقت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے نہایت دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریڈیو اسٹیشن سے فوری یہ خبر نشر کی کہ ایک پاگل ہندو نے گاندھی جی کو قتل کردیا، اور بار بار یہ اعلان کیا جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس عظیم قتل پر فرقہ واریت کی آگ نہیں بھڑکی اور پورے ملک میں سناٹا چھا گیا۔

نواں باب تالیفات

اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے یہ بھی ہے کہ شروع ہی سے پڑھنے کے ساتھ لکھنے کا بھی ہنر عنایت فرمایا، حضرت مولانا شبلی صاحب شیدا خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ جب ہم لوگوں کو فارسی پڑھاتے تھے تو درجہ کے حساب سے انجمن حمایت اسلام لاہور والی کتاب اردو کی پہلی دوسری کتاب کا فارسی میں مکمل ترجمہ کرواتے تھے، مگر انتہائی بچپن میں ان تراجم کی حفاظت کرنے کا شعور نہیں تھا اس لیے کچھ دنوں کے بعد وہ غائب ہوگئی، اسکے بعد منطق کی کتابیں جب حضرت مولانا عبدالستار صاحب پڑھانے لگے تو ظہر کے بعد تہذیب المنطق کا درس ہوتا تھا، سبق کے بعد ایک دفعہ تکرار کرلیا جاتا تھا اور عصر کی نماز کے بعد میں اور میرے ایک ساتھی مولوی محمد یونس صاحب اسلام پوری ہم دونوں مل کر مولانا عبدالستار صاحب کی تقریر اپنی یادداشت سے لکھ لیتے تھے، اس طرح پڑھنے کے ساتھ ہی تہذیب کی ایک اردو شرح بھی مکمل ہوگئی، وہ تقریر لکھ کر ہم لوگ گھر جاتے تھے، اس کتاب کا بھی پتہ نہیں چلا کہ یہ کتاب کس کے پاس رہ گئی، مولانا یونس صاحب کا تو گذشتہ سال انتقال ہوگیا اور میرے پاس بھی وہ نہیں ہے۔

(۲) دوسری کتاب مقدمہ جزریہ ہے، جب ہم لوگ احیاء العلوم میں مقدمہ جزریہ پڑھتے تھے اس وقت وہ کتاب عام طور سے مفقود تھی، اس لیے اس کو لکھ کر پڑھا گیا اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی لکھ لیا گیا تھا، مگر پھر جب دارالعلوم دیوبند میں اس کو پڑھا تو اردو میں ایک رسالہ کتب خانہ سے ہم کو ملا، اس کا نام تھا شرح جزری ہندی، جو علی ہندی (عرف کرامت علی جونپوری) کی مقدمہ جزریہ کی اردو زبان میں مختصر شرح تھی اس لیے کاپی محفوظ نہیں رہی۔

(۳) دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی زندگی میں جناب مولوی عبدالباری انجان شہید

والوں نے رنگون سے آیا ہوا استفتاء میرے سامنے پیش کیا کہ پانچ نمازوں سے تین میں قرأت جہری کیوں ہے اور دو نماز میں سری کیوں ہے؟ اگر دن رات کا فرق ہے تو جمعہ میں وعیدین جو دن میں پڑتی ہیں ان میں بھی سراً ہونا چاہئے اس میں جہر کیوں ہوا؟ اس کے جواب میں میں نے آٹھ صفحہ کا ایک رسالہ لکھا تھا جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بیانات سے ماخوذ تھا جو ان کے دو رسالوں ''اسرار قرآنی'' اور ''انتباہ المؤمنین'' میں تحریر فرمایا تھا، اس میں پہلے صحیح حدیثوں سے پانچ نمازوں کی مسنون قرأت کو لکھ کر مدلل کر دیا تھا کہ عمل کرنے کے لیے یہی حدیثیں کافی ہیں، پھر ان کی حکمتوں پر مختصر مختصر وجوہات تحریر کر دی تھیں، مثلاً:

(ا) حکمت تو سر کی دن کی روشنی اور حکمت جہر کی رات کی تاریکی ہی اصل ہے، اور رات چونکہ سب لوگوں کے سونے کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرنے میں بندہ جہراً قرأت کرتا ہے، یہاں تک کہ رات کی نوافل میں بھی جہراً قرأت مسنون و مستحب ہے، جبکہ جہر مفرط نہ ہو، اور دن میں تمام لوگ جاگ رہے ہیں اور اپنے کاروبار میں مشغول ہیں اس لیے اپنے مالک سے راز و نیاز کرتے وقت دوسروں کو کان وکان خبر نہ ہو اور سرا قرأت کرے تاکہ بندہ اور معبود حقیقی کے بیچ میں یہ راز سربستہ ہی رہے۔

رہ گیا جمعہ وعیدین تو اس کا استثناء اس لیے ہے کہ یہ دونوں خوشی کے اوقات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان میں بندوں کو خوشی منانے کا مکلّف بنا دیا ہے اس لیے جہراً قرأت میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(ب) رات عدم کے معنی میں ہے اور دن وجود کے معنی میں، لہٰذا سراً بھی قرأت کرنے سے وجود اس کو آشکارا کر دے گا، اور رہ گئی رات جو عدمی ہے اس میں جب تک بلند قرأت نہ ہو عدم کے اوپر یہ راز و نیاز غالب نہ آسکے گا، اسی لیے جہراً پڑھنا مناسب ہوا، اسی طرح کے چند دلائل رسالے میں تھے، رسالہ لکھ کر ان کو دے دیا اور جب کئی سال کے بعد نقل کے لیے مانگا تو رسالہ گم ہو چکا تھا، اس طرح طالب علمی کے زمانے کی تالیفات ضائع

ہوگئیں۔

(۴و۵) دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد دل میں سخت تقاضا ہوا کہ القاموس المحیط جیسی مفید کتاب صرف مادوں کے ترتیب کی وجہ سے متروک ہورہی ہے اس لیے اس کو المنجد کی ترتیب پر لانا چاہئے، اور حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ سے بار ہا القاموس کی تعریف اور المنجد کی مذمت سن چکا تھا اس لیے اللہ کا نام لے کر یہی کام شروع کردیا تھا، دیوبند کے ہمارے خوش نویسی کے استاذ مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس کو دیکھا اور سنا جس میں باب الہمزہ کی ترتیب مکمل ہوچکی تھی، مولانا نے فرمایا کہ شروع شروع میں اتنا لمبا کام لے کر نہیں چلا جاتا جو پوری زندگی پر محیط ہو، شرح عقائد نسفی یا میبذی کی تسہیل پر کچھ کام کرو، اس طرح وہ کام رک گیا اور شرح عقائد نسفی پر کام شروع کردیا اور التعلیقات السنیۃ ۴۴۰ صفحات پر چھپ کر منظر عام پر آ گئ۔

(۶) اسمائے حسنیٰ سے بندوں کی سرخ روئی

۱۹۵۵ء میں سینیر مدرسہ گوما چھول باڑی آسام جانا ہوا، وہاں مولانا رئیس الدین صاحب سکریٹری مدرسہ کے پاس سے ''التکشف عن مہمات التصوف'' مطالعہ کے لیے لیا، اس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے تخلق کی صورتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا تھا مگر وہ عربی میں تھا، اور اردو میں مظاہر حق کے اندر اسی تعلق کو بعنوان ''نصیب بندہ'' ذکر کردیا تھا، اسی کو میں نے اردو میں منتقل کردیا اور اس کا نام رکھا اسمائے حسنیٰ سے بندوں کی سرخ روئی، یہ رسالہ ۱۶ صفحات میں مطبوع ہے۔

(۷) آسام مدرسہ بورڈ میں فاضل کے نصاب کے اندر ایک رسالہ داخل تھا، اس کا نام ہے ''قصائد عمرو بن الفارض'' اس کے اشعار میں لفظی صنعتیں بے شمار ہیں اور معانی مسائل تصوف سے بھرے پڑے ہیں اور لغات بھی اس میں غرائب استعمال ہوئی ہیں، اس لیے اس کو پڑھانے کے لیے کوئی استاذ تیار نہ ہوتا تھا، اس وقت کے نائب پرنسپل مولانا ایوب

ضمیر صاحب نے کہا کہ ان قصائد کا ترجمہ تم لکھ دو، اور میں اس کو فاضلیت والوں کو پڑھا دوں، تو میں نے چار قصیدوں کا ترجمہ کر کے مدرسہ میں دے دیا اور جس استاذ کے پاس وہ کتاب رہتی وہ اس ترجمہ کی مدد سے پڑھاتا، ہوسکتا ہے کہ یہ ترجمہ سینیر مدرسہ گوما پھول باڑی میں ہو اور ہوسکتا ہے کہ نہ ہو، اس لیے کہ کچھ دنوں کے بعد اس کی ایک تفصیلی شرح کریم گنج صوبہ آسام سے حاصل ہوگئی تھی، جس کا مطالعہ اساتذہ اور طلبہ کے لیے بہت مفید تھا اور میرے ترجمہ کی چنداں حاجت نہ تھی۔

(۸) نہج البلاغہ کے بعض خطبات کا ترجمہ مدرسۃ الاصلاح کی مدرسی کے زمانے میں کسی طالب علم کی درخواست پر اس کے لیے لکھ کر دیدیا تھا، اس زمانے میں وہاں کے استاذ ادب مولانا صلاح الدین اصلاحی نے پسند کیا تھا، اور اس طالب علم کا نام بھی یاد نہیں کہ اس کی تحقیق کی جاسکے، کہ وہ رسالہ کس پوزیشن میں ہے۔

(۹) اس کے علاوہ چند تالیفات جو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں، وہ امت کے سامنے ہیں، اس کا تعارف کرانا خودستائی ہوسکتی ہے، اس لیے ان کے صرف اسماء پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱۰) امداد الباری شرح صحیح البخاری، یہ کتاب حضرت مولانا عبد الجبار صاحب علیہ الرحمہ نے لکھنی شروع کی تھی، چار جلدیں مکمل ہوجانے کے بعد شروع کی تین جلدوں کی ایک جلد میں تلخیص فرمادی اور اس کا نام جامع الدراری رکھا، اس کے بعد پانچویں جلد کتاب العلم شروع کی، بخاری **باب کتابۃ العلم** ص۲۱ کا باب آخری تھا کہ ۱۴۰۹ ہجری میں حضرت شیخ کا انتقال ہوگیا تو سب کے مشورے سے اس کی تکمیل مجھ کو کرنی ہوئی اور پانچویں جلد مکمل کر کے بھیجدیا مگر کئی سال تک اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، تو تذکرہ علماء ہند از رحمان علی ناروی فارسی کا بزبان اردو ترجمہ کرنا شروع کیا، ترجمہ مکمل ہونے کے بعد امداد الباری جلد پنجم جب چھپ گئی تو بقیہ امداد الباری کی تکمیل شروع کی، جلد ششم میں کتاب الطہارت ختم تیمّم تک مکمل ہوگئی، پھر جلد ہفتم میں کتاب الصلوۃ کافی حد تک ہوگئی اور یہ

دونوں جلدیں مطبوع ہیں، پھر جلد ہشتم اور جلد نہم میں کتاب الصلوٰۃ کا بقیہ اور کتاب الجنائز مکمل کر کے ذمہ دار حضرات کو دے چکا ہوں، وہ لوگ چھاپنے کا انتظام کر رہے ہیں، اور اب بیماری کے زمانے میں کتاب الزکوٰۃ سے آہستہ آہستہ کام جاری ہے، **السعی منی والاتمام من الله وما ذلک علی الله بعزیز، انه علی کل شئ قدیر.**

اب تک تین، چار مطبوعہ کتابوں کا ذکر آ چکا (۱) اسماء حسنی سے بندوں کی سرخ روئی، (۲) تذکرہ علماء ہند (۳) تکمیل امداد الباری کی چند جلدیں (۴) التعلیقات السنیہ علی شرح العقائد النسفیہ (شرح کا ہر مضمون با حوالہ ہے)

(۵) پانچویں کتاب مسنون قراءت، یعنی نمازوں میں کون کون سی سورتیں پڑھنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً منقول ہے، اس سلسہ کا ایک چہل حدیث رسالہ جو چھپ کر ختم ہو چکا ہے (یہ پانچوں کتابیں اردو میں ہیں)

عربی میں

(۶) دلائل الامور الستہ تبلیغی چھ نمبرات کی صحیح حدیثیں۔

(۷) **وفیات من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل**، جس میں امام شعبہ کے زمانے سے امام ذہبی کے دور تک کے ان سات سو پندرہ محدثین کرام کا ذکر ہے جن کی جرح وتعدیل کے قابل اعتماد ہونے پر اتفاق ہے۔

(۸) اعلام المحدثین، ہر زمانے کے محدثین نے جو علم حدیث کے کسی بھی فن میں محنت وکاوش فرمائی ہے ان کے مختصر مختصر تراجم۔

(۹) **نخب من اسماء الرجال الصحاح**، صحاح ستہ میں جو مہمل یا مبہم اسماء محدثین ہیں ان کا مختصر تعارف۔

(۱۰) کتاب المرتضیٰ وغیرہ کا علمی احتساب۔

اس کتاب میں تین تنقیدی مقالے ہیں، پہلا تو علی میاں کے مایہ ناز تحقیقی کارنامہ ''المرتضیٰ'' کے وہ مضامین جن کی اغلاط متعدی ہیں اور اہل سنت والجماعۃ کے عقیدہ کے

خلاف ہیں اور اہل تشیع کے مخاصمہ اہلِ سنت میں شیعوں کے لیے مفید اور سنیوں کے لیے مضر ہیں، اس کی سیر حاصل تحقیقات، جن کی اشاعت پر ندوہ والوں کی نیند حرام ہوگئی تھی، آخر علی میاں نے ان قابل اعتراض عبارتوں کو اگلے ایڈیشنوں میں حذف کر کے اپنی پوزیشن بچائی مگر پہلے کی عبارتوں میں کیا تھا؟ مودودیوں کی طرح اس کی طرف ادنی اشارہ بھی نہیں فرمایا۔

دوسرا رسالہ: ایک بزرگ حدیث پڑھاتے وقت اسماء الرجال کی کتابوں کا شوق سے مطالعہ کیا کرتے تھے اور محدثین کرام پر جہاں جہاں جرح وتعدیل پاتے اس میں سے جرحوں کو چھانٹ کر حرز جان بنا لیتے اور توثیقی کلمات کو مطلق چھوڑ دیتے تھے، جو کہ محدثین کے نزدیک جائز نہیں۔ انہیں تجریحات کی جھرمٹ میں بیٹھ کر انھوں نے صحیحین کی متفق علیہ حدیث، حدیث افک کو جعلی اور شیعی عقیدہ والوں کی اختراعی حدیث ثابت کرنے کی کوشش کر ڈالی، اور ایک رسالہ تفسیر سورۂ نور میں اپنی اختراعی رائے کو تحقیقی دلیل ثابت کرنا چاہا ہے، میں نے اس مضمون میں اصلیت کو اجاگر کر دیا ہے۔

تیسرا رسالہ: ایک شخص نے مناقب امام اعظم پر مبسوط رسالہ لکھا ہے اس میں اسماء الرجال کی بہت ساری غلطیاں آگئی ہیں ان کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

یہ ہے کتاب المرتضٰی وغیرہ کا علمی احتساب۔

(۱۱) دلائل الامور الستة ويليها دلائل الحميه.

۹۰-۱۳۸۹ھ میں تبلیغی جماعت میں جب ایک سال کا وقت لگا کر واپس ہونے لگا تو حضرت مولانا عبید اللہ بلیاوی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں ہماری تبلیغ کے چھ نمبرات اور اس کے اصول قرآن کریم اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں، ان صحیح حدیثوں کو کوئی جمع کر دیتا تو اچھا تھا، ایک دفعہ تم سے پل صراط کی مسافت والی حدیث کو دریافت کیا تھا تو تم نے ایک منقطع حدیث نکال دی تھی، اب اصول کے متعلق صحیح صحیح حدیثوں کو جمع کر دیتے تو بہت اچھا تھا۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق میں نے تبلیغی اصول ستہ اوراس کے متعلقات کے اندرانھیں حدیثوں کو اس کتاب میں ذکر کردیا جن کو محدثین کرام نے صراحۃ صحیح قراردیا ہے، صرف حدیث حسن پر صراحت مل جانے پر بھی رسالہ میں اس کونہیں لیا، مرسل، منقطع اور ضعیف حدیثوں کا تو اس کتاب میں گذر ہی نہیں، مثلا چالیس دن اخلاص کے ساتھ عمل صالح پر مداومت کرنے سے اس کے قلب کا نورِحکمت زبان پر جاری ہوجاتا ہے "**من أخلص لله اربعين صباحا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه**" کواس کتاب میں ذکرنہیں کیا بلکہ چلہ کوثابت کرنے کے لیے عبداللہ بن مسعود کی حدیث "**يجمع خلق أحدكم في بطن امه اربعين صباحانطفة**" والی روایت کوذکرکیا جوکہ صحیحین میں ہے۔البتہ الصلاۃ فی اَرض فلاۃ والی حدیث اگرچہ سنن ابی داوٗد سے لی گئی ہے اورابوداود نے اس پرسکوت کیا ہے مگراس کی صراحتاً تصحیح حضرت حافظ جلال الدین سیوطی کے علاوہ اورکسی محدث سے ہم کونہیں ملی۔

(۱۲) رسالۃ الاوائل لمحمد سعید سنبل وفات ۱۱۷۵ھ، یہ ابوطاہرمدنی کردی کے شاگرد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ساتھ حرمین میں حدیث پڑھنے گئے تھے، انھوں نے ۴۳ کتابوں کی ایک ایک حدیث جوعموماً "اول حدیث" ہیں ایک رسالہ میں جمع کردیا ہے تاکہ ایک مجلس میں پڑھ کران تمام کتابوں کی اجازت دیدی جائے، میں نے اس رسالہ کومحدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ سے پڑھ کراجازت حاصل کی تھی پھراس پرتعلیق وتحقیق اورکچھ حدیثوں کی مختصرتخریج لکھ کرشائع کردیا،اوراس کوشائع کرنے کا نفقہ مولانا رحمت اللہ کشمیری مجاز حضرت مفتی محمودصاحب علیہ الرحمہ نے برداشت کیا، پھرانھیں کی کوشش ہوئی کہ ضبط اسماء الرجال میں لوگ بہت غلطیاں کرتے ہیں اگرمولانا طاہرپٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المغنی" کی تصحیح تم کردوتو میں اس کوبھی چھپوادوں۔

(۱۳) **كتاب المغنى فى ضبط الاسماء لرواة الانباء .**

حدیث پاک کی تعلیم وتدریس میں اسماء الرجال کی اتنی اہمیت کہ امام بخاری کے استاذ علی بن عبداللہ بن جعفر المدینی نے فرمایا ''**علم أسماء الرجال نصف علم الحديث**''، مگر اس کی طرف سے اس قدر بے توجہی بڑھی ہوئی ہے کہ ''ابوبکر بن ابی شیبہ'' صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ میں ایک ہزار سے زائد بار آئے ہوئے ہیں مگر پڑھنے والوں کو ان کا نام تک معلوم نہیں، اسی طرح مشتبہ اسماء کا ضبط بالکل نہیں جانتے، کون بُرید ہے کون بُریدہ، عُبادہ عُباد، عَبادہ اور عبّاد ایک ہیں یا الگ الگ جیسا چاہتے ہیں پڑھ دیتے ہیں، اور عموماً اساتذہ کرام بھی چشم پوشی کرجاتے ہیں، اس غلطی سے بچانے کے لیے ایک ہندوستانی محدث جن کا لقب نابغۃ الہند ملک العلماء شیخ محمد طاہر پٹنی ہے ان کی وفات ۹۸۶ھ میں ہوئی اس وقت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۲۷ سال کی عمر کے تھے اور ان کا تذکرہ اپنی مشہور کتاب ''اخبار الاخیار'' میں مزہ لے لے کر کیا ہے، انھوں نے المغنی جیسی کتاب لکھی جو چھاپہ خانہ شروع ہونے سے پہلے اکثر محدثین کے پاس قلمی ہوتی تھی اور جب طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ کتاب بھی چھپی مگر اس میں کچھ غلطیاں رہ گئیں، پھر بعد میں الگ الگ مطابع میں چھپی تو غلطیاں اور زیادہ بڑھ گئیں، باہر ملک بیروت وغیرہ میں چھپی تو سطر کی سطر ساقط ہوکر چھپی، اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توفیق بخشی تو میں نے پوری محنت سے اس کی تصحیح کی اور عمدہ کاغذ پر اعلیٰ کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر لایا اور نہایت کم قیمت پر اہل علم کو دیا، اگر باہر ملک والے چھاپتے ہوئے تو کم سے کم اس کی قیمت موجودہ قیمت سے چار گنا زیادہ رکھتے مگر وہ بھی اہل علم کی ناقدری کا شکار ہے۔

(۱۴) عرش الٰہی کا سایہ اور نظر الٰہی سے محرومی کے اسباب

ماہنامہ مظاہر علوم میں انوار حدیث لکھنے کی ذمہ داری مجھ پر ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۶ء میں ڈالی گئی تھی، اس میں حدیث کی آسان تشریح لکھتا رہا، انھیں مضامین میں سے ایک مضمون یہ بھی تھا کہ سات آدمی عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے جس دن کہیں سایہ نہیں ملے

گا۔(۱) سلطان عادل۔(۲) عبادت الٰہی میں نشو ونما پایا ہوا جوان (۳) خاموشی سے صدقہ دینے والا۔(۴) جس کو حسین جمیل بدکاری کیلئے بلائے مگر وہ اللہ کے خوف سے سنبھل جائے ۔(۵) تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے رو دینے والا۔(۶) دو آدمی جو اللہ ہی کے لئے آپس میں جڑیں اور اللہ ہی کیلئے بچھڑ جائیں۔(۷) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے جب باہر آئے تو بھی مسجد ہی کی طرف دھیان لگا رہے۔

ان سات کی فضیلت تو ایک ہی مجلس میں ذکر فرمائی گئی ہے، اوراس کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگوں کو عرش الٰہی کے سایہ تلے جگہ مرحمت ہونے کی روایتیں ہیں، اس رسالہ میں ان کی تعداد ۶۸ انسانوں تک پہونچ گئی ہیں۔اسی کیساتھ جو لوگ اللہ کی نظر کرم سے محروم رہیں گے ان کی روایتوں کو بھی اس رسالہ میں ذکر کر دیا گیا ہے تا کہ انذار اور تبشیر دونوں پہلو امت کے سامنے آجائیں۔

عقیدہ نما

جس زمانہ میں مولانا عبدالغنی صاحب صدر مدرس مظہر العلوم بنارس مجھ کو اپنے مدرسہ میں حدیث پڑھانے کیلئے لے گئے تھے اس زمانہ میں وہاں درس نظامی مکمل ہوتا تھا اوراسی کے ساتھ الہ آباد بورڈ سے منشی، مولوی، عالم، فاضل کا امتحان دینا بھی طلبہ کیلئے لازم تھا ، پس امتحان کے زمانہ میں طلبہ کو بورڈ کے نصاب کی جو کتابیں رہ جاتی تھیں ان کتابوں کی تیاری کرانی پڑتی تھی اور عقائد کے اندر مولوی کے نصاب میں عقائد نسفی اور عالم کے نصاب میں شرح عقائد نسفی داخل تھی۔اوران دونوں کتابوں کی تیاری کرانی میری ذمہ داری تھی تو میں پرانے پرانے سوالات جو الہ آباد بورڈ کے امتحانات آچکے تھے ان کے جوابات طلبہ کو کاپی میں لکھوا دیتا تھا، اور خود بھی اپنی کاپی میں لکھ لیتا تھا اور کتاب میں دوسرے سوالات امتحان کے مواقع بھی ہوتے جہاں سے کسی ممتحن نے سوال نہیں بنایا تھا اس کا سوال میں خود بنا کر لڑکوں کو جواب لکھوا دیتا تھا یہ جوابات خاصے مقدار میں ہوگئے تھے، سہارنپور مدرسہ

مظاہر علوم میں آنے کے بعد عزیزم مولوی عبدالباسط سلمہ اور مولوی اسماعیل کو پا گنجی سلمہ نے مل کر دیو بند سے چھپوادیا جو یہاں کے مدرسوں میں بھی امتحان کے زمانہ میں طلبہ کے کام آنے لگے اور بنارس ودیگر ملحقہ بورڈ مدارس کے طلبہ کیلئے ایک خاصہ کی چیز ہوگئی اور میں نے اسی کا نام ''عقیدہ نما'' رکھا کیونکہ ان سوالات وجوابات میں اسلامی عقیدے کی صرف جھلکی تھی مکمل عقائد کی بحث نہ تھی۔

دسواں باب متفرقات وتوبہ

بیا اے کہ عمرت بہ ہفتاد رفت　　مگر خفتہ بودی کہ برباد رفت
زپنجہ درم پنج اگر کم شود　　دلت ریش سرپنجۂ غم شود
چو پنجاہ سالت بروں شد زدست　　غنیمت شمر چند روزے کہ ہست

خود پسندی اور اللہ کی ذات پر اعتماد

اصل یہ ہے کہ آدمی اپنے دینی ودنیاوی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر اعتماد رکھے اور اپنی ذات اور اپنی تدبیر پر بھروسہ نہ کرے اگر چہ جائز طریقہ سے تدبیر کرنا مامور بہ اور معمول بہا ہو، اپنا واقعہ ذکر کرتا ہوں، جب مجھ کو آسام سے احیاء العلوم مبارکپور بلایا گیا تو میں نے زیر درس کتابوں کی تحقیق کی، حضرت مولانا شمس الدین صاحب علیہ الرحمۃ نائب ناظم نے بتایا کہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب مبارکپوری کے پاس جو کتابیں تھیں وہی تم کو پڑھانی ہیں یعنی مختصر المعانی، ہدیہ سعیدیہ، سلم العلوم، ملاحسن اور فقہ میں ہدایہ کی کوئی جلد، تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ مختصر المعانی میں نے مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی سے پڑھی ہے اور خوب محنت سے پڑھی ہے یہاں تک کہ باب التشبیہ کا پورا شجرہ بطور خود بنا کر استاد کے سامنے پیش کر چکا ہوں اور داد وتحسین حاصل کر چکا ہوں؛ اس پر مزید یہ کہ حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی بلاغت والی اردو کتاب (تذکرۃ البلاغت) سے اردو اشعار اور مثالوں کو یاد کر چکا ہوں احیاء العلوم میری مادر علمی ہے وہاں جا کر مختصر المعانی ایسی پڑھاؤں گا کہ لوگ اس کا خوب چرچا کریں گے اور فن بلاغت میں میری دھاک بیٹھ جائے گی، اور خدا جانے کیا کیا فاسد خیالات مختصر المعانی سے متعلق دل ودماغ میں گھوم رہے تھے اسی کے ساتھ ہدیہ سعیدیہ اور ملاحسن کی طرف سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ احیاء العلوم میں حضرت مولانا بشیر احمد صاحب ان دونوں کتابوں کو پڑھاتے تھے

جو خود ایک کامیاب معقولی ہیں اور امام منطق وفلسفہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوری کے مخصوص شاگرد، پھر بھی کبھی کبھی اگر سبق میں ہمارے زمانہ میں اٹکتے تو جمعہ کے دن مبارکپور کے قریب مصطفیٰ آباد جناب مولانا محمد شریف صاحب مصنف جواہر الحکم وغیرہ کے پاس جا کر حل کر لیتے تھے، یااللہ اب کیا ہوگا اب تو وہ اکابر بھی نہیں جن سے میں رجوع کرسکوں اور حضرت مولانا بشیر احمد صاحب اگر چہ کچھ دنوں رہیں گے مگر وہ مدرسہ سے ناراض ہیں مدد دیں گے یا نہیں، پھر مالیگاؤں والے مولانا کو اپنے وہاں بلا رہے ہیں وہ مالیگاؤں چلے جائیں گے، غرض اپنی ذات پر اعتماد ان دو کتابوں کی طرف سے نہیں ہوا ہمیشہ خدا کی ذات پر اعتماد کر کے ہی ان کتابوں کو اپنے ذمہ لے لیا۔

اب خدا کی شان دیکھئے کہ ہفتہ دو ہفتہ مختصر المعانی پڑھائی ہوگی کہ اس کے متعلق میرے خلاف طلبہ نے درخواست دیدی کہ یہ مختصر المعانی سمجھا نہیں پاتے اس لیے اس کو دوسرے استاذ کے پاس کردی جائے، خیرآباد کے مولوی عبدالحی ولد مولانا نذیر احمد صاحب درخواست دلوانے میں پیش پیش تھے، صدر مدرس صاحب میرے سبق میں ایک دن تشریف لائے، میرے درس کو سنا اور تیسرے دن مختصر المعانی کا درس دوسرے استاذ کے پاس کردیا اس طرح میری خود پسندی کا انجام بد سامنے آیا، اسی وقت توبہ کیا کہ آئندہ اسباق میں اپنے اوپر بالکل اعتماد نہیں کرنا ہے سب اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور اس کی قدرت کاملہ کی طرف حوالہ کرنا ہے، اور رہی ہدیہ سعیدیہ اور سلم، ملاحسن جس سے نہایت درجہ ڈرا ہوا تھا اس میں کسی نے درخواست بھی نہیں دی اور اللہ نے خوب مطالعہ کی توفیق بخشی، اگر کہیں اٹکا تو جمعرات کو مئو جا کر حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے حل کر کے آتا، ملاحسن کی مشکل بحثوں کو مولانا چٹکیوں میں حل کر دیتے، اس کا تجربہ ان کے انتقال کے بعد ہوا جب ایک مقام پر اشکال پیدا ہوا تو اس کو حل کرنے محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ کے پاس گیا، جمعہ کو فجر کے بعد وقت دیا تھا کتاب وہیں رکھ کر مطالعہ کے لیے چھوڑ دیا، صبح کو گیا حضرت بڑے مولانا نے آدھا گھنٹہ میرے ساتھ مغز ماری کی یہاں تک کہ حضرت کے

سر میں درد ہوگیا مگر مجھ کو شرح صدر نہیں ہوا اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبقریت کا احساس واضح ہوگیا۔

موضع شاہ پور کے مولوی مختار برابر کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح ان کے تمام ساتھی مل کر ہدیہ سعیدیہ یا سلم العلوم کے متعلق میرے خلاف درخواست دیدیں مگر ان کے ساتھی کسی طرح مخالفت پر آمادہ نہ ہوئے اس لیے درخواست آٹھ سال تک ان دونوں کتابوں کے متعلق نہ پڑسکی اس لیے کہ ان کے پڑھانے میں اپنے نفس کی طرف میلان نہیں ہوا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر نگاہ رہی۔ **والحمد لله رب العالمین**

نظام الاوقات کی برکات

اس زمانہ میں نگراں دارالاقامہ کی طرف سے ہر کمرہ کے باہر کمرہ والوں کا نظام الاوقات لکھ کر لٹکانا ضروری تھا، بہت سے طلبہ کو وہ گراں گذرتا تھا کیونکہ جس وقت میں جو کام متعین کردیا اس وقت اس کا ہونا لازم تھا نگراں نے اگر اس کے خلاف پایا تو باز پرس کرسکتا تھا، مگر مجھ کو اس نظام الاوقات میں دو برکتیں محسوس ہوئیں، (۱) یہ کہ کوئی شخص دوسرے کا وقت ضائع نہ کرسکتا تھا (۲ دوسرے) یہ کہ سونے کا وقت شام دس بجے سے صبح چار بجے تک متعین کردینے سے جاڑے میں رات کو اور گرمی میں دن کو مطالعہ کرنے کا خوب موقعہ مل جاتا تھا، اور اس طرح مطالعہ سونے جاگنے کے اوقات کے علاوہ اس قدر کافی ہوجاتا تھا کہ امتحان کے زمانہ میں بہت محنت کرنے یا سونے کو ترک کردینے کی بالکل ضرورت نہیں رہتی تھی، کیونکہ جب چھ گھنٹہ رات میں سولیے تو دن میں سونے کی کوئی ضرورت نہ رہی، اس لیے میں نے ہر موسم میں سونے کے اوقات کی پابندی اسی طرح رکھی اور بقیہ اوقات طبعی ضرورتوں اور نمازوں کے بعد مطالعہ کے لیے اور بعد عصر تفریح کے لیے متعین کر رکھا تھا۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی نصیحت

جب فارغ ہونے کے بعد میں گھر آنے لگا اور حضرت شیخ الادب سے آخری ملاقات کرنے گیا تو یوں فرمایا کہ گھر جا رہے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، فرمایا وہاں جا کر پڑھانا اگر چہ قاعدہ بغدادی ہی پڑھانا پڑے کیونکہ میرے نزدیک علم کے قبول ہونے کے دلیل یہ ہے کہ پڑھانے کی توفیق ہو۔

اس ارشاد مبارک کا اثر یہ ہوا کہ گھر آ کر دو تین مہینہ کے بعد ایک دیہات خالص پور بن کٹ میں واقعی قاعدہ بغدادی اور اور اردو کی پہلی دوسری وغیرہ کتابیں پڑھانے لگا اور صرف ۱۶/روپیہ ماہانہ تنخواہ پر تعلیم شروع کردی اور مطالعہ وغیرہ میں وقت خرچ نہ ہونے کی وجہ سے بخاری شریف کی تلاوت شروع کردی اور جلد ثانی مکمل تلاوت کرڈالی، پھر اردو سے آگے بڑھ کر اکلہ خانپور ضلع میرٹھ میں فارسی، حمد باری، گلزار دبستاں اور صرف میر وغیرہ پڑھائی اور جس ترتیب سے کتابیں پڑھی تھیں اسی ترتیب سے پڑھانے کی توفیق بھی مل گئی۔

(۲) جب مجھ کو اکلہ خانپور بھیجنے لگے تو یہ فرمایا کہ وہاں جا کر پڑھاؤ اگر کوئی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرنا اور اگر نہ آئے تو شکایت نہ کرنا، چنانچہ آج تک اپنا یہی معمول ہے۔

پھر فرمایا کہ مگر تعلقات کی وجہ سے کسی کی خرابی کو اچھا کہنا اور اور کسی کی اچھائی کو برا کہنا یا برا ماننا بھی نہایت برا ہے۔

جناب حافظ عبدالقادر صاحب کی نصیحت

۱۹۵۵ء میں جب چھٹی پر میں آسام سے گھر آیا تو حافظ عبدالقادر صاحبؒ سے ملاقات کی، آپ نے فرمایا کہ جتنے بھی بڑے ہوجاؤ گے ہمیں لوگوں کی اولا در ہوگے، دوسری بات یہ ہے چھٹی ختم ہونے سے ایک دو دن پہلے مدرسہ میں پہنچ جانا ایک دو گھنٹہ تاخیر سے مت پہونچنا جب آدمی گھر آتا ہے تو اس کو گھر پر بہت سارے کام نظر آنے لگتے ہیں، جس کی وجہ سے ملازمت پر جانے میں لوگ ایک دو دن تاخیر کر دیتے ہیں، یہ بہت برا ہے۔

الحمدللہ حضرت حافظ صاحب کی اس نصیحت بلکہ اس دعا نے بہت کام کیا ۳۲ ر سال اس پر پابندی نصیب ہوگئی کہ کبھی چھٹی ختم ہونے کے ایک دو گھنٹہ بعد مدرسہ نہیں پہنچا ہمیشہ چھٹی ختم ہونے سے پہلے مدرسہ پہونچ گیا۔

حضرت قاری ظہیر الدین صاحبؒ کی نصیحت

جب مبارکپور میں مجھے مکمل ناکارہ ثابت کرنے کی شورش شباب پر تھی اس وقت بعد عصر میں اپنے ایک موافق ساتھی کو لیکر نکل جاتا تھا اور ایک ممبر مدرسہ کو صحیح صورت حال سمجھا دیتا اور سازشی حکمت عملی سمجھا کر مطمئن کر دیتا، پھر دوسری عصر کو دوسرے ممبر کے پاس یہی باتیں بتاتا، حضرت ناظم صاحبؒ اصول کے بڑے پابند تھے اس قسم کے معاملات میں بغیر مجلس شوریٰ کے کوئی فیصلہ نہ کرتے مگر سازشی ٹولے کے دباؤ میں رہتے تھے، اب جس وقت مجلس شوریٰ میں میرے مخالفین کوئی عمل مفاد مدرسہ کے خلاف پیش کرتے تو جو لوگ میرے موافق ہوتے وہ لوگ اس میں خیر کا جو پہلو ہوتا تھا اس کو نہایت آب و تاب سے بیان کر کے سازشی فسادات کو کھول دیتے اور مخالفین اپنا سامنہ لے کر رہ جاتے، مثلاً ایک دفعہ سالانہ امتحان میں مقامات حریری کا پرچہ ایک طالب علم نے لکھا (مقامات میں نے پڑھائی تھی) جس میں سوال حل کرنے کے بجائے میرے خلاف بہت ہی نازیبا کلمات لکھ گیا یہاں تک کہ آخری وقت ہوگیا میں اس کمرہ میں نگراں تھا، میں نے کہا وقت ختم ہونے والا ہے، جلدی کاپی پر نام لکھ کر جمع کر دیا، میں نے جواب کو سرسری دیکھا تو سوال سے اس کو کچھ تعلق نہیں تھا اس لیے اس جواب کو میں نے محفوظ رکھنے کے لیے نقل کرلیا، اب اس واقعہ کو مفاد مدرسہ کے خلاف قرار دے کر میرے خلاف شوریٰ بلائی گئی، اور مجلس شوریٰ کو یقین دلایا گیا کہ نگران امتحان کو کاپی جانچنے کا حق نہیں ہوتا انھیں کاپیاں صدر مدرس کے حوالہ کرنا چاہئے تھا، صدر صاحب ممتحن کے پاس بھیج دیتے ممتحن جو چاہتے فیصلہ کرتے، اس لیے زین العابدین کا عمل قابل سرزنش ہے، مگر ممبران شوریٰ نے کہا کہ جواب کی کاپی پہلے مجلس شوریٰ کو

پڑھ کر سنائی جائے وہ فیصلہ کریں کہ وہ کاپی ممتحن کے پاس غازی پور بھیجنے کے قابل ہے یا نہیں؟ چنانچہ پڑھنے کے بعد ممبران نے میرا عمل مفاد مدرسہ میں طے کر دیا اور کاپی کو ممتحن کے پاس نہ بھیجنے کے قابل قرار دیا۔ اور اس طالب علم اور اس کے چند موافقین کو سرزنش کی، اس پر میرے استاذ محترم حضرت قاری ظہیرالدین صاحب علیہ الرحمہ نے مجھے نصیحت کی کہ جو حالات تمہارے اوپر چل رہے ہیں اس کا دو علاج ہے، ایک تو تدبیر جو تم کر رہے ہو یہ بھی علاج ہے، دوسرا تفویض وتوکل کہ زید، عمر وبکر سے کچھ نہیں، جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لیے اللہ کی طرف مکمل توجہ کرو اور دعائے حزب البحر پڑھا کرو، چنانچہ میں نے بھی اسی وقت بعد عصر والی تدبیر کو چھوڑ دیا اور اللہ کے اوپر بھروسہ کر کے حزب البحر پڑھنے لگا اور الحمدللہ مکمل عافیت میں رہا، اور اپنے ساتھیوں عزیزوں کو بھی دعائے حزب البحر پڑھتے رہنے کا مشورہ دیتا ہوں اور وہ لوگ بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔

توبہ

اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں کفر سے شرک سے چوری کرنے سے، زنا کرنے سے، پرایا مال ناحق کھانے سے، بہتان باندھنے سے، کسی کے ساتھ زیادتی کرنے سے، تعلق توڑنے سے، اے اللہ میری توبہ کو قبول فرما! جن لوگوں نے میرے ساتھ حسن سلوک کیا ہے انھیں جزائے خیر عطا فرما! اے اللہ مولوی عبدالباسط کو جائز مقاصد میں کامیابی عطا فرما! وہ میری خدمت کے لیے اپنا کاروبار چھوڑ کر آئے ہیں، اے اللہ ان کی خدمت کو قبول فرما! اے اللہ مولوی عبدالرحیم سلمہ کی خدمت کو قبول فرما! اے اللہ قمر النساء کی جملہ پریشانیوں کو دور فرما! اے اللہ ہم سب لوگوں کی مغفرت فرما! لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہ توبہ ۵/ رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷/ اپریل ۲۰۱۳ء آٹھ، دس حاضرین کی موجودگی میں بآواز بلند کی، حاضرین میں مولوی حفیظ الرحمٰن محلّہ پارہ، جناب عبدالستار محلّہ پارہ، مولوی عبدالرحیم محلّہ نئی بستی، حاجی نیاز احمد محلّہ نئی بستی، مولوی عبدالباسط محلّہ نئی بستی موجود تھے۔

☆☆☆☆☆

والۂ وشیدا حدیثِ مصطفیٰ کا چل بسا

رشحات قلم

حضرت مولانا فضل حق عارف خیرآبادی
استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد ضلع مئو

ماہتابِ علم وتقوی جس گھڑی گہنا گیا
ہر زباں کہنے لگی کہ ’’یا! خدا یہ کیا ہوا؟‘‘

چشم گریاں، سینہ بریاں مضطرب دل ہوگیا
والۂ وشیدا حدیثِ مصطفیٰ کا چل بسا

اہلِ دانش سوختہ جاں، دم بخود نالہ بلب
جس پہ تکیہ تھا وہی پتہ ہَوا سے گر گیا

غمزدہ اندوہگیں اہلِ زماں اہلِ زمیں
آسمانوں پر صدائے مرحبا صد مرحبا

پاکباز و پاک باطن، حاملِ خُلقِ حسن
اہلِ دنیا کی زباں نے ان کو یہ تمغہ دیا

خوش جمال وخوش خصال وخوش خیال وخوش مقال
وہ انھیں اوصاف سے آراستہ پیراستہ

صفحۂ قرطاس ان کے علم کی جولانگاہ
ہر سطر علمی گہر سے تابناک و پُرضیا

علم کے موتی لٹاتا اس طرح ان کا قلم
نکہتِ گل جس طرح لے کر چلے بادِ صبا

انت مغفور اے زین العابدین خوش مآل
ہاتفِ غیبی مسلسل دے رہا ہے یہ ندا

جذبات دل

فروح وریحان وجنات نعیم
ھ ۱ ۴ ۳ ۴

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

اف کس کے سوگ میں ہے مری چشم اشک بار
یہ کس کے غم میں ہیں مرے قلب جگر فگار
بے چین و بے قرار ہوں آتا نہیں قرار
بزم جہاں سے اٹھ گیا یکتائے روزگار

دل کا ہرایک زخم عیاں ہوگیا ہے آج
یہ کون زیر خاک نہاں ہوگیا ہے آج
سونی سی ہوگئی ہے مرے دل کی انجمن
دوہے غمِ فراق کے ہونٹوں پہ نغمہ زن

دنیائے علم وفن تھی تری ضو سے ضو فگن
تحقیق وجستجو میں رہا کرتا تھا مگن
سب پوچھتے ہیں دل کا سہارا کہاں گیا
جو زیب چرخ تھا وہ ستارا کہاں گیا

امرت کو پی کے جامۂ ہستی دیا اتار
باغ بہشت کی ہو میسر تجھے بہار
بوئے وفا سے اب بھی زمانہ ہے مشکبار
تھی سرزمینِ علم ترے دم سے لالہ زار

آہستہ برگِ گل بہ فشاں بر مزار او
بس نازک است شیشۂ دل درکنار او

علم حدیث پاک کا دیوانہ چل بسا
روشن تھی جس سے شمع وہ پروانہ چل بسا
ویراں ہے میکدہ خم وپیمانہ چل بسا
جو نازش چمن تھا وہ مستانہ چل بسا
کچھ داغہائے دل ہیں نہاں اندرون دل
وجہ نشاط باعث راحت سکون دل
نالوں کو جوڑ دے مرے یارب !اثر کے ساتھ
پرواز بخش! بھیگے ہوئے بال وپر کے ساتھ
وابستہ میں رہوں گا یونہی تیرے در کے ساتھ
ہو علم و آگہی بھی عطا چشم تر کے ساتھ
آباد تیری یاد سے دل کا چمن رہے
آجائے صبر دل میں نہ رنج ومحن رہے
یاقوت و لعل وگوہر نایاب اس کی ذات
طارقؔ متاع فکر و نظر اس کی بات بات
وہ نازش چمن تھا وہی رشک کائنات
افسوس خشک ہوگیا سرچشمۂ حیات
نالہ دہائی دینے کو پہونچا ہے عرش پر
نعم البدل کی آج ضرورت ہے فرش پر

مولانا عبدالباسط طارقؔ قاسمی ابن مولانا زین العابدین الاعظمی
جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

واردات قلب

حیف استاذ العلماء رفت

۳ ۱ ۰ ۲ ء

بروفات حسرت آیات حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمیؒ

علم سے سرشار تھے مولانا زین العابدیں
اک دُرِ شہوار تھے مولانا زین العابدیں

جی بہل جاتا تھا ان کی انجمن میں ہم نفس
مونس و غم خوار تھے مولانا زین العابدیں

اتباع سنت نبوی میں گذری تھی حیات
کس قدر دیں دار تھے مولانا زین العابدیں

ہم نے اس دنیا میں ان سا دوسرا دیکھا نہیں
کتنے خوش گفتار تھے مولانا زین العابدیں

رہروِ راہِ طریقت پیکر صدق وصفا
صاحب دستار تھے مولانا زین العابدیں

سچ تو یہ ہے آپ ہی سے آبرو تھی علم کی
علم سے ضو بار تھے مولانا زین العابدیں

اجنبیت کا کبھی احساس بھی ہوتا نہ تھا
کتنے خوش اطوار تھے مولانا زین العابدیں

مرتے دم بھی ان کے چہرے پر نہ تھی پژمردگی
شوق میں سرشار تھے مولانا زین العابدیں

مسکرا کر چل دیئے آیا جو پیغام اجل
واقعی تیار تھے مولانا زین العابدیں

عصمت ازواج واصحاب پیمبر کے لئے
آہنی دیوار تھے مولانا زین العابدیں

بخش دے ان کو مرے مولا مرے پروردگار
علم کا مینار تھے مولانا زین العابدیں

یہ زمانہ تا قیامت آپ کی دے گا مثال
ایسا اک کردار تھے مولانا زین العابدیں

جو بھی جاتا تھا اسے محسوس تک ہوتا نہ تھا
کس قدر بیدار تھے مولانا زین العابدیں

بے نیازی اور استغنا کی خوگر ان کی ذات
کس قدر خوددار تھے مولانا زین العابدیں

شاعر آتش نوا کہتا ہے یارب رحم کر
عاشق سرکار تھے مولانا زین العابدیں

طارقؔ خستہ کا پہونچے ان کی خدمت میں سلام
وارث دین نبی تھے وہ زمانے کے امام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی یاد میں شائع ہونے والے مجلّہ ''سراج الاسلام'' چھپرہ کے خصوصی نمبر کا مجوزہ خاکہ

برائے کرم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی (نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ ورفع درجاتہ) کی جامع الصفات والکمالات شخصیت سے متعلق حسب ذیل عناوین میں سے کسی پر بھی اپنے مضامین ماہ صفر ۱۴۳۵ء کے اخیر تک یا زیادہ سے زیادہ نصف ربیع الاول تک ضرور ہمیں ارسال کردیں تاکہ وقت پر اس نمبر کو نکالا جاسکے۔

چند ممکنہ و مجوزہ عناوین

(۱) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور درس قرآن کریم
(۲) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں
(۳) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ایک بے نظیر مدرس
(۴) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کا انداز تربیت اور درسی خصوصیات
(۵) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی بحیثیت مصلح اور داعی
(۶) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اکابر ملت کی نظر میں
(۷) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اپنے ہم عصروں کی نظر میں
(۸) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کا اسلوب نگارش اور اس کا ادبی پہلو
(۹) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور ان کے باکمال تلامذہ
(۱۰) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور ان کی علمی خدمات
(۱۱) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور محبت رسول ومحبت صحابہ

(۱۲) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کا اپنے شاگردوں سے خصوصی تعلق
(۱۳) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مسلک دیوبند کے بے لوث ترجمان
(۱۴) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کا اہل اللہ سے والہانہ تعلق
(۱۵) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی اسلامی حمیت وغیرت
(۱۶) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور تصوف وسلوک
(۱۷) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کے دعوتی اسفار اور ان کے اثرات
(۱۸) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور مردم گری ورجال سازی
(۱۹) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی امتیازی خصوصیات
(۲۰) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی اور ان کے اساتذہ وشیوخ
(۲۱) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کا ادبی ذوق
(۲۲) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی فرق باطلہ کے لئے شمشیر برہنہ!
(۲۳) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی حق گوئی وبے باکی کے پیکر جمیل
(۲۴) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ایک باپ کے کردار میں
(۲۵) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی خدمات مجلّہ المآثر کے آئینہ میں،
اور حضرت محدث اعظمیؒ اور ان کے خانوادے سے ربط وتعلق
(۲۶) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی تصنیفات کا ایک جامع تعارف
(۲۷) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی بحیثیت مترجم
(۲۸) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی کی فقہی بصیرت
(۲۹) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی ذوق عبادت اور رمضان کی مشغولیات

(نوٹ) ان عناوین میں سے کسی ایک عنوان پر اپنا مضمون روانہ فرمائیں، یا مزید جو بھی معلومات آپ کو حاصل ہوں، تحریر فرما کر ہماری مدد فرمائیں۔ تاکہ اس خاص نمبر کو ہر پہلو سے خوب تر بنایا جا سکے۔

Madarsa Serajul-Uloom, Seraj Nagar
P.O. Chhapra, Chiraiyakot, Distt. Mau.
PIN-276129 • Ph. 0547-338058

مدرسہ سراج العلوم سراج نگر
پوسٹ چھپرا، چریاکوٹ، ضلع مئو (یوپی)
پن نمبر ۲۷۶۱۲۹، فون نمبر ۳۳۸۰۵۸

Ref. No. ____________ Date ____________

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

آج بتاریخ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ حضرت مولانا زین العابدین صاحب معروفی علیہ الرحمۃ کی تعزیت کے سلسلہ میں مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو میں حاضر ہوا۔ جہاں مولانا نے سکونت اختیار کی تھی اور ان کی وصیت کے مطابق یہیں ان کی تدفین ہوئی۔

مولانا اپنی حیات کے آخری حصہ میں وفات سے چند ماہ قبل چھپرہ منتقل ہو گئے تھے اور مدرسہ سراج الاسلام چھپرہ جس کے بانی بھی مولانا مرحوم ہی تھے اسکو اپنی توجہات کا مرکز بنا لیا تھا۔ اسکی ترقی کے لئے کوشاں تھے۔ چنانچہ یہاں آنے کے قبل مدرسہ کی تعلیم درجات حفظ تک محدود تھی ایک عربی مدرسہ کی شکل دینے کا کام شروع کیا اور موجودہ محدود گنجائش کے پیش نظر عربی کا درجہ ششم قائم کر دیں۔ عربی درجہ پنجم (مشکوٰۃ شریف وغیرہ) تا درجہ ششم (جلالین شریف وغیرہ) ان دونوں جماعتوں میں تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔ اور طلبہ کی اچھی خاصی تعداد بھی ہو چکی ہے۔

مدرسہ کو مزید ضروریات درپیش ہیں جن کا تخمینہ تقریباً ہے، اہل خیر حضرات کو ادارہ کی ضروریات کی جانب خصوصی توجہ کرنا چاہئے۔ والسلام

ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند
وارد حال چھپرہ مئو۔

نقل مکتوب

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

آج بتاریخ ۱۷؍ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۳؍اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز بدھ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی تعزیت کے سلسلہ میں مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو میں حاضری ہوئی، جہاں مولانا نے سکونت اختیار کرلی تھی اور ان کی وصیت کے مطابق یہیں ان کی تدفین ہوئی۔

مولانا اپنی حیات کے آخری حصہ میں وفات سے چند ماہ قبل چھپرہ منتقل ہوگئے تھے اور مدرسہ سراج العلوم چھپرہ جس کے بانی بھی مولانا مرحوم ہی تھے اس کو اپنی توجہات کا مرکز بنالیا تھا، اس کی ترقی کے لئے کوشاں تھے۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد مدرسہ کو جواب تک درجاتِ حفظ تک محدود تھا ایک عربی مدرسہ کی شکل دینے کا کام شروع کیا اور موجودہ محدود گنجائش کے پیش نظر عربی کی دو جماعتیں قائم کردیں۔ ۱۔ درجہ ہفتم (مشکوٰۃ شریف وغیرہ) ۲۔ درجہ ششم (جلالین شریف وغیرہ) ان دونوں جماعتوں میں تعلیم بھی شروع ہوگئی ہے، اور طلبہ کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوچکی ہے۔

مدرسہ کی فوری ضروریات میں چند کمروں کی تعمیر سب سے مقدم ہے، اہل خیر حضرات کو ادارہ کی ضروریات کی جانب خصوصی توجہ کرنی چاہئے۔ والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
وارد حال چھپرہ مئو